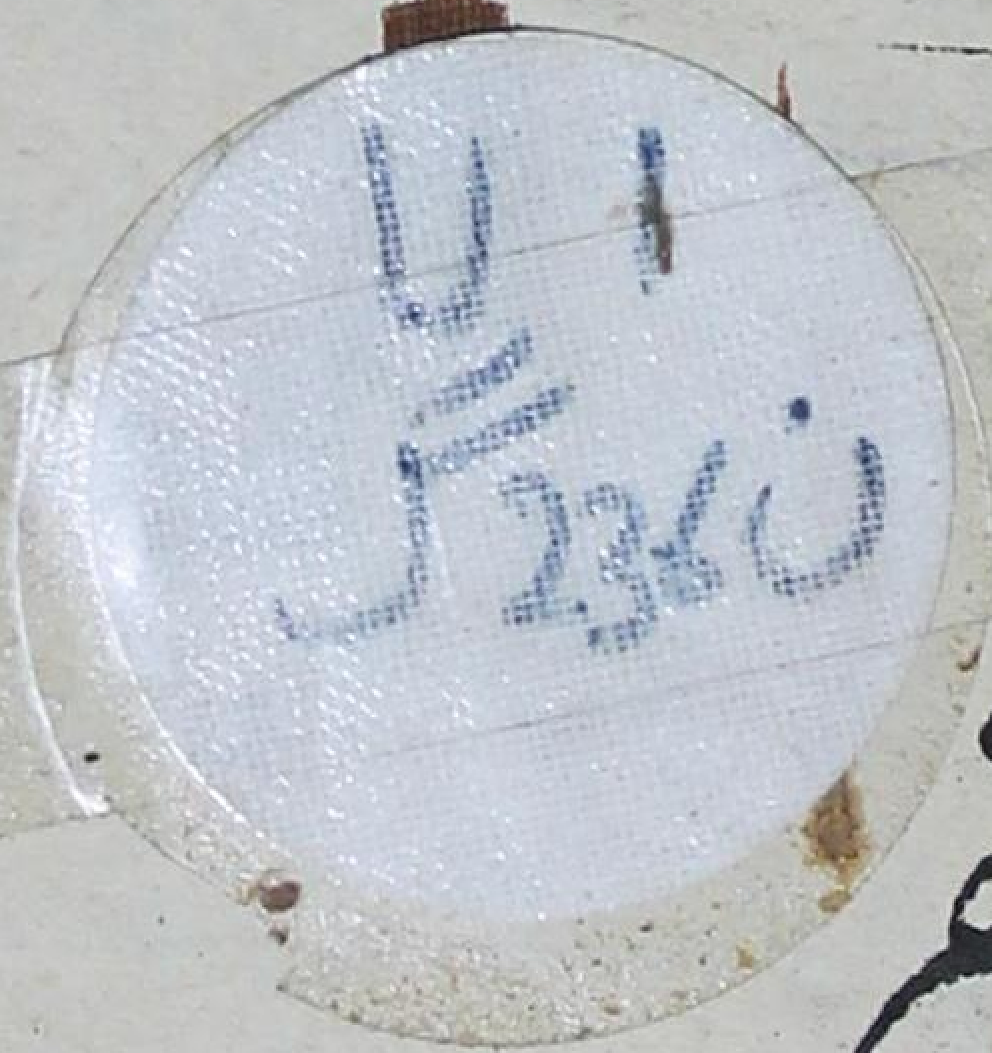
گلزارِ نظیر

نظیر اکبر آبادی کا کلام

(اردو)



مرتبہ

سلیم جعفر

ہندستانی اکیڈیمی صوبۂ متحدہ
الہ آباد
۱۹۵۱ء

قیمت :- دس روپے

مقدمہ

یہ کہنا کہ نظیر کو صف مشاہیر میں جگہ دینے میں آج تک ادباء کو تکلف ہے، قرین صحت نہیں۔
تذکرہ نویسوں کی بے اعتنائی اور نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کے سے متعصب نقادوں کی زہرافشانی کے
باوجود، ادب اور شیدایان ادب اس سے روشناس ہیں۔ قدیم تذکرہ نویسوں کی ستم ظریفی کی تلافی مولوی سید
محمد عبدالغفور صاحب۔ شہبازؔ مرحوم۔ پروفیسر اورنگ آباد کالج کی ژرف نگاہی نے اس معیوب خلائق
شاعر کی بسیط سوانح عمری لکھ کر کر دی، لیکن اس سوا چار سو صفحوں کی تصنیف پر تنقید سے زیادہ تقریظ کی
تعریف صادق آتی ہے۔ کلیسائے کنٹربری کے ڈین، ایف۔ ڈبلیو۔ فرار نے حضرت عیسیٰؑ کی سوانح عمری[1]
لکھی ہے۔ ایک نقاد نے اس کی نسبت کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ اس میں ہیں تو مگر پھولوں میں چھپے ہوئے[2]
یعنی کلام کی رنگینی اور مبالغہ آمیز تعریف و توصیف نے ان پر پردہ ڈال دیا اور وہ عام نگاہوں سے
اوجھل ہو گئے۔ یہی تنقید لفظ بہ لفظ "زندگانی بے نظیر" مصنفہ پروفیسر شہباز پر صادق آتی ہے۔ مگر حقیقت
یہ ہے کہ ان کی تحقیق و تلاش سے آگے قدم بڑھانا دشوار ہے۔ بعد میں کلام نظیرؔ کے جو نسخے نکلے ان میں اس
شاعر کے جو حالات لکھے گئے، وہ زیادہ تر اسی تصنیف کے مرہون منت ہیں۔ دیگر سوانح نگاروں نے
شاذ و نادر ہی کوئی بات ایسی کہی ہے جس کا ماخذ شہبازؔ کی تالیف نہ ہو۔ وجہ یہ ہے کہ پروفیسر موصوف
کی خوش نصیبی سے ان کی تحقیقات کے زمانے میں نظیرؔ کی نواسی بہ قید حیات تھیں، اور ایسے بزرگ موجود
تھے جو دیدہ نہیں تو شنیدہ حالات بیان کر کے ترتیب و تدوین سوانح عمری میں مدد دے سکتے تھے۔ مگر
آج یہ سب وسائل مفقود ہیں اور محقق ان روایات کو جو اہل اکبر آباد کی زبانوں پر ہوں گے بہ نظر اشتباہ
دیکھنے پر مجبور ہے۔ وہ بہ سبیل تذکرہ ہی ان کی طرف اشارہ کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں نئے حالات
کی تلاش تحصیل حاصل ہے اور جو کچھ لکھا جا چکا ہے، اسی کا مجملاً اعادہ انسب نظر آتا ہے۔ جن اصحاب کا

---

[1] Life of Christ by F. W. Farrar Dean of Canterbury.

[2] Christ is there but hidden in flowes.

ذوق معلومات اس مجمل سے تشفی یاب نہ ہو وہ "زندگانی بے نظیر" کے مطالعے سے جویائے تسکین ہو سکتے ہیں۔

ولی محمد نظیر دہلی میں[5] ۱۷۳۵ء مطابق ۱۱۴۷ھ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام محمد فاروق تھا۔ والدہ نواب سلطان خاں، قلعہ دار آگرہ کی بیٹی تھیں۔ ان کی پیدائش کے بعد ہی سے دہلی پر پے در پے مصیبتیں نازل ہونے لگیں۔ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ نے اس عروس البلاد کو لوٹا کھسوٹا۔ قتل عام کیا۔ گلیوں میں خون کی ندیاں بہ گئیں۔ پھر احمد شاہ ابدالی کی ہوس جہاں گیری نے اس کے خرمن امن پر بجلیاں گرائیں۔ اس نے ۱۷۴۸ء، ۱۷۵۱ء اور ۱۷۵۶ء میں حملے کئے۔ خلق اللہ پر ستم توڑے۔ اہل دہلی کو وطن میں رہنے کے لالے پڑ گئے جسے جدھر گوشۂ عافیت نظر آیا نکل گیا۔ چنانچہ نظیر نے بھی ماں اور نانی کو ساتھ لیا اور ننھیال کے دامن میں پناہ لی۔ ۲۲ یا ۲۳ سال کے ہوں گے کہ اکبر آباد میں آ کر بسے اور ایسے بسے کہ یہیں کی خاک کا پیوند ہو گئے۔ نوری دروازہ میں ایک مکان لے کر رہنے لگے۔ شادی تہور النساء بیگم سے ہوئی۔ یہ احمدی عبدالرحمان خاں چغتائی کی نواسی اور محمد رحمان خاں کی بیٹی تھیں۔ محمد رحمان خاں ملکوں کی گلی واقع محلہ تاج گنج میں رہتے تھے۔ اس قران السعدین سے ایک لڑکا "گلزار علی" اور ایک لڑکی "امامی بیگم" کتم عدم سے عرصۂ شہود میں آئے۔ امامی بیگم کے ہاں ایک لڑکی ہوئی جس کا نام ولایتی بیگم رکھا گیا۔ نظیر کے حالات کے متعلق اسی جلوہ آرائے حجلۂ عفت و عصمت سے پروفیسر شہباز کو بہت کچھ مدد ملی۔

مذکورہ حالات میں نہ تو کسی تردید کی گنجائش ہے اور نہ تائید کی ضرورت۔ جو بات محل نظر ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ آیا نظیر کو اکبر آبادی کہنا چاہیے یا دہلوی۔ یہ سوال محض اس لیے پیدا ہو گیا ہے کہ باقیات صالحات میں سے ایک شاعر و ادیب، جناب مولوی سید علی حیدر طباطبائی المتخلص بہ نظم و حیدر کسی شاعر کو اسی خطے سے منسوب کرنا چاہتے ہیں، جہاں وہ پیدا ہوا اور زبان سیکھی۔ شرح دیوان اردوئے غالب (ص ۹۲) میں تحریر فرماتے ہیں۔

"غالب اور میر دونوں بزرگ اکبر آبادی ہیں یعنی زبان آنے کی عمر دارالسلطنت اکبر آباد میں گزری۔ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ، غالب مرحوم کو لکھتے ہیں 'سابقاً مستقر الخلافت اکبر آباد از استقرار شما سرگرم کبر و ناز بود۔ اکنون دارالخلافہ شاہجہان آباد بدین نسبت غیرت افزائے صفاہان و شیراز' خود غالب ایک خط میں لکھتے ہیں۔ امجد علی شاہ کے آغاز سلطنت

ع۵ صرف ایک تذکرے میں لکھا ہے کہ وہ آگرہ میں پیدا ہوئے لیکن اس کی تردید بقیہ تمام تذکروں سے ہوتی ہے۔

یں ایک صاحب وارد اکبر آباد ہوئے میر سے۔ ہاں دو ایک بار آئے تھے پھر وہ خدا جانے کہاں گئے تھے دہلی آ رہا تھا اور میر محمد حسین صاحب آزاد، میر محمد تقی میرؔ کو لکھتے ہیں "باپ کے مرنے کے بعد (اکبر آباد سے) دلی میں آئے"۔ اور "گلشن بے خار" میں ہے "میر از اہل اکبر آباد است۔ در بد و حال بہ شاہ جہان آباد آمد تتبع نہ یافتہ ناکام برگشتہ، در لکھنؤ می گزرانید۔۔۔۔۔۔۔۔" اب اگر غالبؔ کو دہلوی کہو تو میرؔ کو لکھنوی کہنا ضرور ہے۔ مگر ان دونوں اُستادوں کی زبان یہ کہہ رہی ہے کہ نہ وہ دہلوی ہیں نہ یہ دہلوی ہیں۔۔۔۔

انصاف یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ زبان اکبر آباد کے لیے مایۂ فخر و ناز ہیں۔

موضوع کی یہ رائے عرصے تک انھیں اوراق کی زینت رہی۔ لیکن حال ہی میں جناب اعجاز حسین صاحب صدیقی مدیر رسالہ "شاعر" نے اپنے رسالے میں چند شاعروں کے حالات لکھتے ہوئے اس کا ان لفظوں میں اعادہ کیا۔

"اس دور میں نظریۂ وطنیت بدلتا جا رہا ہے اور وطنی نسبت کی جکڑ بندیوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جا رہا ہے۔ ایک عالم گیر رشتہ کو دنیا محسوس کر رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نظریۂ وطنیت ہماری زندگی اور ہمارے تعلقات کو ایک محدود ماحول میں لا کر کھڑا کر دیتا ہے۔ لیکن یہ بھی تو نہ ہونا چاہیے کہ شمال سے تعلق ہو تو جنوب بتایا جائے اور جنوب کے پروردہ لوگوں کو شمال سے منسوب کیا جائے۔ یا تو وطنی نسبت قطعاً ہونی ہی نہیں چاہیے اور اگر کوئی اسے روا رکھے تو وہ تاریخی اعتبار سے صحیح ہو۔ ہندوستان کے ادبی حلقوں نے دونوں غالبؔ کو دہلوی اور میرؔ کو لکھنوی لکھا۔ لیکن اب ان تاریخی غلطی کا احساس ہوتا جا رہا ہے اور ان دونوں شعرا کو اکبر آبادی لکھا جانے لگا ہے۔۔۔۔۔۔۔ اس قسم کی غلطی اور بھی بہت سے شعرا کی وطنی نسبت میں ملے گی"۔ (شاعر بابت ماہ مئی ۱۹۴۲ء ص ۳۷)

"میری معروضات کا مقصد صرف اتنا ہے کہ یا تو وطنی نسبت کو بالکل اُڑا دیا جائے یا پھر صحت و دیانت سے کام لیا جائے۔ مگر نہ جانے کیوں مجھے غلط وطنی نسبت سے تکلیف ہوتی ہے"۔

(شاعر بابت ماہ جولائی۔ اگست ۱۹۴۴ء ص ۶۶-۶۵)

نظیرؔ دلی میں پیدا ہوئے، ۲۲۔۲۳ سال کی عمر تک وہیں رہے یعنی انھوں نے زبان دلی میں سیکھی جوانی میں آگرے (اکبر آباد) ہوئے، اس کے علاوہ اس زمانے میں ہر شخص زبان دلی کا تتبع کرتا تھا، اس لیے اگر [illegible] نسبت دی جا سکتی ہے وہ دلی ہے

نہ کہ اکبر آباد۔ وہ دہلوی ہیں اکبر آبادی نہیں ۔تاریخی شہادت کے خلاف "شہر آشوب" کے آخری بند میں نظیر نے خود کو "آگرے کا" بتایا ہے ۔ اس کو اُس محبت پر محمول کرنا چاہیے جو انھیں طبعاً اپنے ننہال اور اُس شہر سے ہونی چاہیے جس میں اُن کی عمر کے قریب قریب ستر سال گزرے۔

مخمور صاحب اپنی تالیف "روح نظیر" میں رقم طراز ہیں۔

"نظیر کی زبان اکبر آباد کی خالص قدیم زبان ہے اور یہی ٹکسالی اردو ہے ۔ آگرے میں جو زبان بولی جاتی ہے، وہ نظیر کی زبان کی ترقی یافتہ صورت ہے نظیر کی زبان کو لکھنؤ دہلی کی زبان سے کوئی علاقہ نہیں اور نہ وہ کسی ضرورت میں ان مقامات کی زبان کی دست نگر ہے ۔ چونکہ نظیر متقدم اور بہت پرانے زمانے کے شاعر ہیں اس لیے یوں کہنا زیادہ صحیح ہے کہ ان کی زبان جنس عالی ہے اور دیگر مقامات کے مدعیان زبان کی زبانیں اس کی انواع ۔ یہ بیّن ہے کہ دہلی لکھنؤ کے اساتذۂ متاخرین نے آنکھ کھول کر جس زبان کو دیکھا وہ نظیر کی زبان تھی ۔ پس اسی کو اصل قرار دے کر اسی میں ترمیمیں اور اصلاحیں کیں اس لیے لکھنؤ دہلی کی شستہ زبانیں اکبر آباد کی قدیم زبان کی ارتقائی شکلیں ہیں۔ لہٰذا نظیر کی زبان کو خاندان اردو میں وہی مرتبہ حاصل ہے جو اردو شعرا میں ولی اور بنی نوع انسان میں حضرت آدم کو ہے"۔

مخمور صاحب کے نظریۂ زبان سے مفصل بحث کا یہ موقع نہیں ۔صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ تاریخی حقائق اس کی تائید نہیں کرتے ۔ یہ زبان اردو کی تخمیر و تخلیق کے مسلمات کے خلاف ایک رائے ہے اور اس کی اصابت اُس وقت تک قابل تسلیم نہیں جب تک کہ ان مسلمات کو غلط نہ ثابت کر دیا جائے ۔ نظیر کی زبان کو اکبر آباد کی خالص قدیم زبان ثابت کرنے کے لیے اس کا ثابت کرنا نہایت ضروری ہے کہ وہ اکبر آباد میں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم و تربیت پائی، اور اس زمانے میں اکبر آباد وہ مرکز زبان تھا جس اہل علم و قلم تتبع کرتے تھے۔ تاریخ ان باتوں کی شہادت بہم پہنچانے سے قاصر ہے، اس لیے نسبت دہلی کے لیے اگر زبان ہی کا سہارا لیا جائے تو بھی نظیر کو اکبر آباد سے کوئی تعلق نہیں۔

نظیر کا رنگ گندم گوں[۵] ۔ قد میانہ ۔ پیشانی اونچی اور چوڑی، آنکھیں چمک دار اور بینی بلند تھی ۔ داڑھی

---

۵ ص ۔ دیوان نظیر اکبر آبادی مرتبہ جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب دہلوی ۱۹۴۲ء

بے تحاشی اور مونچھیں بڑی رکھتے تھے۔ کھڑکی دار پگڑی۔ گاڑھے کا انگرکھا۔ سیدھا پردہ نیچی چولی۔ اس کے نیچے کرتہ۔
ایک بر کا پائجامہ۔ گھیتلی جوتی۔ ہاتھ میں شام دار چھڑی۔ انگلیوں میں فیروزے اور عقیق کی انگوٹھیاں۔ خود
اپنا نقشہ جس کا تعلق بڑھاپے سے ہے، یوں کھینچا ہے۔

کہتے ہیں جس کو نظیر، سنئے ٹک اس کا بیاں ‏— تھا وہ معلم، غریب، بزدل و ترسندہ جاں
فضل نے اللہ کے اس کو دیا عمر بھر ‏— عزت و حرمت کے ساتھ، پارچہ و آب و ناں
فہم نہ تھا علم سے، عربی کے کچھ بھی اسے ‏— فارسی میں ہاں مگر جانے تھا کچھ ابن و آں
فرد و غزل کے سوا، شوق نہ تھا کچھ اسے ‏— اپنے اسی شوق میں، رہتا تھا خوش ہر زماں
سست روش، پست قد، سانولا ہندی نژاد ‏— تن بھی کچھ ایسا ہی تھا، قد کے موافق میاں
ماتھے پر اک خال تھا، چھوٹا سا مسّے کے طور ‏— تھا وہ پڑا آنکھ اور ابروؤں کے درمیاں
وضع سبک اس کی تھی، تسبیہ نہ رکھتا تھا ریش ‏— مونچھیں تھیں اور کانوں پر پٹے بھی تھے پنبہ ساں
پیری میں تھی جس طرح، اس کو دل افسردگی ‏— ویسی ہی تھی ان دنوں جن دنوں میں تھا جواں
لکھنے کی یہ طرز تھی کچھ جو لکھے تھا کتاب ‏— پختگی و خامی کے اس کے تھا خط درمیاں

مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب نے نظیر کا رنگ گندم گوں لکھا ہے اور یہی پروفیسر شہباز نے "زندگانی
بے نظیر" میں۔ لیکن جب کہ مرزا صاحب کے بیان سے تیقن مترشح ہوتا ہے، پروفیسر شہباز کی تحریر سے عیاں ہے
کہ محض قیاس سے کام لے رہے ہیں۔ اس صورت میں نظیر کے سوا کسی اور کو سچا نہیں مانا جا سکتا۔ ان کا
رنگ سانولا ہی ماننا پڑے گا۔ نظیر کی عربی دانی کے متعلق بھی اختلافِ آراء ہے۔ بقول مرزا صاحب
"علمی قابلیت یہ تھی کہ آٹھ زبانیں، عربی، فارسی، اردو، پنجابی، بھاشا، مارواڑی، پوربی اور ہندی جانتے
تھے"۔ بقول شہباز مرحوم "شاید عربیت بہت زائد نہ تھی، معمولی صرف و نحو کی کتابیں پڑھی ہوں تو پڑھی
ہوں۔ شاید ایک آدھ رسالہ منطق کا بھی دیکھا ہو"۔ نظیر خود کہتے ہیں ع فہم نہ تھا علم سے عربی کے کچھ بھی اسے۔
زمانۂ قدیم کے نصاب فارسی میں عربی کی ابتدائی صرف و نحو کی کتابیں بھی داخل تھیں تاکہ طالب علم عربی کے
لفظوں کا صحیح صحیح تلفظ کر سکے۔ اس لیے پروفیسر شہباز کی قیاس آرائی بعید از حقیقت نہیں معلوم ہوتی اور
نظیر کا مطلب یہ لیا جا سکتا ہے کہ عربی سے صرف اس قدر واقفیت کو وہ اس سے محض لاعلمی سمجھتے تھے۔ یہ
بھی درست۔ کسی زبان کی ابتدائی دو ایک کتابیں پڑھ لینے والے کو اس زبان کا کسی معنی میں بھی عالم نہیں

کہہ سکتے۔ نظیر کا قد بھی مابہ النزاع ہے۔ وہ کہتے ہیں "پست قد ہوں۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں "میانہ قد" ہو۔ یہ پروفیسر شہباز کی اس تحریر کی تحریف ہے۔ "قد تو بہت پست نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کی کسی تحریر سے اس کا مکر و فن یا میلان فتنہ پردازی ثابت نہیں ہوتا۔ نہ بہت ہی طویل بتا سکتے ہیں اس لیے کہ حماقت کی جھلک بھی اس کی کسی تحریر میں نہیں ہے متوسط درجے کا قد و قامت ہوگا۔" "پست قد" اور "میانہ یا متوسط قد" میں فرق ہے۔ قانوناً بعض صورتوں میں مدعی بھی اپنے مقدمے میں شہادت دے سکتا ہے۔ جب نظیر خود اپنے بارے میں کہہ رہے ہوں کہ "پست قد ہوں" تو پھر اس کے تسلیم کرنے میں کسی کو کیوں تامل ہو۔ ایک اور بات بھی قابل غور ہے نظیر تو یہ کہتے ہیں ع وضع سبک اس کی بھی تس پہ نہ رکھنا تھا ریش "مگر مرزا صاحب کا ارشاد ہے کہ "خشخاشی ڈاڑھی" رکھتے تھے۔ خود ان کے مرتبہ دیوانوں اور "نظیر کا دلیس پریم" کے ساتھ جو تصویریں شائع ہوئی ہیں، ان میں ڈاڑھی ندارد ہے۔

ایک کلیات دو دیوان اردو اور ایک دیوان فارسی نظم میں یادگار چھوڑے ہیں۔ نثر فارسی میں نو کتابیں لکھی ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ نرمی گزین، قدر متین، فہم قرین، بزم عیش، رعنائے زیبا، حسن بازار، طرز تقریر، وغیرہ۔

نظیر نے تو اپنا کلام جمع نہیں کیا پھر یہ کلیات کہاں سے آگیا۔ یہ شاگردوں کی سعادت و دانش مندی کا ثمرہ ہے راجہ بلاس رائے کے لڑکے۔ ہربخش رائے۔ گوربخش رائے۔ مول چند رائے۔ من سکھ رائے۔ بنسی دھر اور شنکر داس نظیر سے پڑھتے بھی تھے اور استاد کا کلام جمع بھی کرتے تھے۔ اس کلیات کی طباعت کے بارے میں پروفیسر شہباز لکھتے ہیں۔

"کلیات ابتداء میں مطبع الٰہی واقع کنبوہ دروازہ میں چھپا تھا۔ پھر بار ثانی ۱۲۸۲ھ میں مطبع احمدی واقع چار سو دروازہ میں چھپا۔ ان دونوں چھاپوں میں بعض فحش بند اور بعض فحش نظمیں بھی تھیں جن کو منشی نول کشور نے اپنے ہاں کے ایڈیشن سے موجودہ نفاست پسندی اور قانونی مصلحت سے خارج کر دیا۔" مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب کی تحقیق ہے۔

"یہ کلیات مطبع الٰہی کنبوہ دروازہ اسیر کڈہ میں چھپا اور پھر ۱۲۸۲ھ میں مطبع احمدی، چار سو دروازہ اسیر کڈہ میں طبع ہوا۔ بعد میں فحش اشعار اور قابل اعتراض بندوں کو نکال کر منشی نول کشور نے لکھنؤ میں اس کو چھپوایا اور یہی کلیات ملتا ہے۔ سنہ ۱۹ء میں پروفیسر شہباز نے بڑی محنت سے ایک دوسرا کلیات مرتب کر کے مطبع نول کشور لکھنؤ میں چھپوایا تھا مگر اب وہ ذرا مشکل سے دستیاب ہوتا ہے۔" (دیوان نظیر از مرزا فرحت اللہ بیگ مقدمہ ص ۹)

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی کا ایک مضمون بہ عنوان "میرے کتاب خانے کے چھپے ہوئے اردو دیوان" ہندستانی اکیڈمی الہ آباد کے سہ ماہی رسالہ "ہندستانی" بابت جنوری ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے۔ کلیات نظیر اکبرآبادی کے متعلق فرماتے ہیں۔

"زیر نظر کلیات کا نسخہ مطبع الٰہی واقع اکبرآباد کا چھپا ہوا ہے۔ ۱۲۸۲ھ میں کمون ٹولے میں محمد وزیر خاں کے اہتمام سے چھپا۔ چوتھے دیوان پر مچھو خاں کے اہتمام سے چھپنا لکھا ہے۔"

پروفیسر شہباز کلیات کا دو دفعہ شائع ہونا بیان کرتے ہیں۔ مطبعوں اور محلوں کے نام بتاتے ہیں کسی شہر کا ذکر

نہیں کرتے لیکن زندگانی بے نظیر" کے صفحہ ۱۸۱ پر لکھتے ہیں" محمد وزیر خاں مہتمم مطبع احمدی واقع چار سو دروازہ آگرہ کی رائے" مرزا فرحت اللہ بیگ ان مطابع کا میرٹھ میں واقع ہونا بتاتے ہیں۔ نواب صدر یار جنگ مطبع الٰہی واقع اکبر آباد فرماتے ہیں اور سال طباعت ۱۲۸۲ھ یعنی مطبع الٰہی واقع اکبر آباد نے ۱۲۸۲ھ میں کلیات نظیر چھاپا۔
حسنِ اتفاق سے یہ نسخہ ہاتھ لگ گیا ہے اس کی پہلی اور دوسری جلدوں کے سرورق پر یہ عبارت ہے:۔

"ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ۔ بہ عون رب قدیر بہ طفیل رسول البشیر و نذیر کلام دل پزیر لطافت تخمیر اعنی کلیات نظیر ۱۲۸۲ھ بار دوم بہ حسن سعی کارگزاران مطبع بہ صحت تمام و بہ جہد و بجہد مالا کلام در مطبع الٰہی واقع آگرہ مطبوع گردید"

تیسری جلد کا سرورق ان الفاظ سے مزین ہے:۔

"ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ۔ کنھیا کا جنم۔ مطبع الٰہی میں مچھو خاں کے اہتمام سے چھپا"

چوتھی جلد کا سرورق ہے:۔

"ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ۔ دیوان نظیر در مطبع الٰہی واقع آگرہ مطبوع گردید"

خاتمۂ کتاب خاص طور سے قابل توجہ ہے۔ وہو ہذا۔

"سپاس بے قیاس اس منشئ قضا و قدر کو زیبا ہے کہ جس نے صفحۂ خاک پر ہزاروں مضامین بے نظیر بہ خط گلزار ارقام فرمائے اور نعمت متکاثر اس شیرازہ بند اوراق نبوت کو سزاوار ہے کہ جس کی تقطیع انگشت معجز نمائے بیت ماہ فلک کو دو مصرعی کر دکھائے۔ اما بعد ابجد خوان مکتب دانش و بینش امیدوار افضال ایزد منان نیاز محمد خان عرف مچھو خان غفر اللہ ذنوبہ دست بہ عرض کرتا ہے کہ پہلے دیوان میاں نظیر اکبر آبادی کا اس ہیچمداں نے چھاپا تھا وہ مختصر اور کلام بہتر سے معرا تھا۔ اب ان دنوں حسب فرمائش مشفق مہربان سراپا لطف و احسان عنایت و کرم گستر صاحب ہنر مرزا غلام حیدر صاحب کتب فروش کے از سر نو کوشش مالا کلام عمل میں لا کر کلیات نظیر اکبر آبادی مرحوم کا بہم پہنچایا اور جو کچھ رطب و یابس پایا وہ سب چار جلدوں میں مرزا صاحب موصوف کے واسطے چھاپا اور آغاز اس کلیات نظیر کا ۱۲۸۰ھ ہجری میں ہوا تھا اور اختتام ۱۲۸۲ ہجری میں اس سبب سے ہوا کہ فراہمی مخمسات و غزلیات و مسدسات وغیرہ میں کمال کوشش اور تجسس اور جان فشانی عمل میں آئی۔ الحمد للہ کہ اب بہ صد آراستگی مطبع الٰہی اکبر آباد محلہ کمبوہ ٹولا میں اٹھارہویں ۱۸ رجب المرجب روز جمعہ چھپ کر تمام ہوا۔ واللہ المستعان و علیہ التوکل والتکلان"۔

مطبع الٰہی کے کلیات سے جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں ان سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کلیات نظیر دو دفعہ چھاپا۔ اور دوسری دفعہ وہ دو برس تک چھپتا رہا۔ اس سے پروفیسر شہباز مرحوم کے بیان کے حصۂ اول کی تائید

ہوتی ہے۔ بہ روئے اقتباسات بالا مرزا فرحت اللہ بیگ مرحوم کا یہ کہنا غلط ہے کہ مطابع الٰہی واحمدی میرٹھ میں واقع تھے۔ نواب صدر یار جنگ کے بیان میں صرف اتنا سا سہو معلوم ہوتا ہے کہ چھوخاں کا اصلی نام نیاز محمد خاں ہے نہ کہ وزیر محمد خاں۔ مختصراً کلیات یا دیوان کا پہلا ایڈیشن چھوخاں نے نکالا اور جب انھوں نے دوسرا ایڈیشن شائع کیا تو اس وقت شاید مطبع احمدی بھی ایک ایڈیشن شایع کر چکا تھا۔ اور یہ دونوں ایڈیشنز ۱۲۸۲ھ کے تھے نواب صاحب کے کتب خانے میں مطبع الٰہی کا دوسرا ایڈیشن ہے۔

نول کشور نے قطع و برید کے بعد جو کلیات شایع کیا وہ شاید سب سے پہلے ماہ جولائی ۱۸۸۰ء میں اُن کے مطبع واقع کان پور سے نکلا تھا۔ نہ کہ لکھنؤ سے جیسا کہ پروفیسر شہباز مرحوم لکھتے اور مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب کہتے ہیں۔ منشی جگدیش کمار ماتھر۔ بی۔ ایس سی۔ ایل ایل۔ بی۔ جوڈیشل آفیسر سلوبر، علاقہ ریاست میواڑ، راج پوتانہ، نے مجھے اپنے عموی مرحوم کی کتابوں میں سے کلیات نظیر کا ایک نسخہ بہ غرض مطالعہ و مقابلہ عنایت فرمایا۔ یہ نومبر ۱۸۸۳ء میں مطبع منشی نول کشور، واقع کان پور میں چھپا تھا۔ اس کے خاتمہ پر یہ عبارت ہے۔

"نثر خاتمۃ الطبع سابق نسخہ مطبوعہ...... منشی محمد ابراہیم صاحب متخلص بہ خلیل... شاگرد...... خواجہ محمد مرتضےٰ بقا ابقاہ اللہ تعالےٰ۔

"خسرو ملک آزادی شاہ نظیر اکبر آبادی کا کلیات...... مطبع..... منشی نول کشور کے محلی بہ حلۂ حسن کلامی ہوا اور بعد نظر ثانی..... کے مطبع سابق المذکور، واقع کانپور میں بہ ماہ جولائی ۱۸۸۰ء مطبوع ہو کر...... تاریخ ہائے طبع..... راقم آثم۔

اس کے چھپنے کی عیسوی تاریخ	طبع روشن ضمیر نادر لکھ
سر دیوان سے اے خلیل ابھی	کلیاتِ نظیر نادر لکھ

۱۸۸۳ء سے مطبع نول کشور ہی اس شاعر عدیم المثال کا کلیات وقتاً فوقتاً شائع کرتا رہا۔ مگر ہر اشاعت کے کاتب نے اسے اپنی جہالت کا تختۂ مشق بنایا، حتیٰ کہ ۱۹۲۲ء کا جو نسخہ سامنے ہے غلطیوں سے بھرا پڑا ہے اور مخمور اکبر آبادی صاحب اپنی تالیف "روح نظیر" کے مقدمے میں یہ کہنے پر مجبور ہو گئے۔

"افسوس کہ چھاپنے والوں نے ذرا صحت کا خیال نہیں کیا۔ جیسا ہاتھ لگا غلط سلط چھاپ ڈالا۔ بہت سی غلطیاں تو ایسی ہیں جو امتداد زمانہ اور دوریٔ عہد نظیر کی وجہ سے پیدا ہوئیں لیکن بہت سی ایسی بھی ہیں جو محض مطابع اور کتابت کے باعث رونما ہو کر مستقل بن گئیں۔ اب صحت دشوار کام ہو گیا ہے۔ ہم نے صحت کی بہت کوشش کی لیکن پھر بھی بہت سے شبہات باقی رہ گئے۔ شہباز کا مرتبہ کلیات اس وقت کلام نظیر کا بہترین اور مستند مجموعہ ہے لیکن ہمارا تجربہ ہے کہ اس میں بھی غلطیاں موجود ہیں۔ اس سے شہباز مرحوم کی لیاقت یا مساعی پر معاذ اللہ کسی قسم کا اعتراض منظور نہیں صرف اشکال صحت پر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔" ص ۶۵

مخمور صاحب نے کاتب و مطابع کا جو گلہ کیا ہے، وہ بے بنیاد نہیں۔ خود ان کی تالیف "روح نظیر" اس کی شہادت دیتی ہے مثلاً۔

(۱) "دکھ درد اکھوں کے ہرتے ہیں" کی بجائے "دکھ درد اکھوں کے ہوتے ہیں"۔ صف ۲۴۴

(۲) "سیکش، کشور ن کمل نین" کی بجائے "سیکش، کشور ن، کیول من"۔ صف ۲۴۹

(۳) "پھر کشن گرگ نے نام رکھا" کی بجائے "پھر کشن گرب نے نام رکھا"۔ صف ۲۵۳

(۴) "نر نے بھلایا آپ کو" کی بجائے "مرلی بھلایا آپ کو"۔ صف ۲۵۷

شہباز میں

(۱) "درد" کی جگہ "دور" ہے اور یہی نول کشوری نسخے میں ہے، اس لیے "ہوتے" صحیح ہے مگر "درد" کے ساتھ غلط۔ اگر "درد" کو بہ حال رکھنا ہے تو پھر "ہوتے" کو "ہرتے" سے بدل دینا چاہیے جس کے معنی ہیں "دور کرتے"۔

(۲) "کنول نین" ہے اور نول کشوری نسخے میں "کیول من"۔

(۳) "گرگ" کی جگہ دونوں میں "گرب" ہے۔

(۴) "نر نے" کی جگہ دونوں میں "مرلی" ہے۔

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ جناب مخمور نے جو نسخہ کاتب کو دیا اسے صحیح کر دیا تھا، تو کاتب اور مطبع کے سوا یہ غلطیاں کس کے سر منڈھی جا سکتی ہیں؟

نظیر نسلاً قریشی اور مذہباً شیعہ تھے، تعزیہ داری کرتے تھے۔ تنگ نظری سے مبرا، صوفی مشرب، قائل وحدت الوجود۔ مولانا فخر دہلوی سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔

۲۶ صفر سنہ ۱۲۴۶ھ مطابق یکم اگست سنہ ۱۸۳۰ء کو یہ عندلیب چمن سخن دری اس عالم فانی کو اپنی رنگین نوا ئیوں سے مسحور کر کے رہ گرائے روضۂ رضوان ہوا۔ چونکہ مسلک تھا سہ با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام یعنی پد ظن نہ تھے، شیعہ اپنا سمجھتے تھے۔ ہندو معتقد تھے۔ سنیوں نے اپنے اور شیعوں نے اپنے طریقے پر نماز جنازہ پڑھی، جنازے کی چادر ہندو احباب لے گئے۔ ایک شاگرد نے تاریخ وفات کہی سہ

مخمس بے سروپا، بیت بے دل، فرد بے مرشد

۱۲۴۶ھ

اہمیت دی جاتی ہے۔ اس لیے ہر شخص کا جو نظیر پر قلم اٹھائے فرض ہے کہ ان کو منصفانہ محک امتحان پر کسے۔ اب ہم حقیقت کی روشنی میں یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہ عیب ان میں کس حد تک پائے جاتے ہیں، اور ان سے کہیں اُن کے اُن معاصرین کے دامن شہرت و تبحر تو داغ دار نہیں جن کے دعوائے الست بربکم کے جواب میں کورانہ پرستش بلی کہہ رہی ہے۔

غرابت و تنافر۔ تہذیب و ترقی زبان کے نام سے اٹھارویں صدی میں ہمارے شعرائے کرام اس امر میں سعی بلیغ فرما رہے تھے کہ حتی الوسع ہندی کے الفاظ مروجہ پر الزام ابتذال و تنافر و غرابت لگا کر انھیں ہمیشہ کے لیے گورستان متروکات میں دفن کر دیں۔ چنانچہ ان کی اس ذہنیت کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک طرف تو ہندی کے جو لفظ ان کے ذوق زبان پر گراں گزرے، انھیں اچھوت قرار دے دیا اور دوسری طرف الفاظ و محاورات عربی و فارسی کی یورش کے لیے ترجمے کے ذریعہ دروازہ کھول دیا۔ اُنھوں نے اپنے نزدیک اس وحشت ناک جنگل کو بدنما روئیدگی سے پاک کر دیا۔ لیکن یہ ناممکن تھا کہ اس کا کوئی حصہ سخت جان ثابت نہ ہو، یا ان کی عقاب نظر آنکھوں سے کوئی حصہ بچنے ہی نہ پائے، یا ان کا ذوق کچھ حصے کی دل ربائی پر فریفتہ نہ ہو جائے۔ ان اسباب کے باعث اس وقت کی زبان میں بعض بعض ہندی کے ایسے لفظ اور محاورے نظر آتے ہیں جن کی دل فریبی و دل کشی اُس وقت تو اُن کے آڑے آگئی لیکن آیندہ نسلوں کو اُن کے گلے پر چھُری پھیرنے سے باز نہ رکھ سکی۔ نقشۂ ذیل میں وہ چند لفظ اور محاورے درج کیے جاتے ہیں جو اُس وقت رائج تھے مگر اب متروک یا معترضین کی رائے میں سامع خراش ہیں۔ یہ نقشہ سوداؔ کا سارا دیوان غزلیات، میرؔ کا صرف دیوانِ اوّل اور نظیرؔ کا دیوان مرتبہ مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب دیکھ کر تیار کیا گیا ہے۔ اس سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نظیرؔ نے قریب قریب وہی زبان لکھی ہے جو اُس کے معاصرین نے۔

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
			آب کرنا = شرم وغیرہ سے پانی پانی کرنا آپ سے جانا۔ بے ہوش ہونا	
اَنیت				اَنیت

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
آثار (واحد)	.	.	.	آثار (واحد)
.	.	.	.	آد = آدھ
.	.	.	.	آڈھیر (ہ)
.	آسیب پہنچنا			
آشنا = شناسا	.	.	.	آشنا
.	.	.	.	آغاز سے لے تا انجام
اگو = آگے	اگو			.
آگے = سامنے، مقابلے				
.	آنند (ہ) = خوشی			آنند
.	ابرن (ہ) زیور، لباس			ابرن
.	.	.	.	ابروئے دل خواہ
.	اُپجنا (ہ) = پیدا ہونا			
اُپر - اوپر	.	.	.	اُپر
.	.	.	.	اپنے کو
.	.	.	.	اُجال لینا = صاف کرنا
اُچپلی = شوخی	.	.	.	اُچپلیاں
اچنبھا (ہ)	.	اچنبھا (ہ) = حیرت		
احوال = حال	احوال	.	.	احوال
.	.	.	.	اختلاف = فرق
.	.	.	.	ادا بھری سے

(ہ) خود کھا، فندکھا، ندرت بھرا وغیرہ - اس قسم کے لفظ نظیر اور اس کے بعد کے زمانے تک رائج تھے - ملاحظہ ہو۔

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
ارنہ = وگرنہ - ورنہ				
·	·	·	·	اَڑنی
·	·	·	·	اسباب کرنا = سامان کرنا
·	·	·	·	اُس بن
·	·	·	·	اس قدر
اُس کنے = اس کے گھر				
اُس کے گئے = اس کے جانے کے بعد				
اُس ہی = اسی				
·	·	·	·	اُسے مشق خرام تھی
اُسے مغفرت ہو = اس کی مغفرت ہو				
·	اُسی ہی = اسی			
		·	·	اُسے ہی = اُسی کو
اشارت = اشارہ	·	·	·	اشارت
·	اشارتوں	·	·	اشارتوں
·	اشفاق (واحد)			
·	افکار (واحد)			
کبار	اکبار			
کلائی	·	·	·	اکلائی
	·	·	·	الٹ پلٹ = باہم

(۱) پروانہ عنایت کا بھرا ہوا بیٹھویں جون ۱۸۴۳ء کا لکھا ہوا حادی اس مضمون پہ اکیسویں جون کو کمترین کے پاس آیا۔ کمترین محمد شفیع، میر منشی ...ٹی اجمیر مورخہ ۲۴ جون ۱۸۴۳ء۔

(۲) "ملا طفہ الطاف بھرا ہوا ہم دست چپراسی سول ملازم سرکار سامی کے آیا۔ بست و دوم صفر ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۷ء" یہ ایک خریطہ ...عبارت سے منقول ہے۔

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
.	.	الجھڑا - جگڑ - جھگڑا		
.	.	.	.	امولا (ہ) = انمول
انتہا کو رانا = انتہا کو پہنچانا	.	.	.	انجمن بنانا (آراستہ کرنا)
.	.	.	اندھیاری - اندھیری	
.	.	.	.	انکھڑیان
انکھڑی - انکھڑیان	.			
انکھڑیاں میاں = آنکھوں میں	انکھڑیان میان			
.	انکھیان			
اُن نے = اُس نے	اُن نے	اُن نے	اُن نے	.
.	.	.	.	انہارون (جمع الجمیع)
	.		انھون کو = ان کو	.
انھوں کا = ان کا				
اِن ہی = انھیں				
اُدھٹنا = اٹھنا				
ادجڑ = اجاڑ - ویرانہ	اوجھڑ	.	اوجڑ	اوجڑ
اُدھر = اُدھر	اُدھر	اُدھر	اُدھر	اُدھر
.	.	.	.	اُوَدھوت (ہ)
اُدر (ہ) = طرف				اُدر
.	اُدری = ادری			

نوٹ :- تکلیف نہ ہوتا لب ریحان نفسوں کو - (نظیر) + گر بازیچہ سمجھے تیر عشقِ خورد سالوں کو - (میر) - لبِ ریحان نفسوں - ادر عشقِ خورد سالوں - اس قسم کے مرکبات ناقص اب متروک ہیں +

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
.	. .	.	آونا = آنا	
ایدھر = اِدھر	ایدھر	ایدھر	ایدھر	ایدھر
ایکون = کسی۔ایک				
.	باآن کہ = باوجودے کہ			
باب = لائق۔بارہ معاملہ				
.	.	بات بٹھانا = بات بنانا		
.	.	.	.	باری = دفعہ
.	.	.	.	باری باری = بار بار
.	باس آنا (ہ) بو آنا			
باس کرنا (ہ) سونگھنا	باس کرنا			
.	.	بانا (ہ) = انداز و ادا		
.	.	.	بانچنا (ہ) = پڑھنا	
.	بانکا پانا			
...ورہ) = ہوا	.	.		
...بہنا = ہوا		.		
.	.	.	باد بہنا (ہ) ہوا چلنا	
...ک آنا = تنگ آنا	.	.	.	بتلانا = بات چیت کرنا
	.	بہ تنگ آنا	بہ تنگ کرنا	
.	.	.	بہ جان ہونا = تنگ ہونا	بہ جان ہونا
.	.	.	.	بچون = بچوں
...ون = بے چارہ پن	بچارہ = بے چارہ			
	.	بچل جانا = بگڑ جانا		

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
•	•	بچن (ہ) = سخن ۔ بات		
•	•	بہ خود لانا = ہوش میں لانا		
بدشراب = بدمست	•			
بدل = عوض				
بدلہ کرنا = بدلہ لینا	بدلہ کرنا			
•		•	بدمستیئیں = بدمستیاں	
•	برآنا = عہدہ برآ ہونا	برآنا	برآنا	برآنا
•		•	•	برن (ہ) = رنگ۔ طریقہ۔ طور
•	•			
•	برہم مارنا			
•	بسارنا (ہ) = بھلانا			
•	بستار (ہ)			
بستار کرنا (ہ) = بیان کرنا			•	
بستار ہونا = بات کا تنگڑ ہونا				
بسرام		•	بسرام لینا (ہ)	بسرام
•	بسر آنا = مقابلہ کرنا۔ گزارنا			
•	بسر لے جانا = گزارنا			
بسرنا = بھولنا	•	بسرنا (ہ)	بسرنا	بسرنا
•	بعد ازبھی = بعد بھی			
•	•	•	•	بقرید = بقرعید
بکانا = بکنا				
بلونا (سمندر کا) = [illegible]				

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
بن = بغیر	بن	بن	بن	بن
نباؤ ہونا = بننا				
.	.	.	.	(فریاد کی) بنیاد کرنا = فریاد کرنا
.	.	.	.	بوجھ کا سمجھنا = سنجیدہ سمجھنا
بوجھنا = سمجھنا	بوجھنا	بوجھنا	بوجھنا	بوجھنا
بوکرنا = سونگھنا	بوکرنا	.	بوکرنا	
.	.	.	.	بولانا = بو پیدا ہو جانا
بوبومیاں	بوبومیاں			
.	.	.	.	بھار (ہ) = بار - بوجھ
.	.	.	بھانا (ہ) = پسند کرنا	
.	.	.	.	بہتان کرنا
.	.	.	.	بھڑکاوے کے انداز = بھڑکانے کے انداز
.	.	.	.	بہ جانا = شرم سے پانی پانی ہونا
.	بھر عمر = عمر بھر	.	.	بھر عمر
.	.	بھرمانا (ہ) = دھوکا دینا	بھرمانا	
.	.	بھر نظر = نظر بھر کر	.	بھر نظر
ر نیند				
روسا پڑنا = بھروسا ہونا				
.				
		بھلا = خوب - بہت	بھلا ہونا = تندرست ہونا	
. .			بھوکھا = بھوکا	

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
.	.	.	.	بھینا = بہنا
بے تہ = کم علم ۔ اوچھا بات کی اصل کو نہ پہنچنے والا				
بیچ = میں	بیچ	بیچ	بیچ	بیچ
بے حضور = بے خود				
	بے شمار = بے حد			
.				
بے ہیچ = بے وجہ				
کم مایہ ۔ فرومایہ ۔ بے تہ				
پات (ہ) = پتّا	پات	پات		پات
.	پاتوں آلگنا = پت جھڑ ہونا			
	.	پاتی = خط		
پاکھ = مہینے کا آدھا حصہ	.	.	.	پاکھ
پال = چھوٹا خیمہ	.	.	.	پال
پالا = پیالہ	.	.	.	پالا
.	.	.	.	پانی گیا
.	.	.	.	پاؤں ڈالنا = قدم رکھنا
.	پاؤں میں زنجیر پڑنا = بیڑیاں پہنانا			
.	پت رکھنا = عزت رکھنا			
پتھروں پتھرے = پتھروں	پتھروں	پتھروں		

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
·	پپتیارا (ہ)			
·	پپتیانا = (ہ)			
	·	·	·	پچنہ کاری = اچھی طرح
پُرتل	·	·	·	پرتل
·	·	·	·	پُراندہ گیں
پرچھا = فیصلہ۔ ہجوم کا کم ہونا	·	·	:	پرچھا
·	·	·	·	پرکٹ = پر کٹے ہوئے
پرے = دور	پرے	·	·	پرے
پرکھیا = جانچ۔ چرچا	·	پرکھیا (ہ) = پچتاوا	·	پرکھیا
·	پسارنا = پھیلانا	·	·	پسارنا
·	·	·	پسِ کار خویش بیٹھنا	
بگاہ کا نالہ = نالۂ سحری				
·	نگینا (ہ)			
·	·	·	·	پل بہ پل[ع]
·	·	·	·	پلک = ذرا سی دیر
·	·	·	·	پلک بھگونا = رونا
پلک مارنا = پلک جھپکانا				
·	·	·	·	پلّہ = پلڑا
·	·	·	·	پنھانا = پہنانا
پودھا = پودا				

ع دن بہ دن۔ گھر بہ گھر (نور اللغات)۔ ع۔ یورپ سے تا ہند جس کا گھر بہ گھر افسوس ہے (ارشد = غالباً ارشد گورگانی دہلوی شاعر زمانۂ حال

طی

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
				پونساک کھپانا = کپڑے پہننا
.	..	.		پَوَن (ہ)
پَون (ہ) = ہوا	پَوَن			
.	پَوَن بہنا (ہ) = ہوا چلنا			.
پھاٹنا = پھٹنا	پھاٹنا			
.	.	.	.	پھکے رہنا = دور رہنا
.	.	پھر پھر = بار بار		
.	پھل (ہ) = ثمرہ	.	.	پھل (ہ)
پھوٹا گیا = پھوٹ گیا				
پھر = پھر	پھیر	.	پھیر	
.		.	پیارے = محبوب	
پیدا = ظاہر				
.	.	پکھنا (ہ) = تماشا۔ ناٹک وغیرہ		
		.	.	پینٹھ = ہنڈی کی نقل
پینٹھ = بازار				تاڑ باز = تاڑنے والا
	.	.	.	
.	تاہنوز			
.	تجنا (ہ) = چھوڑنا	.	تجنا	
	.	.	تجھ = تیرا	
تجھ = تجھ کو				
تجھ بن = بغیر تیرے	تجھ بن			
.	.	.	تجھ بہ حال = تیرا حال	
تجھ تیغ = تیری تیغ	تجھ تیغ			

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
تجھ تئیں = تجھ تک				
تجھ سوا = تیرے سوا				
تد = تب	.	تد		
تدھر = ادھر				
تڑپھنا = تڑپنا	.	.	تڑپھنا	
تس پر	تس پر	تس پہ	.	تس پہ
تس طرف				
.	تکلیف کرنا = تکلیف دینا دعوت دینا	.	تکلیف کرنا	
تک = تاک۔ موقع کا انتظار	.	.	.	تک رہنا = دیکھ کر چپ ہو جانا
.	.	.	.	تکنا = دیکھنا
.	.	.	.	تلخ ہونا = ناراض ہونا
تلک	تلک	تلک	تلک	تلک
.	تلے = نیچے	.	.	تلے
تماشا = دیکھنا				
.	.	.	تمھن = تمھاری	
تنک (٥)	تنک	تنک	تنک	
توکہے = توگوئی				
تیں = تونے	تین	.	تین	
تین = تئیں	تیں		.	تیں
تئیں = کو	تئیں = کو	تئیں = تک	تئیں = تک	تئیں = میں ٥
تئیں = تک				

٥ دن کے تئیں = دن دھاڑے +

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
.	.	.	.	ٹھاٹھ باندھنا = آراستہ کرنا
.	.	.	.	ٹھاننا = قرار دینا
ٹک	ٹک	ٹک	ٹک	ٹک
ٹکورے = نوبت کی آواز	.	.	.	ٹکورے
جا = جگہ	.	.	جا = جگہ	جا
جاگہ = جگہ	جاگہ	جاگہ	جاگہ	جاگہ
.	.	.	.	جائیو
.	جامۂ کم گھیر = کم گھیر جامہ			
جانا = گزرنا۔ تباہ ہونا				
جانا جاتا ہے = سمجھا جاتا ہے			.	
.	.	.	.	جانی = محبوب
.	.	.	جانئے = خدا جانے	
جائے = جگہ	.	.	جائے = جگہ	
	.	.	جائے کہ تو ہے = جائے کہ تو ہستی	
.	.	.	.	جباڑا
جتن (ہ) تدبیر۔ ترکیب	جتن (ہ)	.	.	جتن
.	.	جدھر تدھر = اِدھر اُدھر		
جدی چیز = جدا چیز	جدی			
		.	.	جڑ پڑے

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
جس تس = ہر شخص	.	.	جس پاس = جس کے پاس	جس تس = ہر شخص
.		.	.	جُ [illegible] پیدا کرنا
جگ (۵) = دنیا	جگ	جگ	جگ	
جلا رہے گا = جلا دے گا				
.	جلنوائی			
.	.	.	جم (۵) ہندوؤں کا عزرائیل	
.	.	.	.	جنجال جانا = بلا سے چھوٹنا
.	.	.	.	جنجال دیکھنا = مصیبت جھیلنا
جنگلہ = جنگل	.	.	.	جنگلا
جن نے = جس نے	جن نے	.	جن نے	
جنھوں (کار کو۔ کے وغیرہ کے ساتھ)				.
				.
		جنھوں میں = جن لوگوں میں		
	.		.	جو = کہ
.	.		جو ... سو	
جوں = مانند	جون	جوں	جوں	جوں
جونہیں = فوراً جیسے ہی	.	.		جون ہی ۔ جونہیں جیسے ہی
جہاں ... تہاں				
.	.	.	جھانکنا = دیکھنا	
.	.	.	.	جھپ = فوراً
.	.	.	.	جھڑاکا

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
.	.	.	.	جھلک
.	.	.	.	جھمک
جھمکا = ناز و ادا	.			
.	.	.	.	جھمکڑا
.	.	جھمکنا	جھمکنا	
جھوجرا = بال پڑا ہوا برتن	.	.	.	جوجرا
.	.	.	.	جنجھوڑ (الفت کی)
جی = جان - دل - دم	جی	جی	جی	جی
.	.	.	.	جیب = جیبھ = زبان
.	جی بہ حال کرنا			
.	جی پانا = جان میں جان آنا			
.	جی پر چڑھنا = ہر وقت خیال رہنا			
.	جی گھلنا = طبیعت آنا	.		
.	جی جانا = عاشق ہونا			
جی چلنا = دم نکلنا				
جیدھر = جدھر	جیدھر	جیدھر		
.	جی دینا = مرنا			
جی ڈھنا = دل بیٹھنا	.	جی ڈہنا		.
.	.	جی کھانا = جان کھانا		
	.		.	جی کھپانا = جان مارنا

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
.	.	جی میں اُپجنا (ہ) = دل میں پیدا ہونا	.	
.	.	.	.	جی میں جی نہ ہونا
.	.	جی میں کچھ لانا = دل میں کچھ خیال کرنا		
.	جی نکلنا = مرنا	.	.	جی نکلنا
جیسے ..... ویسے				
.	جیوڑا			
.	.	.	.	چاب سے = چبانے سے
.	چاؤ (ہ) = خواہش	.	چاؤ	چاؤ = خواہش محبت
.	چست بنگ			
.	چست چلاوا (رفتار اسپ)			
.	.	.	.	چڑی = چڑھی[5]
.	.	.	.	چکر پھیریاں = چک پھیریاں
چل = فرق	.	.	.	چل بچل
چنڈال	.	.	.	چنڈال
.	.	.	.	چنگا ہونا = زخم کا اچھا ہونا
.		چوں		
.	چھاتی	چھاتی		
.	.	.	.	چھاننا (ہ) = بیدھنا

۵ لا بوسہ، چڑھے چاند کا وعدہ تھا، چڑھا چاند (ذوق)

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
.	.	.	.	چھائیں (ہ) = سایہ
.	.	.	.	چھتر (ہ)
.	چُھٹ (ہ) = سوا			
.	.	.	.	چھڑی لگاوٹ = محض لگاوٹ
چھڑا = تنہا	.	.	.	چھلک
.	.	.	.	چھلوں
چہلا = کیچڑ	.	.	.	
.	.	.	.	چھن (ہ) = ذراسی دیر
.	چھوٹانا = چھوڑانا			
چیتنا (ہ) = ہوش میں آنا	.	.	.	چیتنا (ہ) سوچنا
حال حال = جلدی جلدی				
حال سہنا = صدمہ سہنا	حال سہنا	.	.	حال میں = فوراً
.	.			
حضور = سامنے، موجود نزدیک	حضور	حضور	حضور	حضور
.	حکایات (واحد)	.		
خاک میں رُل جانا = خاک میں مل جانا	خاک میں رُل جانا۔			
.	.	خدمت گاری = خدمت		
خرابا پھیلنا = خرابی پھیلانا	.	.		خوب لگنا = اچھا معلوم ہونا

میر	سودا	درد	قائمؔ	نظیر
.	.		خواب کرنا	خواب کرنا
.	.	خوشی = خوش خوش	.	خوشی
خیال لینا = خیال باندھنا				
.	.	.	.	داد مانگنا = دادخواہ ہونا
دار کھینچنا = دار پر کھینچنا				
دارو (ہ) = شراب	دارو			.
داغ ہونا یا کرنا	.	.		
دامن چلنا = دامن مسکنا				
.	دانت نکوسنا			
.	.	.		دُبدھا (ہ)
دختِ تاک = دختِ رز	دخت تاک		.	
.	در آنا			
.	دَرپَن (ہ) = آئینہ			
درمیان سے وعدے کا جانا = وعدہ پورا کرنا				
دریا کا سا = دریا سا	دریا کا سا			
.	.	.	.	دست گاہ = طاقت، قدرت
دست ہونا = مہارت ہونا				
.	.	.	.	دِسنا (ہ) = دکھائی دینا
				دُشٹ (ہ) انداز نظر
				دُکھ

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
				دکھائے = نظر آئے
				دکھ دہی (اسم فاعل ترکیبی)
.	دکھ دہندہ (اسم فاعل ترکیبی)	.	.	
.	دل اُبلنا		,	.
.	دل بکھرنا			
.	دل پگھلنا = دل پسیجنا	دل پگھلنا	دل پگھلنا	
دل ڈھانا = رنجیدہ کرنا				.
دمِ بازپسیں = دمِ بازپسین	.			
دماغ نہ ہونا	.	دماغ ہونا	.	.
دِوانہ = دیوانہ	دوانہ	دوانہ	دوانہ	دوانہ
.	.	.	.	دوانہ پن
.	.	.	.	دور جانا = سبقت لے جانا
دوس (ہ) = الزام قصور	دوس = دوش (ہ)	.	.	دوس = دوش = الزام
دولت = بدولت		.	دولت	دولت سے = بدولت
دَون (ہ) = آگ				
دہا = عشرہ				
دُھانا = دوڑ پڑنا		.	.	دھانا
.	دُھنتی			
.	.	.	دھجئیں = دھجیاں	.
.	دھرانا			
.	دھرنا = رکھنا			
.	دھس جانا = گھس جانا			.

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
.	دہن نہ ہونا = منہ نہ ہونا		.	
.	.	ڈھونی = آواز		
دھیان (ہ)				
.	.	.	.	دھیان دھرنا = خیال یا توجہ کرنا
.	.	دھیان میں پڑنا = سمجھ میں آنا		
.	.	.	.	دھیان میں آپڑنا
				دھیان میں لانا
دیا باتی (ہ) چراغ بتی				
دیدار پانا = دیدار ہونا	.	دید کرنا = دیکھنا		
ڈانگ				
.	.	.	.	ڈب
.	ڈبانا = ڈبونا	ڈبانا	ڈبانا	
.	ڈبرے			.
.	ڈر کرنا	ڈر کرنا		
.		.	.	ڈھالنا[۵]
ڈھانپنا				
.	ڈھنکانا			

۵ سانچے میں ڈھالنا یعنی پہلے گلانا پھر مصیبت کے نئے نئے سانچوں میں ڈھالنا

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
ذری	.	.	.	ذری
.	.	راہ پینڈے		

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
.	راہ سے = طور سے			
.		.	.	راہ کرنا (الفت کی = تدبیر کرنا - آنا)
راہ گھیروں	راہ گھیروں			
راہنا (۵)	.	.	.	راہنا = دل میں ناسور ڈالنا
.	.	راہ ہونا[۵] = رسائی ہونا		
ربٹنا = پھسلنا	ربٹنا			
.	رُخم = رُخم			
.	.	.	.	رسم اور راہ = رسم و راہ
.	.	.	.	اللہ رکھوالا ہے = اللہ حافظ ہے
.	.	.	رمنا = بسنا	
.	.	.	رنجہ کرنا = تکلیف دینا	
رنگ = طرح	.	رنگ		
.	رنگ جھمکنا = رنگ جھلکنا			
.	.	.	.	روبراہ کرنا
رُو رکھنا = منہ رکھنا				
رُون بروزن خون = رُون	رُون			
رُو ہونا = ہمت ہونا	رو ہونا = دخل ہونا			

۵ دل سوا کس کو ہوا اس زلف گرہ گیر میں راہ (درد)

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
.	. .	.	روئے گریباں دیکھنا	
.	.	.	رہ جانا = ٹھہر جانا	
رہنا = ٹھہرنا۔ رکنا				
.	.	.	.	رَے = تیزی۔ لہر بہر
.	رُئی = روئی			
زنجیری = قیدی				
زنجیری رہنا = قیدی رہنا	زنجیری رہنا			
زنجیر کرنا = بیڑیاں پہنانا	.	.	زنجیر کرنا	
زور = بہت۔ خوب	زور	زور	زور	زور
.	.	.	.	زیب لانا = زیبائی پیدا کرنا
ساتھوں ساتھ				
.	.	.	.	ساتی قران
سالنا (ہ) = تکلیف دینا	.	.	.	سالنا (ہ)
سانگ (ہ) = سوانگ				
.	ساوروں = ساونوں			
سبھاؤ (ہ) عادت				
.	سپیش (ہ) قاصد لڑائی			
سج = سج دھج = بناؤ زینت				
.	.	.	سج = سج دھج	
.	.	.	سجن (ہ)	
.	.	.	سجنا = زیب دینا	
.	.	.	سُچکنا (ہ) جھجکنا	

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
سُدھ بسرنا = عقل خراب ہونا	سُدھ (ہ)	.	.	سُدھ
				سرانجام لیا. سرانجام ہوا
				سرپاؤں سے = از سرتاپا
.	سر پر خاک کرنا = سر پر خاک ڈالنا			
	.	.	.	(جوش میں) سرد آجانا = جوش سرد پڑ جانا
سرفرو کرنا = سرنیچا کرنا				
.	.	(محبّت کا) سر کھینچنا = اثر کرنا		
.	.	.	.	سرد کیا = سرو بنایا
.	سسائی کے نشے = سرسائی کے نشے			
سُرن = مجازاً مالا				سمرن = یاد تسبیح. مالا
.	سمکھاتین (ہ)			
.	سمیت (ہ)	.		سمیت (ہ)
سناہٹا = سنّاٹا				
.	.	سندیسا (ہ) = پیغام		
سنکارنا = اشارہ کرکے کسی کے	.	.	.	سنکارنا = بہکانا
سرکردینا = اُکسانا				
سنمکھ	سنمکھ (ہ)	سنمکھ	سنمکھ	سنمکھ

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
.	.	.	.	سنوارنا = ٹھانا
سَو جان سے = سَو = کثرت	سَو	سَو	سَو	سَو
سُو = تو	.	سُو	سُو	سُو
.	سواد (ہ) = مزہ			
.	سُوجھنا = معلوم ہونا			
سون ستی - سیتے سیں = سے	سون - ستی	.	سیں	ستی
.	.	.	.	سہارا = مدار وانحصار
.	.	.	.	سہارنا = تکلیف وغیرہ کا اٹھانا
.				
سُہانا = اچھا لگنا				
سہج = آسان	سہج			
.	سیر کرنا = دیکھنا	سَو		
.	.	.	.	(بہ) سیرنگ
ریسلی =	.	.	.	سیلی
.	.	.	.	سینہ زن
.	.	.	.	سیوک (ہ)
.	.	.	.	شام کرنا
شتاب	شتاب - شتابی	شتاب - شتابی	.	شتاب - شتابی
شرح دینا = شرح کرنا بیان کرنا				
	.	.	.	شکرانہ بجالانا

ج ل

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
	شمع کا گلنا = شمع کا پگھلنا	شمع کا گلنا		شناخت = شناسائی
شور شرابا = شور و شر				
	شوم (ہ) کنجوس			
	شیخنا			
		صفا = صفائی	صفا = آب و تاب	صفا
	صدرہ = بہ درجہا			
صرفہ نگاہ کا				
	صنم			صنم
طرح = مثل مانند	طرح = مانند۔ طور طریقے		طرح	
ظرف = ظرف	ظرف			
ظرف ہونا = منہ لگنا	ظرف ہونا			
عجب کرنا = تعجب کرنا			عجب = عجیب بات	
	عرصہ = فرصت			
عرصہ تنگ ہے = فرصت کم ہے	عرصہ تنگ ہے	عرصہ تنگ ہے		
		عرق ہونا = پسینا آنا		
				عشرت پناہی عصیاں قرین عیارگی

غلو = غلّو

دل

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
.	.	.	.	فریاد مانگنا = فریاد خواہی
.	.		فضولی = بیکار کام	
	.	.	.	فلیتا = فتیلہ (فارسی میں فتیلہ آتا ہے)
.	.	.	.	فی الحال = فوراً
فی الحقیقت میں - فی الواقع				
میں - فی الواقعی =				
فی الحقیقت - فی الواقع				
.	.	.		اس قدر = کتنا
.	.	.	.	قدرت نما
.	.	.	.	قدم تراشنا
.	قدم دھرنا			
.		.		قدم لانا
.	.	قرار = اقرار	.	اقرار
= نزدیک	.	.	.	قرینا (المستقر قرین)
.	.	.	.	قطرجات (جمع قطرہ)
= تلابہ				
پریشانئ خاطر سے قرین تھا (میر)				
نا = نکالنا	کاڑھنا	.	.	کاڑھنا
.	کان رکھنا = توجہ کرنا			
ہے = کب منہ ہے		.	.	

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
کبھو = کبھی	.	کبھو	کبھو	کبھو
.	کپٹ (ہ)			
کتابت = خط۔ تحریر	.	.	.	کتابت
.	.	.	.	کچھ اک تھوڑے سے
.	.	کٹھن (ہ) بروزن وطن		
کد = کب	کد	کد	.	کد
کر[ع] = (مخفف کر کے کا)	.	کر		
وجہ سے۔ نام سے				
.	.	.	.	کرکر = کرکے
.	.	.	.	کر لباس نسبتی = بسنتی کپڑا پہن کر
کریئے = کیجئے				
کریو = کیجیو	کریو			
	کرے ہے = کرتا ہے	.		
.	.	.	.	کڑوڑوں = بہت
کسو	.	کسو		
.	کسی ہی = کسی	.	کسی ہی	
کم گھیر (اسم فاعل ترکیبی)[ع]				
.	.	.	.	کمیرا
.	کن نے = کس نے			

ع گھر بار اخانہ اللہ کا مشہور تھا۔ (میر)

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
کنے = پاس۔ کو	۔	کنے	۔	کنے
۔	کوۓ = کہاں	۔	کوُ	کوُ = پر
کوٹنا = مارنا	۔	۔	۔	کوٹنا
۔	کوُں = کو	۔	کون = کیسا۔ کس طرح	
۔	۔	کون جانے = معلوم نہیں		
		کسے معلوم ہے		
۔	کہانا = کھلانا			
۔	کہنا = بتلانا			
۔	۔	۔	۔	کئے = کتنے
۔	۔	۔	کیا جانئے = معلوم نہیں	کیا جانے = معلوم نہیں
کے تئیں = کو	کے تئیں	کے تئیں	کے تئیں	کے تئیں
کیدھر	کیدھر	کیدھر	کیدھر	
۔	۔	۔	۔	کھیڑا = بستی
کیوں سے کہ = کسی طرح	کیوں سے کہ			
کیوں کر = کیوں کر	کیوں کہ	کیوں کہ	کیوں کہ	کیوں کہ
۔	۔		کیوں ہے = کسی طرح	
۔	۔	گانٹھ = گرہ		
گرو ہونا = منحصر ہونا				
۔	۔	۔	۔	گڑھ اکھاڑنا = قلعہ فتح کرنا
گزار = گزر۔ گزر آنا	گزار = آنا جانا	۔	۔	گزار = گزر

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
.	گزرکرنا = کسی طرف سے نکلنا	گزرکرنا = آنا		
.	.	گزران کرنا = گزرنا		
.	.	.	گن آنا = کام آنا۔ فایدہ دینا	گُن جانا = وصف کا زایل ہونا
.	.	.	.	گُن ہے = سنرہے
گننا = سمجھنا	گننا		گِننا	گِننا
.	.	.	.	گنہ گاری لینا = جرمانہ لینا
گون = لایق	.	.	.	گوں ہونا = لایق ومناسب ہونا
.	.		دل طلب کا گھر ہوگیا = دل سراپا طلب ہوگیا	گھر ہو جانا = گھر جانا
.	گہنا = پکڑنا			
.	گھوں = گیہوں			
گی۔ گے = گئی۔ گئے				
.	گیا = گویا			
لاگنا = لگنا	لاگنا	.	.	لاگنا
.	.	.	.	لاوں لال
.	.	.	.	لائی مجھے اس درجہ = مجھے ان حالوں پہنچایا
.	.	.	لجانا = شرمندہ کرنا	

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
لگ لگنے دینا = پاس آنے دینا				
لوہو = لہو	لوہو	لوہو	لوہو	
لے جوانی سے پیری تلک				
	لے سر سے پاؤں تک			
لیک = لیکن				
	لیکھ (ہ) = لیک = لکیر			
		لیکھا = حساب کتاب		
ماٹی = مٹی	ماٹی			
ماٹی میں رل گیا	ماٹی میں رلایا			
	مان (ہ) = غرور			
مانا = مشابہ			مانا	
				دل مانتا ہے = شیدا ہے
	مت بوراتا ہے = پاگل کرتا ہے			
مت کریو = نہ کیجیو				
مجھ = میرے - مجھ سے	مجھ = میرے - مجھ سے	مجھ = میرے	مجھ = میرے	مجھ = میرے
				محلّہ = پاڑا
مدماتا = متوالا	مدماتا = نشے میں چور			
مذکور = ذکر	مذکور	مذکور	مذکور	مذکور
	مرضی آنا = مائل ہونا			

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
.	.	.	.	مرگِ چھالا
.	.	.	.	مڑک جانا
.	.	.	.	مشکلات (واحد)
.	.	.	.	مطرب قرین
مکان = جگہ	مکان	.	.	(دل میں) مکان (دنیا) = جگہ
.	ملُو دینا = ملانا	.	.	ملُونا
.	مَن (ہ) = دل	مَن	.	مَن
.	.	.	.	مُن (ہ) مُنی
.	.	.	.	منزل = مکان
.	.	.	.	منش
.	.	.	.	منظور = منظورِ نظر
.	مَن مانتا (ہ)			
.	مَن ہی مَن میں (ہ)			
.	منہ پر آنا = بر رو آمدن	.	.	منہ پر آنا
مُوا = مرا	موا	.	موا	موا
موندنا = بند کرنا	موندنا	موندنا		
موئے = مرے ہوئے				
.	.	موئے جانا = مرجانا		
موئے گئے = مرنے کے بعد	.	موئے گئے		
مہندی کے رنگ = مہندی کی طرح				

نظیر	قائم	درد	سودا	میر
		مہیّا = طیّار	.	.
میاں	میاں	میاں	میاں	میان
		میرے پر = مجھ پر	.	.
	مین	میں	میں	مین = مین نے
ناتمام = ناقص۔ پرعیب گنہ گار		.	.	.
تار مارنا = نالہ زدن	.	.	.	.
.		.	نام خاطر = نام کی خاطر	.
نانوٴن = نام	.	.	ناؤن = نام	نانو = نام
نپٹ	نپٹ	نپٹ	نپٹ	نپٹ = بہت ہی زیادہ
	نت	نت	نت	نت = ہروقت
نٹ جانا = انکار کرنا	.	.	.	.
ندان	ندان	ندان	ندان	ندان = ہمیشہ
عالم نرالا کیا = عجیب کیفیت پیدا کی	.	.	.	.
نرباہ	.	.	نرباہ (ہ) = نباہ	.
.	نردبان کرنا = نردبان بنانا	.	.	.
.	نسبت کرنا = نسبت دینا	.	.	.
نستارا (ہ) = نجات	.	.	.	.
				نشا = نشہ

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
. .	.	.	.	نشان = باتیں
.	.	.	.	نشان دینا = تشبیہ دینا۔ سمجھانا۔ پتا دینا۔
.	نظر کرنا = نظری کرنا			
		.	.	نگاہ آنا یا کرنا = دیکھنا
. .	.			
نگر	نگر (ہ) = بستی	.	.	نگر
نمط	نمط	.	نمط	نمط
		.	.	نمن (ہ) = طرح
.		.	.	نموداری = جلوہ فروشی
.	.			
	نموہے = بے زبان			
نوانا	نوانا (ہ) = جھکانا			
.	.	نہیں = نہیں	نہیں	نہیں
.	نین (ہ) = آنکھ			
نیونا (ہ) = جھکنا				
.	.	.	.	واچھڑے
وال = وہاں	وان	وال	وال	وال
.	.	.	.	وِچ = بیچ
وَر = وَاگر				
ورے = قریب۔ پاس		.	.	ورے اور پرے = دور نزدیک
.	وِس کی = اُس کی	.	.	وِس = اُس
وگرنہ				

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
وے۔ ولیکن = مگر	.	.	.	وسے۔ ولیکن
.	وُو = وہ	وُو		
.	.	وُوں بھی = ویسے بھی		
.	.	وُوں کر = اس طرح		
وُوہی = وہ ہی				
وُوہیں	دوہیں	دوہیں	وُوہیں / وَہیں } فوراً	وُوہیں = فوراً
.	.	.	وہ = اُسے	
وے	.	.	وے	
ویا = یا	.	.	.	ویا
ویسے = ایسے				
.	.	.	.	ہاتھ پانا = قبضہ پانا
.	.	.	.	ہاتھ رکھنا = حاصل ہونا
ہاں = یہاں	ہاں	ہاں = یہاں۔ گھر	.	ہاں = یہاں
.	ہٹنا = ضد کرنا			
.	.	.	ہر درسے = ہر طریقے سے	
ہلاکی کو = ہلاکت کو				
.	ہلنا = ہلنا			
ہم خواب کیا = ہم نے خواب کیا				
.	.		.	ہم سری میں آنا = ہم سری کرنا
	.		.	ہُمکنا

میر	سودا	درد	قائم	نظیر
.	.	.	.	ہمیں دردِ شانہ تھا = ہمارے شانے میں درد تھا
ہوجے = ہوجئے	.	ہوجو = ہونا		
.	ہوگے = ہوگئے			
.	ہوئے گا = ہوگا			
ہیچ = فضول				
.	یار پاس = یار کے پاس			
یاں = یہاں	یاں	یاں	یاں	یاں
یاں تئیں = یہاں تک	.	یاں تئیں		

اس نامکمل نقشے سے یہ عیاں ہے کہ بعض محاورات بر حال خود قائم رہے، بعض میں ایک آدھ لفظ بدل گیا، اور نظیر نے اکثر وہی لفظ اور محاورے برتے ہیں جو میر۔ سودا۔ درد وغیرہ نے۔ اب اگر نظیر موردِ الزام ہے تو ارکانِ اربعہ اُردو کے یہ تینوں رکن بھی اس میں اُس کے شریک ہیں۔

کثرتِ الفاظِ ہندی۔ نظیر نے اپنے معاصرین سے زیادہ ہندی کے لفظ برتے ہیں، اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ اس کا کلام کسی خاص صنف کے لیے وقف نہیں جیسا کہ سودا کا قصیدے اور میر کا غزل کے لیے ہے۔ اُس کا اشہبِ قلم ہر میدان میں جولانیاں دکھاتا ہے۔ وہ حقیقی شاعر ہے نقال نہیں۔ مضمون کے حسبِ حال زبان سے کام لیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس نے اِس کا بیڑا نہیں اُٹھایا تھا کہ حتی الوسع زبان پر عربی و فارسی کا اس قدر رنگ چڑھا دے گا کہ اس کا حُسنِ ذاتی بدیسی سامان آرائش کے نیچے دب کر آنکھوں سے اوجھل ہو جائے گا۔ پھر وہ قادر الکلام بھی تھا۔ اُسے اِس کی ضرورت نہ تھی کہ عاجز آکر خیال کو الفاظ کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دے۔ اُس کی وسیع لفظیات کے خزانے میں ہر قسم کے خیال کو ادا کرنے کا طرح طرح کا سامان موجود تھا۔ وہ بے تکلف اپنے مولودات فکر کو اُن کے

اصلی روپ میں جلوہ گر کر سکتا تھا۔ ایک ایسے زمانے میں جب زبان "مس خام" تھی اور اسے عربی و فارسی کے بوتے میں تپا کر "کندن" بنایا جا رہا تھا، ہندی کے لفظ اور محاورے ترک کر کے ان کی جگہ فارسی و عربی کے لفظوں اور محاوروں کو دی جا رہی تھی، یہ لابدی تھا کہ ہر شاعر و مصنّف کے کلام میں کچھ ایسے لفظ اور محاورے ملیں جو اس نے ترک نہیں کئے اور اوروں نے کر دیے اس لیے ان کے ہاں نہیں ملتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس بارے میں وہ میرؔ و سوداؔ کی ہم عنانی ہی نہیں کرتا بلکہ اکثر ان سے آگے نکل جاتا ہے۔ یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ اس وقت کی کیفیت لسانی کے پیش نظر یہ غلطی ہو گی کہ میرؔ و سوداؔ کی زبان کو معیار مان کر نظیرؔ پر اعتراض کئے جائیں۔

ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ نظیرؔ ہندی کے اکثر لفظوں کا صحیح تلفظ نہیں جانتا یہ سراسر غلط ہے۔ اکثر الفاظ کا آج وہ تلفظ نہیں جو اس وقت تھا۔ بعض کا املا بدل گیا ہے۔ مثلاً ہلنا۔ بالکسر، بہنا۔ اور بھوک اُس وقت ہلنا بالفتح، بھینا۔ اور۔ بھوکھ بولے جاتے تھے۔ کٹھن بالکسر، بالفتح رائج تھا۔ دردؔ کہتے ہیں۔

رکھتی ہے میرے غنچۂ دل میں وطن گرہ
تجھ سے نہ کھل سکے گی صبا یہ کٹھن گرہ

اس سے پہلے جو نقشہ درج کیا جا چکا ہے اس سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ نظیرؔ کی غزلوں میں اکثر ہندی کے وہ لفظ اور محاورے نہیں پائے جاتے، جو میرؔ۔ و۔ سوداؔ کے ہاں ملتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس کی زبان دونوں کی زبان سے شستہ تر ہے اور زمانۂ حال کی زبان سے قریب تر۔

ابتذال۔ اس کی دو قسمیں ہیں لفظی اور معنوی۔ ابتذال لفظی یعنی "ذلیل و خوار و بے قدر لفظوں کا استعمال کرنا اور محاورہ عوام کا لانا جس سے خواص پرہیز کریں"۔ مثلاً دستخط، کو "دس خط" لکھنا "مسجد" کو "مسیت" جیسا کہ میرؔ نے ان دو شعروں میں کیا ہے ؎

یہ عرضیاں حضور کے پہونچے ہیں صبح و شام
دستخط جو ہو کے آئے کوئی سو اُسی کے نام

مت ان نمازیوں کو خانہ ساز دیں جانو
کہ ایک اینٹ کی خاطر یہ ڈھاتے ہیں گے مسیت

[illegible]ٹس کرنے سے ابتذال لفظی اس زمانے کے سب شاعروں کے ہاں مل جائے گا۔ میرؔ کے کلام سے دو [مث]الیں پیش کی جا چکی ہیں۔ سوداؔ کے کلام سے بھی دو مثالیں ملاحظہ ہوں ؎

[illegible]تے ہیں لعل جسے تھا فی الحقیقت میں وہ لعل
ہو گیا ہے رشک سے تجھ لب کے رنگ اس کا کبود

یکانے کی نہیں اس کی کوئی بات
نصیبوں سے مگر آ جائے شبرات

معلوم یہ ہوتا ہے کہ اُس زمانے کے شاعر محاورے اور تلفظ عام کی پابندی کیا کرتے تھے، اور ان کا
ی مسلک آج ہدفِ طعن ہے۔ کیا کوئی اس کو مان سکتا ہے کہ سودا "فی الحقیقت" کے معنی نہ جانتے تھے
ر اس میں "مین" کے اضافے کو فضول نہ سمجھتے تھے، یا انھیں خبر نہ تھی کہ "شبرات" اصل میں "شب برات"
ہے، لیکن اصل سے قطع نظر کر کے محاورۂ مروجہ بے خوف لوم لائم باندھ دیا۔ آنے والی نسلوں نے اصل کی
رف رجوع کیا اور زبانِ طعن دراز کی۔ اس خیال کی تائید اس واقعے سے ہوتی ہے جس کا تعلق میر کے "خیال" کو
"خال" باندھنے سے ہے، اور "آبِ حیات" میں ان کے حالات میں درج ہے۔ نظیر کے ہاں اس قسم کے
جو لفظ ملتے ہیں ان کی توجیہ یہی ہے۔

ابتذال لفظی کی ایک قسم اور بھی ہے جس کی طرف مولانا شبلی مرحوم نے اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"اُردو زبان میں چوں کہ ایک مدت تک بیہودہ مبالغہ اور خیال بندی کی گرم بازاری
رہی اس لیے واقعات کو ادا کرنے کے لیے جو الفاظ، ترکیبیں، اصطلاحات مقرر ہیں، استعمال
میں نہیں آئیں اس لیے آج نئے سر سے انھیں استعمال کیا جائے تو یا ابتذال یعنی عامیانہ پن
یا غرابت یعنی روکھا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ نظیر اکبر آبادی کے کلام میں جو سوقیانہ پن ہے اس
کا بھی راز ہے۔ (صـ۲۱ موازنہ انیس و دبیر)۔

نظیر کے اس طرز عمل کو ابتذال، غرابت، یا سوقیانہ پن کیوں کر کہا جا سکتا ہے اس کو تسلیم کیا جاتا ہے
کہ اُس نے پامال راہوں کو چھوڑ کر ایک نئے میدان میں قدم رکھا ہے، اس کے اعتراف سے بھی دریغ نہیں
کہ اُسے اس سفر میں جس سامان کی ضرورت ہے، اس کی جادہ پیمایانِ مسالکِ فرسودہ کو ضرورت نہیں ہوتی۔
پھر بھی قدامت پرستی بہتان لگاتے ہوئے پس و پیش نہیں کرتی۔ اس بحث کو زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں۔
وہ غرابت دتنافر جسے شبلی مرحوم نے سوقیانہ پن سے تعبیر کیا ہے اُس کے جواب میں اقتباسات ذیل کافی ہیں۔

"اُردو اگرچہ طفولیت کی حدود سے نکل چکی ہے لیکن ابھی کمال کو نہیں پہونچی ہے،
علمی ادبی حیثیت سے ابھی اس کو بہت آگے بڑھنا ہے، نئے نئے الفاظ کی بھی حاجت مند
ہے، اس لیے اس کی فصاحت کو متداول دمانوس الفاظ تک محدود کر دینا صحیح نہیں، شاعر و
انشا پرداز جب اپنے خیال کو عبارت کا جامہ پہناتے ہیں اور الفاظ کا دامن وسعت تنگ
پاتے ہیں، اکثر اصطلاحی غرابت کے حدود میں داخل ہو جاتے ہیں، اگر یہ غرابت منافی فصاحت

تسلیم کرلی جائے تو ہماری زبان کبھی وسعت نہیں پاسکتی، مگر یاد رکھنا چاہیے کہ غریب الفاظ کا استعمال ہمیشہ توسیع زبان ہی کے لیے نہیں ہوتا۔ کبھی اضطرار بھی اس کا باعث ہو جاتا ہے جس کو میں کلام میں اگر نظم ہو تو قافیہ کی حد تک جائز سمجھتا ہوں۔" [صـ ۷۵-۷۶ مرآۃ الشعر۔ مصنفہ شمس العلماء مولوی عبدالرحمٰن مطبوعہ برقی پریس دہلی ۱۹۲۶ء]

دنیا میں کوئی زبان اصول موضوعہ سے نہیں بنی، جب کوئی زبان اصول طبعی سے ترقی کرتی ہوئی فی الجملہ مرتبۂ کمال کو پہنچ جاتی ہے اور ذوق سلیم تحریر و تقریر میں الفاظ کا حسن استعمال محسوس کرنے لگتا ہے تو زبان کی فصاحت و بلاغت کے اصول متعین ہوتے ہیں اور ان کا اتباع ہونے لگتا ہے۔" [صـ۷۴ مرآۃ الشعر]

جب زبان کی آج یہ کیفیت ہے تو ڈیڑھ دو سو برس پہلے کیا ہوگی؟ اس کو بھی نہ بھولنا چاہیے کہ نظیر اتنا بے پروا تھا کہ اپنا کلام تک جمع نہ کیا۔ کسے دماغ تھا کہ میر و سودا کی طرح بیٹھا ہوا کلام پر نظر ثانی کیا کرے۔ جو کچھ قلم سے نکل گیا نکل گیا۔ لکھا اور پھینک دیا۔ شاگرد ہو یا دوست جس کا جی چاہے اٹھالے جائے، زینت اوراق بیاض بنائے یا لوح حافظہ پر لکھ کر محفوظ کرے۔[۵]

ابتذال معنوی سے مراد ہے نفس مضمون نظم کا مبتذل ہونا، یعنی ان باتوں کا ذکر یا ان کی طرف اشارہ جن کو سن کر طبیعت میں تکدر و تنغص پیدا ہو یا اس قسم کے مضمون جو بادی النظر میں بے حقیقت اور موضوع شاعری کے لیے موزون و مناسب نہ ہوں۔ نظیر کے ہاں ابتذال ہے۔ لیکن اس وقت کا کون سا شاعر ہے جو اس الزام سے بری ہے؟

میر صاحب کی غزل میں ہزل کے نمونے ملاحظہ ہوں ؎

بہکے جو ہم مست آگئے سو بار مسجد سے اٹھا
واعظ کو مارے خوف کے ہے لگ گیا جلاب سا

واعظ کو یہ جلن ہے شاید کہ فربہی سے
رہتا ہے حوض ہی میں اکثر پڑا اگر سا

میر فقیر ہوئے تو اک دن کیا کہتے ہیں بیٹے سے
عمر رہی ہے تھوڑی اسے کیوں کر کاٹیں بابا ہم

باہم ہوا کرے ہیں دن رات نیچے اوپر
یہ نرم شانے لونڈے ہیں مخمل دو خابا

---

۵ صـ ۹ دیباچہ "نئی ہندوستانی انگریزی ڈکشنری۔ از ڈاکٹر۔ ایس۔ ڈبلیو فیلن ۱۸۷۹ء۔

صـ ۸ دیباچہ دیوان نظیر اکبر آبادی مرتبہ جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب ۱۹۴۲ء۔

جب میر صاحب کا تقدس اس کیچڑ میں لوٹ پوٹ کر خوشی میں کلکاریاں مار سکتا ہے تو پھر سودا کا کیا ذکر۔ ہجویں اور ہزلیں لکھنا ان کی فطرۂ ثانیہ ہوگیا تھا چنانچہ یہ عادت رنگ لائی اور ہنگامۂ ہجو و ہزل سے چھینٹیں اڑ کر غزل کے دامن تک پہنچیں۔ فرماتے ہیں۔

شیخ وہ رشتہ ہے زنّار ہمارا جن نے — پھاڑ ڈالی ہے ترے سبحہ کے ہر دانے کی

خون جگر کا کھانا دل پر نہیں گوارا — اُن ترش ابرؤوں کی جب تک نہ ہووے چٹنی

نظیر کے ہاں جو مسدس ایسے ہیں جن پر تعریف ابتذال صادق آتی ہے ان میں سے اکثر تو وہ ہیں جو فطرت انسانی کے کسی رُخ کو بے کم و کاست پیش کرنے کے لیے لکھے گئے ہیں اور بعض کو اہل حرفہ کی فرمائشیں عرصۂ وجود میں لائی ہیں۔ مجھ سے ایک صاحب نے جو آگرہ کے رہنے والے تھے، بیان کیا کہ ان کے دادا نظیر کے دیکھنے والوں میں سے تھے۔ ایک روز نظیر کا ذکر تھا۔ کہنے لگے کہ اکثر اہل حرفہ ان کے پاس آتے اور کہتے تھے۔ ہمیں کچھ لکھ دیجیے کہ کچھ کما کھائیں۔ وہ اخلاق کا پُتلا بحرِ زخار تھا۔ دل جوئی کے لیے مخمس، مسدس جو جی چاہا لکھ کر حوالے کر دیا۔ لوگ گلی گلی، کوچہ کوچہ، گا گا کر اپنا پیٹ پالتے تھے۔ تل کے لڈو، ریچھ کا بچہ وغیرہ اسی قسم کی نظمیں ہیں۔ یہ ایک بے سر و پا افسانہ ہی سہی۔ لیکن اگر ناخن سے گوشت جدا کیا جا سکتا ہے، اگر سودا کی ہجویات و ہزلیات سے چشم پوشی کر کے ان کے متین و سنجیدہ کلام ہی پر توجہ مرکوز کی جا سکتی ہے۔ اگر میر کی فحاشی پر ان کی سیادت و متانت کا پردہ ڈالا جا سکتا ہے، تو نظیر کے ابتذال اور شوخیوں کو بھی فراموش کر کے اس کا متین و سنجیدہ کلام ہی مرکزِ توجہ ہونا چاہیے۔ جس طرح سعدی کے تقدس کو ان کی ہزلیات سے ٹھیس نہیں لگی اور ان پر ہزلیات کی چٹ (label) لگا کر نظر انداز کر دیا گیا، اسی طرح نظیر کے اس قسم کے کلام پر بھی ایک ایسی ہی چٹ لگا دینی اور جو کچھ باقی رہ جائے اس پر رائے قائم کرنی چاہیے۔ اس طرزِ عمل سے آپ کو شبلی مرحوم کی اس رائے کی کہ ”اگر یہ مبتذل نہ ہوتا تو سادگی اور صفائی میں نظیر کا کلام میر انیس اور میر تقی سے ٹکر کھاتا“ (صـ۲۱ موازنہ انیس و دبیر) صداقت معلوم ہو جائے گی۔

خلاف ورزیٔ قواعد عروض۔ اساتذۂ قدیم مثل میر۔ نظیر۔ سودا۔ درد کے کلام میں اکثر شعر عروضی پابندی سے آزاد نظر آتے ہیں۔ کیا یہ مان لینا قرین دانش مندی ہے کہ مصحفی کا مقولہ سہ

سیفی کے رسالے پہ فقط ان کی بنا ہے — اور اس کو بھی گھر بیٹھے وہ آپ ہی نگراں ہیں

صادق آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو کے متاخرین شعرا نے جن حرفوں کے ادغام یا حذف کو ناجائز قرار دیا ہے،

انھیں وہ بے تکلف مدغم یا حذف کر دیتے تھے۔ ان کا یہی طرزِ عمل آج محلِ نظر ہے۔ ان کا علم ہرگز اس قدر سطحی نہ تھا کہ اصولِ عروض اس کے دائرے سے خارج ہوں۔ غالباً انھوں نے تلفظ رائج الوقت کو بعض موقعوں پر مدِ نظر رکھا کیوں کہ عروض کلیتہً آواز سے بحث کرتا ہے۔ اسے علاماتِ اصوات یعنی حروف سے غرض نہیں۔ آج ہم اس تلفظ سے بے خبر ہیں اس لیے ہماری تنقید دیرانہ ان پر الزام کم علمی رکھتی، دھوکا کھا جاتی، اور ساتھ ہی ساتھ جناب کاتب کی چیرہ دستیاں بھول جاتی ہے۔ مثلاً

(۱) عالم عالم جمع تھے خوباں جہاں صافا ہوا (میر)۔ (۲) یہی حال ہمیشہ رہا کیا تو مآل پر بھی نظر کرو (میر)

پہلے مصرع میں دوسرے "عالم" کا "ع"۔ اور دوسرے مصرع میں "ہمیشہ" کی ہائے ملفوظ گرانی پڑے گی۔ اب کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ میر عروض سے نابلد تھے، معاذ اللہ! بولنے میں "عالم عالم" شاید اس طرح بولا جاتا ہو گا کہ "عا" اپنے حرفِ ماقبل سے مل کر منہ سے نکلتا ہو گا۔ یا میر صاحب نے تلفظِ عربی سے قطع نظر کر کے "عا" کو "آ" کے برابر مانا ہو گا۔ اسی طرح "حال ہمیشہ" کی نسبت بھی تصور کرنا چاہیے۔ "آبِ حیات" کے

؎۵ مولوی نجم الغنی صاحب بحر الفصاحت کے صـ ۱۱۶۱ پر لکھتے ہیں۔

"دل اس قدر تعیم مرا محو یار ہے ۔۔۔ معلوم نہیں جہاں میں خزاں یا بہار ہے

"معلوم کی واو ساقط ہوتی ہے۔

ایک بوسے سے قلندر ستی مذمت موڑ د ۔۔۔ ایسا بندہ کہیں اس مول کو نہیں پانے کا

"مول کی واو تقطیع میں گرتی ہے۔"

مولوی صاحب نے دونوں شعروں میں "نہیں" کو بہ حذف یائے تحتانی نہیں پڑھا ورنہ وہ ان کو ان مثالوں میں شامل کرتے جن میں حرف یا کا گرنا دکھایا ہے۔ دونوں مصرعوں کی تقطیع یہ ہو گی۔

مفعولُ	فاعلاتُ	مفاعیلُ	فاعلن
معلوم	نہ جہاں م	خزا یا بَ	ہار ہے
فاعلاتن	فَعِلاتن	فَعِلاتن	فِعْلن
ایس بندہ	کہِ اس مو	لِ کُ نہ پا	نے کا

اگر واو کو محذوف تسلیم کریں تو دونوں مصرعوں کی تقطیع یوں کی جائے گی۔

مفعولُ	فاعلاتُ	مفاعیلُ	فاعلن
معلَمَ نَ	ہی جہاں م	خزا یا بَ	ہار ہے
فاعلاتن	فَعِلاتن	فَعِلاتن	فِعْلن
ایس بندہ	کہِ اس مُل	کُ نہیں پا	نے کا

جب کہ "نہیں" بہ حذف یائے تحتانی اس زمانے میں عام تھا تو پھر "معلوم" اور "مول" کی واو کو گرانے کی ضرورت نہیں۔

پڑھنے والے جانتے ہیں کہ "خیال" کو "خال" باندھا اور معترض کی زبان بند کرنے کو کیا کہا۔ نظیر جو آٹھ زبانیں جانتے تھے عروض سے بے بہرہ نہیں ہو سکتے اُن کی دست رس تو عروضِ ہندی تک تھی جس پر "مہادیو کا بیاہ" کی تمہید شاہد ہے۔ انھیں اُصول کی پیروی کی ہے جن پر دیگر مشاہیر عمل پیرا تھے۔

غزل ۱۹۴۲ء سے پہلے نظیر کی چند ہی غزلیں ملتی تھیں۔ مولوی سید عبدالغفور شہباز مرحوم کی مساعی جمیلہ نے جو اس قسم کا سرمایہ بہم پہنچایا تھا، گو وہ اس سے زیادہ تھا جو کلیاتِ نظیر مطبوعہ نول کشور پریس [۱۸۸۰ء سے ۱۹۲۲ء تک کی طباعتیں] کا جزو ہے، لیکن مولوی فرحت اللہ بیگ صاحب نے غزلوں کے جو دیوان مرتب اور انجمن ترقی اُردو ہند نے شائع کئے ہیں، اُنھوں نے نظیر کی غزل گوئی کا اندازہ کرنے کے لیے اتنا ہی مواد و مصالح بہم پہنچا دیا ہے جتنا کہ دیگر شعرائے غزل گو کا کلام پیش کرتا ہے۔ نظیر کی غزلیں اس کی طبیعت کی ہمہ داری پر شاہد ہیں۔ وہ گرگٹ کی طرح رنگ نہیں بدلتا ہر ماحول میں اس کی فطرت جلوہ گر ہے۔ وہ ایک زندہ دل شاعر ہے جو واقعات و واردات حقیقی سے تعلق رکھتا ہے اور انھیں ایسی سادہ زبان میں بیان کرتا ہے کہ نطق، دہن صفائی و سادگی کے بوسے لینے لگتا ہے۔ اسی لیے اس کی بیشتر غزلوں میں قطعات ہیں۔ دیگر شعرا کی طوالت کو وہ ناپسند کرتا ہے۔ سین ختم، پردہ گرا۔ اس کے ہاں فرضی و تخئیلی غزلوں کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اسی لیے وہ مبالغہ جو غلو کی حد تک پہنچ کر دل دادگانِ غزلِ فارسی سے خراجِ تحسین حاصل کر لیتا ہے اس کے ہاں خال خال ہی پایا جاتا ہے، اور فارسی پرست دنیا نے اسے داد دینے سے بخل سے کام لیا اور اب بھی اکثر لیتی ہے اگر اُن پردوں کو ہٹا کر اس کے کلام کا مطالعہ کیا جائے جو تاثراتِ سابقہ نے حقیقت پر ڈال دیے ہیں، تو یقیناً اس حالت میں نظیر کی نسبت جو رائے قائم کی گئی تھی اس میں انقلابِ عظیم پیدا ہو کر انھیں ان اساتذہ کے پہلو میں جگہ دے گا جو سپہرِ ادب کے آفتاب تسلیم کیے جاتے ہیں۔

سودا کی غزلیں بالاستیعاب پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے محبوب سے نہایت تکلف و تصنع سے باتیں کرتے ہیں۔ میر کا کلام بھی تصنع اور آورد سے خالی نہیں۔ نظیر کی غزلوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وصل، عالمِ تمکین و ضبط میں ہجر ہو کر نہیں رہ گیا۔ سودا کی غزلوں سے بے ساختگی کوسوں دور ہے۔ کیا ہوا اگر غزل بھر میں دو ایک شعر ایسے نکل آئے جو بے ساختہ ہوئے۔ نظیر سراپا بے ساختگی ہے۔ میر و سودا صرف زبان و بیان ہی میں فارسی سے گدائی نہیں کرتے، بلکہ ان

کا خیال بھی فارسی غزل کے تتبع پر چشمک زن ہے۔ نظیر کی فطرت سادہ صرف انھیں خیالات کو صورت غزل میں جلوہ گر کرتی ہے جو حقیقی واردات و مشاہدات ہیں۔ میر۔ و۔ سودا حقیقی زندگی سے اس قدر قریب نظر نہیں آتے جتنا کہ نظیر ہے۔

محاکات یا واقعہ نگاری۔ اس سے انکار نہیں کہ شعرائے غزل گو نے جو کچھ لکھا ہے، وہ محاکات یا نفسیات سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن جس قسم کی واقعہ نگاری نظیر کی خصوصیت ہے، اس کی جھلک کہیں کہیں تشبیب قصائد ہی میں نظر آجائے تو آجائے ورنہ وہ ایک مستقل چیز کی حیثیت سے نظر نہیں آتی۔ نظیر چونکہ نقاش فطرت انسانی تھا اس کی نظر ہر اس چیز پر پڑتی ہے جس کا حیاتِ انسانی سے گہرا تعلق ہے۔ کبھی وہ دنیا کے نقطۂ نظر کا بہ غور مطالعہ کرتا اور دیکھتا ہے کہ وہ مفلس کی قدر سے قاصر ہے۔ کبھی وہ دیکھتا ہے کہ طریقۂ کسب معاش اسے قعر مذلت میں گرا دیتا ہے کبھی دیکھتا ہے کہ حرص و طمع اُسے ذلیل و خوار کر رہے ہیں۔ کبھی دیکھتا ہے کہ "عروس ہزار داماد" اسے اپنے عشوؤں میں پھنسا کر معاد سے غافل کر دیتی ہے۔ لیکن اس کی نظر تصویر کا صرف تاریک رُخ نہیں دیکھتی، وہ اس کا روشن رُخ دیکھنے کی بھی صلاحیت رکھتی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ زندگی زندہ دلی کا نام ہے اور مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں۔ چنانچہ عالمِ یاس و حسرت سے نکل کر وہ اس خاک کے پتلے کی عیش پرستیوں اور نشاط اندوزیوں میں شریک ہو جاتا ہے ہندوؤں کے نشاط انگیز تہوار بار بار اس کا دامن دل کھینچتے ہیں۔ وہ ہولی پر متعدد نظمیں لکھتا ہے۔ قوم کی زندہ دلی اسے مائل کرتی ہے کہ "آگرہ کی تیراکی۔ کبوتر بازی" وغیرہ کو لباس نظم میں جلوہ گر کرکے ایک مرقع لازوال پیش کرے۔ چڑیوں کا چہچہانا دل پر اثر کرتا ہے وہ انھیں تسبیح و تہلیل حیٌّ لایموت میں مشغول، اور مستی میں ایک شاخ سے دوسری شاخ پر پھدکتے دیکھ کر ان کے ترانوں سے ایک ایسا مسدس عرصۂ وجود میں لاتا ہے۔ جو صحیح صحیح معنی میں درس عبرت دیتا ہے۔ وہ موسموں کی تکلیفوں اور ان کی دل فریبیوں سے متاثر ہوتا ہے "گرمی" اور "جاڑے" کی برائی کرتا اور برسات کی بہاروں سے لطف اندوز ہو کر اپنے تاثرات و مشاہدات کو کئی نظموں میں قلم بند کرتا ہے۔ الغرض یہ اپنے رنگ میں فرد فرید اور یکتائے روزگار، یہ متنوع طبع تلمیذ رحمان (Versatile genius) ہر میدان میں اپنے اشہب قلم کی جولانیاں دکھاتا اور صحیح المذاق تماشائیوں کو محو حیرت کر دیتا ہے۔

---

۵۵ ص ۲۔ دیوان نظیر اکبر آبادی مرتبہ مولوی فرحت اللہ بیگ صاحب شائع کردہ انجمن ترقی اُردو۔ دہلی ۱۹۴۲ء

بعض ادبا کا خیال ہے کہ نظم یا واقعہ نگار شاعروں میں اُسے ابوالشعرا کا رتبہ حاصل ہے اکثر ناقدا سے بد ذوقی پر محمول کرتے اور بہانگ دُہل کہتے ہیں کہ وہ ہرگز ناظمان زمانۂ حال کا بابا آدم نہیں اور نہ وہ اس تعریف و تحسین کا مستحق ہے جو بعض ادبائے زمانہ حال کرتے ہیں۔ نظیر کی محاکات یا واقعہ نگاری ہرگز اس قابل نہیں کہ آیندہ نسلیں اس کی قدر کریں اور وہ زندہ رہے۔ یہ جبھی ممکن ہے کہ دورِ حاضر کے ناظموں کو فراموش کر دیا جائے اور زمانہ فصاحت و بلاغت اور صنائع و بدائع کی تمیز سے بے بہرہ ہو جائے۔ یہ رائے مسلمہ مسئلۂ ارتقاء سے چشم پوشی کرتی ہے وہ اُردو کے دورِ سوم کا دورِ پنجم بلکہ ششم سے مقابلہ کر کے یہ دیکھنا چاہتی ہے کہ دونوں بہ لحاظ اوصاف و خصوصیات یکساں ہیں یا نہیں۔ کیا ایسے ناقدوں سے یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ آج غزل کی وہی کیفیت ہے جو میرؔ و سوداؔ کے زمانے میں تھی؟ اور نہیں ہے تو کیا آپ کے اصول کی پابندی کر کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ناسخؔ کا یہ کہنا کہ ؎ آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میرؔ نہیں۔ ہرزہ سرائی ہے اور غالبؔ کا یہ اعتقاد ؎

غالبؔ اپنا بھی مقولہ ہے بقول ناسخؔ آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میرؔ نہیں

کور ذوقی پر مبنی ہے؟ اس قسم کے ناقدوں کا فیصلہ کہاں تک قابل قبول ہے۔ اس کو ناظرین ہی پر چھوڑنا انسب و اولیٰ ہے مگر اس گزارش کے ساتھ کہ وہ سطحِ تاثراتِ سابقہ سے بلند تر ہو کر اس کے کلام کا مطالعہ کریں۔

نظیر اور ناقدانِ زمانۂ قدیم ۔ قدیم تذکرہ نویسوں کی نسبت مولوی نجم الغنی صاحب کی یہ رائے بہت ہی وقیع ہے۔

تذکرہ نویسوں نے عجیب ڈھنگ اختیار کیا ہے جس پر مہربان ہوئے اس کی تعریف میں بہت کچھ خامہ فرسائی کی ہے اور جن سے کچھ سروکار نہیں ان کے حال سے چشم پوشی کی ہے۔ کسی شاعر کے حالات اصلی اور کیفیت استعداد اور دستور العمل ایام زندگانی اور اس کے معاملات جو اس کے ابنائے عصر کے ساتھ واقع ہوئے ہوں اور تاریخ ولادت و وفات و ذکر تصنیفات اور نام حاکم وقت وغیرہ ضروری باتیں درج نہیں کیں۔ نہ یہ لکھا کہ یہ شخص صاحب دیوان تھا یا نہیں جس سے کچھ تعلق ہوا اس کے اشعار بہت اور عمدہ عمدہ انتخاب کر کے لکھ دیے اور جس سے عداوت ہوئی

اس کے ایسے اشعار تلاش کر کے درج کیے ہیں جو موجب مضحکہ ہوں بلکہ اس کے اوصاف سے اعراض کر کے ہجو ملیح لکھی ہے۔ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ نے اپنے "تذکرہ گلشن بے خار" میں اکثر شاعروں کے استادوں کا نام لکھنے میں کاہلی کی ہے اور بہت سے شاعروں کے حالات ایک ایک دو دو سطروں میں ختم کر دیے ہیں۔ البتہ بعض شعرا کی تعریف بہت کی ہے۔ خصوصاً اپنے استاد مومن خاں کی تعریف اور نقل اشعار میں بہت سا حصہ تذکرہ کا صرف کیا ہے اور بعض شعراء کو مفت عیب لگایا ہے۔ چنانچہ میاں یحییٰ امان عرف قلندر بخش۔ جرأت کی نسبت بہت کچھ موتی اگلے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ یہ شخص اصول و قوانین شاعری سے بہرہ نہ رکھتا تھا۔ نغمات خارج از آہنگ گاتا تھا اور اس کی نام وری کا باعث یہ ہوا کہ اشعار موافق طبائع اوباش والواط کے کہتا تھا۔۔۔۔۔ اسی طرح سید انشاء اللہ خاں کی نسبت جو ایک نام ور شاعر تھے لکھا ہے کہ ان کے کلام کی روش طریقۂ راسخہ پر نہیں اور علم تو اس قدر نہ تھا مگر ہر فن میں کوس لمن الملکی بجاتے تھے اور مشاعرات و مطارحات سے شعرائے معاصرین کا قافیہ تنگ کر رکھا تھا۔۔۔۔ ایسے ہی میر سوز کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ کلام ان کا جادۂ مستقیم سے ہٹا ہوا ہے۔۔۔۔ مثنوی میر حسن کی نسبت لکھتے ہیں کہ قطع نظر بعض بالغزہاے شاعری کے محاورۂ عوام میں بُری نہیں کہی ہے۔۔۔۔ نظیر اکبر آبادی کی نسبت کہتے ہیں کہ "اس کے اشعار بازاریوں کے زبان زد ہیں۔ باعتبار ایسے اشعار کے اس کا شمار شعرا میں نہیں ہو سکتا۔" مگر ہم سے کوئی پوچھے تو یہی کہیں گے کہ نظیر کا ذہن بہت رسا تھا۔ مشق کا یہ عالم تھا کہ مواجئ طبیعت سے دریا کی طرح بہتا تھا۔ اور موزونئ طبع کا یہ حال تھا کہ کیسی ہی سنگلاخ زمین ہوتی اس کے سمند فکر کی پامال تھی۔ وہ اپنے کلام میں نیچر کا سماں دکھانے کی طرف متوجہ تھا اور وہ خیالی معرکہ آرائیوں پر اسے ترجیح دیتا تھا۔۔۔۔ شبلی نے "موازنۂ انیس و دبیر" میں نظیر کے کلام کو مبتذل اور سوقیانہ بتایا ہے اور یہ نہیں خیال کیا کہ اس کے بیان میں اگرچہ مبالغے کے زور یا جوش و خروش کی دھوم دھام نہیں، مگر جس چیز کا بیان کرتا ہے اس کی کیفیت واقعی دکھا دیتا ہے جس سے سننے

والے کو وہ مزہ آجاتا ہے جو اصل شے کے دیکھنے سے آتا . . . . + شیخ امام بخش کے حق میں تذکرۂ گلستانِ سخن" نے لکھا ہے کہ ناسخ بے معنی گو ہے اور اس کے اشعار مہمل ہیں . . . . ایک دشمن کمال نے اپنے دیوان میں ناسخ کو خود منڈا اور بے مرشد لکھا ہے"۔ ارمغانِ گوکل پرشاد" میں محمد عیسیٰ تنہا دہلوی، شاگرد مصحفی کا تلمیذ قرار دیا ہے منشی شیو پرشاد - وہبی - لکھتا ہے کہ شیخ امام بخش ناسخ نے سرقۂ مضامین سے متقدمین کے فارسی دیوانوں کو خراب کیا ہے - اور اسیر اکبر آبادی نے اپنے تذکرہ میں شیخ صاحب کے ہر شعر کے مقابل میں ایک شعر لکھ دیا ہے"۔ [ص ۴۹-۴۶ - بحر الفصاحت]

نقادانِ قدیم میں نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کی دیانت تنقید کا حال معلوم ہو چکا - یہ وہ بزرگ ہیں جن کی نسبت غالب نے کہا ہے -

غالب بہ فنِ گفت گو نازد بدیں ارزش کہ او ننوشت در دیوان غزل تا مصطفےٰ خاں خوش نہ کرد

شیفتہ کے تبحر پر حملہ مقصود نہیں لیکن ہم اس کے کہنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ شاید وہ حافظ کے اس شعر سے ناواقف تھے جس میں اس صوفی باصفا نے تنقید کی تعریف کی ہے -

عیب مے جملہ بہ گفتی ہنرش نیز بہ گو نفیِ حکمت مکن از بہرِ دلِ عامے چند

شیفتہ ایک تنگ نظر نقاد معلوم ہوتا ہے، جس کی کوتاہ بینی اپنے اُستاد مومن کے گلے پر کند چھری پھیرنے سے باز رہتی ہے، ورنہ جرأت - انشا - سوز - میر حسن - نظیر - کون ہے جو اس سے بچا ہے غالب نے اپنے ایک عزیز یا دوست کی پیٹھ ٹھوکی ہے لیکن اس اقربا نوازی یا احباب فروشی کی دیدۂ حقیقت بیں میں کوئی وقعت نہیں -

انھیں قدیم نقادوں میں پروفیسر محمد حسین صاحب آزاد کو بھی شامل سمجھنا چاہیے - میر کے حالات میں کہتے ہیں -

"میر صاحب کو شگفتگی یا بہار عیش و نشاط، یا کامیابی وصال کا لطف کبھی نصیب نہ ہوا، وہی مصیبت اور قسمت کا غم جو ساتھ لائے تھے اس کا دکھڑا سناتے چلے گئے -

"غزلوں کے دیوان اگرچہ رطب ویابس سے بھرے ہوئے ہیں، مگر ان میں جو انتخاب ہیں وہ فصاحت کے عالم میں انتخاب ہیں۔ اردو زبان کے جوہری قدیم سے کہتے چلے آئے ہیں

سنز دو بہتر نشتر ہیں باقی میر صاحب کا تبرک ہے۔"

سودا کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

"بے شک ان کی غزلوں کے بھی اکثر شعر چستی و درستی میں قصیدے کا رنگ دکھاتے ہیں..... متقدمین اور متاخرین کے کلاموں کا مقابلہ کرنے والے کہتے ہیں کہ ان کے دفتر تصنیفات میں ردّی بھی ہے اور وہ بہت ہے..... اس رائے میں مجھے بھی شامل ہونا پڑتا ہے..... ایسے زمانے کے کلام میں رطب و یابس ہو تو تعجب کیا ہم اس الزام کا بُرا نہیں مانتے۔"

آزاد نے اصول یہ قائم کیا ہے کہ کلام منتخب سے بحث کرنی چاہیے۔ لیکن ذرا ناانصافی دیکھیے کہ جس اصول کی مدد سے وہ اپنے معبودانِ مجازی کو فلک الافلاک پر پہنچاتے ہیں، اس سے نظیر کا ذکر کرتے وقت اعراض و انحراف کرتے ہیں۔ ولی۔ کے حالات میں لکھتے ہیں۔

"نظیر کے بعض اشعار ایسے ہیں کہ تیر سے پہلو مارتے ہیں، پس اگر نظیر کا ذکر لکھ کر اس کے چند شعر منتخب لکھ دیے جائیں تو ناواقف سوائے اس کے کہ نظیر کو میر کا ہم پلّہ شاعر سمجھے اور کیا تصوّر کر سکتا ہے۔"

اگر وہ انحراف نہ کرتے تو انھیں "آب حیات" میں چند ورقوں کا اضافہ کرنا پڑتا جو شاید کسی وجہ سے ناگوار تھا۔ نظیر ان کے اسی قسم کے خیالات کا صید زبوں ہے جس قسم کے کہ مومن بوقت طباعتِ اوّل "آب حیات" تھے۔

اٹھارویں صدی کی زبان کی ایک جھلک۔ مولوی حکیم نجم الغنی صاحب نے اپنی تصنیف بحر الفصاحت کا ایک باب "عیوبِ کلام" کے لیے بھی وقف کیا ہے۔ اس کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ اٹھارویں صدی کے شاعروں میں بہت سی باتیں پائی جاتی ہیں جو باوجود بعد کی پابندیوں کے متاخرین کے کلام میں موجود ہیں۔ یہاں صرف اس باب کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے تاکہ اٹھارہویں صدی اور اس کے مابعد قریب کی کیفیت کا اندازہ کیا جا سکے۔

(۱) **ضعفِ تالیف**۔ یعنی محاورے کے خلاف الفاظ کا استعمال کرنا یا ضمائر و حروفِ ربط کا ایسی تقدیم و تاخیر سے لانا کہ کلام روزمرۂ اہل زبان کے خلاف ہو۔

آدمی اب نہیں جہاں میں میر　　اٹھ گئے اس بھی کارواں سے لوگ　　(میر)

(۲) توالی اضافت۔ یعنی پے در پے چند اضافتیں لانا مگر یہ اس وقت عیب ہے جب بُرا معلوم ہو اور ثقالت پیدا کرے۔

آہ کل دل کو ہوا درد کہ رکھا ہم کو　　جنبشِ چینِ جبینِ بتِ چین نے بے چین　　(انشا)

(۳) ابتذال۔ یعنی ذلیل و خوار و بے قدر الفاظ کا استعمال کرنا اور محاورۂ عوام لانا جس سے خواص پرہیز کریں۔

کہتے ہیں نیلم جسے تحقیق فی الحقیقت میں وہ لعل　　ہو گیا ہے رشک سے تجھ لب کے رنگ اس کا کبود　　(سودا)

پکانے کی نہیں اس کے کوئی بات　　نصیبوں سے مگر آ جائے شبرات　　(سودا)

"شبرات" نہایت مبتذل لفظ ہے صحیح "شب برات" ہے۔

یہ عرضیاں حضور کے پہونچے ہیں صبح و شام　　دسخط جو ہو کے آئے کوئی سو اسی کے نام　　(میر)

"دس خط" نہایت عامیانہ و مبتذل محاورہ ہے "دست خط" صحیح ہے۔

مت ان نمازیوں کو خانہ سازِ دیں جانو　　کہ ایک اینٹ کی خاطر یہ ڈھاتے ہیں گے مسیت　　(میر)

"مسجد" کی جگہ "مسیت" نہایت مبتذل اور عامیانہ محاورہ ہے۔

(۴) تغییر۔ یعنی الفاظ کو بہ صورت دیگر استعمال کرنا۔

کنڈلی نیلے ویکھیو نہ ہووے　　کاٹا ہفی، تیرا بُرا ہو　　(امیر سوز)

صحیح "افعی" ہے نہ کہ "ہفی"۔

(۵) ائتلاف و تنافرِ حروف۔ یعنی واقع ہونا ایک سے حروف کا آخر کلمۂ اول اور اول کلمۂ آخر میں یا ایسے حروف کا استعمال جن کے پڑھنے میں دشواری ہو اور زبان پر ثقل پیدا کریں۔

رہتا ہے پیشِ دیدۂ تر آہ کا سبھاؤ　　جیسے سحاب ابر کی ہوتی ہے کوئی باڑ　　(میر)

(۶) غرابتِ لفظی۔ یعنی غیر مانوس اور نامانوس لفظ استعمال کرنا۔

نہیں نکسے ہے مرے دل کی اُپایا ہے گا ہے　　اے فلک بہر خدا رخصت آہے گا ہے　　(امیر سوز)

(۷) مخالفتِ قیاسِ لغوی۔ یعنی محاورۂ اہلِ زبان کے خلاف یا قاعدۂ صرف و نحو کے خلاف کوئی لفظ استعمال کرنا۔ اس کی کئی قسمیں ہیں۔

(۱) وصل یعنی زیادہ کر لینا کسی حرف کا۔

جانِ عقلِ کامل و شورِ سرِ دیوانگاں   رونقِ آبادگی اور وحشتِ ویرانہ ہم (سودا)

"آبادگی" میں کاف فارسی زائد ہے۔

(۲) قطع - یعنی کوئی حرف اصل کلمے سے خارج کر دینا۔

داغ ہے تاباںؔ علیہ الرحمہ کا چھاتی پہ میرؔ   ہو نجات اس کو بچارہ ہم سے بھی تھا آشنا (میر)

"بےچارہ" کی یائے تحتانی حذف کر کے "بچارہ" استعمال کیا ہے۔

(۳) تخفیف - یعنی حرف مشدد کو بے تشدید استعمال کرنا۔

مری آہ نے جو کھولی بعیوق بیرق آہ   وہیں برق و رعد لے کر علم سحاب اٹھا (مصحفی)

"عیوق" اصل لغت میں یائے تحتانی کی تشدید سے ہے۔

(۴) تشدید - یعنی غیر مشدد کو بہ تشدید لانا۔

یعنی نواب سلیماں فرو نام آصف جاہ   عہد میں جس کے بہ غیور بزرگ و کوچک (سودا)

"غیور"، غفور کے وزن پر ہے۔

(۵) قصر - الف ممدودہ کو مقصورہ کر کے لانا۔

کہا اس سے کہ بھر کے افتابا   صحن کے جا ضرور میں رکھوا (سودا)

"آفتابہ" اصل میں بالمد ہے۔

(۶) مد - یعنی حرف مقصورہ کو ممدودہ لانا۔

دل ملک آنگریز میں جینے سے تنگ ہے   رہنا بدن میں روح کا قید فرنگ ہے (ناسخ)

"انگریز" صحیح اور "آنگریز" غلط ہے۔

(۷) تحریک - یعنی حرف ساکن کو متحرک لانا۔

بنیے کا دیوال بند اک فرَض دار تھا   اس کے ادا کرنے میں سخت وہ ناچار تھا (سودا)

"فرض"، بہ سکون رائے مہملہ ہے۔

(۸) اسکان - یعنی حرف متحرک کو ساکن لانا۔

داغ ہوں ان سے اب زمانے میں   بزم شعرا کے ہیں جو صدر نشین (سودا)

"شاعر" کی جمع "شعرا" عین کے فتحے سے ہے۔

کیوں کہ پہونچی ہے جن کو امرائی　　سب وہ اولاد حاتم طائی　　(میر)

"امیر" کی جمع "امراء" میم کی تحریک سے ہے۔

آٹھوں اقسام مذکورۂ بالا متقدمین کے نزدیک جائز تھیں مگر اب یہ محاورات بالکل متروک ہو گئے ہیں۔

(۹) کلمے کو بے موقع استعمال کرنا۔

اب کوئی سرہانے اس کے جلاتا نہیں سپند　　بنتی بخور جس کے تھی مجمر کے واسطے　　(مصحفی)

"سپند" محل نظر ہے۔

(۱۰) لفظ ہندی کو طرف لفظ ہندی یا عربی یا فارسی کے اضافت کرنا۔

پہونچی سکینہ لاشِ چچا پر لبِ فرات۔　　(دبیر)

"لاش" اور "چچا" کے درمیان اضافت ناجائز ہے۔

(۱۱) فکِ اضافت۔ یعنی کسرۂ اضافت کا آخرِ مضاف سے ساقط کرنا۔

رہوں جا کے مر حضرتِ یار میں　　یہی قصد ہے بندہ درگاہ کا　　(میر)

"بندۂ درگاہ" چاہیے۔

(۱۲) اضافتِ زائد۔

دھری اک بیاض اور رنگ چمن　　پُر از شعر سودا و میرِ حسن　　(میر حسن)

"میرِ حسن" میں اضافت زائد ہے۔

(۱۳) اسقاطِ عین اور حائے حطّی اور ہائے غیر ملفوظی اور دال مہملہ وغیرہ۔

یہاں طالعوں سے ملتا ہے پیارا　　عبث دیکھے ہے زاہد استخارا　　(حاتم)

عالم عالم جمع تھے خوبانِ جہاں صافا ہوا۔　　(میر)

اک عالم ان کے گرداگرد ہوا جمع۔　　(سودا)

"طالعوں" اور "عالم عالم" سے عین اور "گرداگرد ہوا" سے "دال مہملہ" یا "ہائے ہوز" بوقت تقطیع گرتی ہیں۔

وہ اُن کے حسنِ طلب کا ہر اک سے یہ اصول　　کہ خاک پاک کی تسبیح ہے لیجیے جو مول　　(سودا)

"تسبیح" کی حائے حطّی تقطیع سے گرتی ہے۔

ہو یہ کتوال تو وہ مانے زور ‏ ‏ ‏ یہ تو مچھر کی جھول کا ہے چور ‏ ‏ (سودا)

"کوتوال" صحیح ہے نہ کہ "کتوال"۔ واو ساقط ہوتی ہے۔

میں نہیں ہونے کا غافل مت پڑو میرے خیال ‏ ‏ ‏ یہ جنوں جائے گا نہیں یہ سب خیال خام ہے ‏ ‏ (قلندر)

جائے گا نہیں" میں "یا" تقطیع میں ساقط ہوتی ہے۔

(۱۴) نونِ ساکن کو بہ طور غنہ کے اور غنہ کو بہ طور ساکن کے استعمال کرنا۔

لے سیل تا بہ دشنہ و برچھی سے تا خنجر ‏ ‏ (سودا)

"خنجر" کا نون ساکن ہے مگر یہاں بہ طور غنہ آیا ہے۔

(۱۵) اُس نونِ غنہ کا اعلان جو لفظِ مضاف الیہ کے آخر میں واقع ہو۔

ذوقِ مے نوشیِ گلشن ہے نہ جانوں کس کو ‏ ‏ ‏ کفِ سیمین میں نرگس کے طلائی ہے ایاغ ‏ ‏ (قلندر)

"کفِ سیمین" محل نظر ہے۔

(۱۶) دو ہندی لفظوں کو کسی عربی یا فارسی لفظ سے اتصال دینا۔

یہ جوانی اور مرنا سخت تر افسوس ہے ‏ ‏ ‏ یورپ سے تا ہند جس کا گھر بہ گھر افسوس ہے ‏ ‏ (ارشد[۵۸])

اٹھارھویں صدی میں زبان کی جو کیفیت تھی اس کی ایک جھلک دکھائی جا چکی۔ اس کی روشنی میں نظیر اتنا ہی مورد الزام ہے جتنے کہ میر۔ سودا۔ درد وغیرہ۔ اگر انتخاب کلام ہی معیار ہے تو وہ اسی قدر و منزلت کا مستحق ہے جو اوروں کا حق سمجھی جاتی ہے۔ اس کے منتخب کلام کے متعلق۔ پروفیسر محمد حسین صاحب آزاد کی رائے نقل کی جا چکی ہے۔ پروفیسر شبلی کی آراء بھی منتخب کلام کے خلاف نہیں اگر وہ تمام رعایتیں نظیر کے ساتھ کی جائیں جو دوسروں کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ رہے نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ گو ان کی تنگ نظری نظیر پر چوٹ کرنے سے باز نہ رہی مگر کہتے تو وہ بھی یہی ہیں۔

"اشعار بسیار دارد کہ بر زبانِ سوقیین جاری است و نظر بہ آن ابیات در اعداد شعرا نہ باید شُمرد۔ امّا بر رعایت اشعار منتخب قطع نظر کردہ شد۔"

نظیر کو شاعر تو میں: مانتا لیکن کیا کروں اشعار منتخب مجبور کرتے ہیں۔ نواب صدر یار جنگ مولانا

۵۸۔ یہ ارشد صاحب غالباً ارشد گورگانی دہلوی او رمتاخرین میں سے ہیں پھر بھی "گھر بہ گھر" محاورۃً عوام باندھتے ہیں۔

(سلیم جعفر)

حبیب الرحمان خاں صاحب شروانی فرماتے ہیں۔

"دو دیوان یعنی دیوان اوّل و دوم مروجہ اصول شاعری کے مطابق ہیں۔ ان میں غزلیات رباعیات، قطعات، مخمسات، سب کچھ ہے۔ زبان صاف ہے۔ حجم ۱۴۲ صفحہ۔ استعمال الفاظ میں وسعت ہے، مضامین منتخب بھی ہیں جنھوں نے نواب شیفتہ سے خراج تحسین حاصل کر ہی لیا" [صفحہ ۱۹ "ہندستانی" جنوری سنہ ۱۹۳۶ء]

ناظرین کے ہاتھوں میں جو کتاب دی جا رہی ہے اس کی نسبت مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ حتی الامکان ہر گوشے سے تمتع کی کوشش کرکے اس کی صحت کی سعی کی گئی ہے۔ جن چند اہم نسخوں سے استفادہ کیا گیا ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) کلیات مرتبہ مولوی سید محمد عبد الغفور صاحب شہباز سنہ ۱۹۰۰ء۔

(۲) کلیات مطبوعہ مطبع منشی نول کشور واقع کان پور سنہ ۱۸۸۳ء

ع نظیر پر جو اعتراض بالعموم وارد کئے جاتے ہیں سطور بالا میں اُن سے مفصل بحث کرکے دکھایا جا چکا کہ ان میں سے بیشتر کی بنیاد اٹھارہویں صدی کی لسانی کیفیت سے بے خبری ہے۔ اگر یہ اعتراض کوئی حقیقت رکھتے ہیں تو اس کے معاصرین پر بھی وہ اتنے ہی عائد ہوتے ہیں جتنے کہ اس پر، کیوں کہ وہ بھی ان سے نہیں بچ سکتے۔ بہ مقابلۂ دیگر اساتذہ، اس کی غزلیں بہت کم اعتراض کا موقع دیتی ہیں۔ اس کے مخمسوں اور مسدسوں میں سے وہی زیادہ تر ہدف طعن ہیں یا ہو سکتے ہیں جن کا منبہ دوب کے عقائد سے تعلق ہے یا جو دانستہ ہندی سے ملتے رنگ میں لکھے گئے ہیں مثلاً وہ مسدس جس کا پہلا مصرع ہے سہ کیا علم انھوں نے سیکھ لیا جو بن لکھے کو باچے ہیں۔ کلام نظیر کی تنقید کے وقت جن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے وہ یہ ہیں:۔ نوعیت کلام۔ شان نزول۔ اٹھارہویں صدی کی کیفیت لسانی۔ اگر یہ ملحوظ رہیں گی تو اس کے امکانات کم ہو جائیں گے۔ کہ تنقید کا قدم صراط مستقیم سے لغزش کرے۔

ع مسٹر جگدیش کمار ماتھر نے جب مجھے یہ کتاب دی تو ایک واقعہ کا بھی ذکر کیا جو انھیں پیش آیا تھا اور وہ حکایتہً درج ذیل ہے۔ مالک کتاب (موی معظم جناب ماتھر صاحب) کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی اور اُن کا جسد خاکی چتا کے شعلے اپنے آغوش میں لیے ہوئے اس سعی میں مصروف تھے کہ اس کے آثار مادی کو فنا کرکے چشم ظاہر بیں کے لیے کوئی سامان تسکین نہ چھوڑیں۔ بقیہ نوٹ صفحہ (س) پر

(۳) کلیات کتاب خانۂ نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمان خاں شروانی (صرف وہ حصہ جس کا کنھیاجی کے جنم وغیرہ سے تعلق ہے)

(۴) ایک قلمی کلیات مقبوضۂ جناب خان صاحب۔ اے۔ این۔ ڈیوڈ۔ بی۔ اے۔ سابق ہیڈ ماسٹر ہز بنڈ میموریل ہائی اسکول۔ اجمیر[۵]۔ یہ کلیات نظیر مطبوعہ منشی نول کشور پریس ۱۹۰۰ء کی نقل دو جلدوں میں بہ قلم جلی ہے۔

(۵) ہندوستانی انگلش ڈکشنری مولفہ ڈاکٹر۔ ایس۔ ڈبلیو فیلن[۵]۔ ۱۸۷۹ء۔ بہ ظاہر ان نسخوں میں کلیات مرتبۂ پروفیسر شہباز کو اہمیت حاصل ہے لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ ان کے مرتبہ کلیات اور کلیات مطبوعۂ منشی نول کشور ۱۹۲۲ء میں جو فرق ہے، اس کے بیشتر حصے کا پتا کلیات مطبوعۂ نول کشور ۱۸۸۳ء سے چلتا ہے۔ ڈاکٹر فیلن کی ڈکشنری بھی ایک حد تک اس پر روشنی ڈالتی ہے۔

اس مقدمے کے ابتدائی حصے میں بحث کی گئی ہے کہ نظیر درحقیقت دہلوی ہیں اکبر آبادی نہیں۔ اس لحاظ سے کتاب کا نام "گل زار نظیر دہلوی" ہونا چاہیے نہ کہ "گل زار نظیر اکبر آبادی"۔ لیکن "اکبر آبادی" ان کے نام کا اس قدر مدت سے جزو لاینفک چلا آتا ہے کہ اب اس کے بدلنے کے معنی ناظرین و سامعین کو اشتباہ میں ڈالنے کے ہیں، اس لیے یہی مناسب سمجھا گیا کہ اس غلطی کو رفع کرنے کی کوشش کو حدود بحث سے تجاوز نہ کرنے دیا جائے۔

سلیم جعفر

(بقیہ نوٹ صفحہ طن) اختر صاحب چتا کے سامنے کھڑے اپنے محبت کرنے والے کے نقوش کے مٹنے کا نظارۂ عبرت انگیز با چشم نم کر رہے تھے کہ انھیں محسوس ہوا کہ کسی نے جانب پشت کھڑے ہو کر یہ مصرع پست آواز میں پڑھا۔

آخر کے تئیں ہنس اکیلا ہی سدھارا

اس نے چونکا دیا۔ مڑ کر دیکھا کوئی پاس نہ تھا۔ غرق لجۂ حیرت تھے۔ گر متحمل ہو تو کیوں کر۔ بارہویں کے بعد رسوم معینہ سے فارغ ہو کر مرحوم کی کتابیں دیکھ رہے تھے۔ کلیات نظیر پہ نظر پڑی۔ پڑھنے کو جی چاہا۔ کھولتے ہیں تو وہی صفحہ کھلتا ہے جس پر یہ مصرع لکھا ہوا تھا۔ خیر یہ تو پتا لگ گیا کہ مصرع کس کا ہے لیکن یہ آج تک نہ معلوم ہوا کہ آواز کہاں سے آئی۔ مجبوراً دل کو یوں سمجھا لیا کہ مرحوم کلام نظیر کے دل دادہ تھے۔ ہر وقت زیر مطالعہ رہتا تھا۔ اس تیرہ خاک داں سے رخصت ہوتے ہوئے ان کی روح یہ درس عبرت دے گئی ہے تاکہ ان کا محبوب ترین عزیز دام علائق دنیا میں پھنس کر معاد سے غافل نہ ہو جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۵ K.S.A.N. David, B.A., late Headmaster, H.M. High School, Ajmer

۵ A New Hindustani - English Dictionary by Dr. S. W. Fallon

فہرست مضامین گلزار نظیر

حصہ ۱

مسدس اور مخمس (مختلف نظمیں)

میلے

کھیل تماشے

حُب وطن

نمبر شمار	عنوان	مصرع اوّل	صفحہ
	فطرت مدارجِ عمر		
۴۳	طفلی	کیا دن تھے یارو وہ بھی، تھے جب کہ بھولے بھالے	۸۳
۴۴	عشرت ایام طفلی	کیا وقت تھا وہ ہم تھے جب دودھ کے چٹورے	۸۴
۴۵	جوانی	کیا عیش کی رکھتی ہے سب آہنگ جوانی	۸۵
۴۶	بڑھاپا	کیا قہر ہے یارو جسے آجائے بڑھاپا	۸۷
۴۷	بڑھاپے کی تعلیاں	جو نوجواں ہیں اُن کے دل میں گمان کیا ہے	۹۵
۴۸	بڑھاپے کی عاشقی	قائم ہے جسم گو کہ نہیں کس غنیمت است	۹۷
۴۹	موت کا دھڑکا	دنیا کے بیچ یارو سب زیست کا مزا ہے	۹۹
	مختلف فصلیں اور اُن کے لوازم		
[illegible]	بہار	شب کو چمن میں واہ، واہ، کیا ہی بہار تھی مچی	۱۰۱
[illegible]	چاندنی	صحن چمن میں واہ، واہ، زور کھلی تھی چاندنی	۱۰۳
[illegible]	جھڑی	رات لگی تھی واہ، واہ، کیا ہی بہار کی جھڑی	۱۰۴
[illegible]	برسات اور پھسلن	برسات کا جہان میں لشکر پھسل پڑا	۱۰۶
[illegible]	برسات کا تماشا	اہل سخن کو ہو گا اک بات کا تماشا	۱۰۷
[illegible]	برسات کی بہاریں	ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں	۱۱۰
[illegible]	اومس	کیا ابر کی گرمی میں گھڑی پہر اومس	۱۱۷
[illegible]	اندھیری	لاتی ہے جب اپنا یہ شروعات اندھیری	۱۱۹
[illegible]	کورا برتن	کورے برتن ہیں کیا ہی گلشن کی	۱۲۱
[illegible]	آگرے کی ککڑی	پہونچے نہ اس کو ہرگز کابل درے کی ککڑی	۱۲۳

تصوّف

حکمت

عشق و محبّت

حکایات

حصہ ۲

در منعت واسع الشفتین

۲ - غزلیں

(جو صرف کلیات نظیر مطبوعۂ مطبع آلہی آگرہ میں ملتی ہیں اُن کے بعض شعر اور نسخوں میں بھی ہیں)

گُل زارِ نظیر

حصّہ ۱

نظمیں

مسدّس اور مخمس

(مختلف مضامین)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد

الٰہی تو فیاض ہی اور کریم الٰہی تو غفار ہی اور رحیم
مقدس معلیٰ منزہ عظیم نہ تیرا شریک اور نہ تیرا سہیم
تری ذات والا ہی یکتا قدیم

ترے حسن قدرت نے یا کردگار کیے ہیں جہاں میں وہ نقش و نگار
پہونچتی نہیں عقل انھیں ذرہ وار تحیر میں ہیں دیکھ کر بار بار
ہیں جتنے جہاں میں ذہین و فہیم

زمین پر سمٰوات گرداں کیے نجوم اُن میں کیا کیا درخشاں کیے
نباتات بے حد نمایاں کیے عیاں بحر سے دُرّ و مرجاں کیے
حجر سے جواہر بھی اور زرّ و سیم

شگفتہ کیے گل بہ فصل بہار عنادل بھی اور قمری و کبک سار
بر و برگ و نخل و شجر شاخ سار طراوت سے خوش بو سے ہنگام کار
رواں کی صبا ہر طرف اور نسیم

بیاں کب ہو خلقت کی انواع کا جو کچھ حصر ہووے تو جاوے کہا
خصوصاً بنی آدم خوش لقا شرف ان سبھوں میں انھیں کو دیا
یہ اسلام و ایمان و دینِ قدیم

عطا کی انھیں دولتِ معرفت عبادت، اطاعت نکو منزلت

حیا حسن و الفت ادب مصلحت
تمیز و سخن خُلقِ خوشس مکرمت
فراواں دیے اور ناز و نعیم

ترا شکرِ احساں ہو کس سے ادا
ہمیں مہر سے تو نے پیدا کیا
کیے اور الطاف بے انتہا
نظر اس سوا کیا کیے سر جھکا
یہ سب تیرے اِکرام ہیں یا کریم

منقبت جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تم شہ دنیا و دیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ
سر گروہِ مسلمیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ
حاکمِ دینِ متیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ
قبلۂ اہلِ یقیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ
رحمۃً للعالمیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

آسماں تم نے شبِ معراج کو روشن کیا
عرش و کرسی کو قدم اپنے سے دی نور و ضیا
رنگ و بوجنت کے گلشن کی بڑھائی بر ملا
جس جگہ وہم ملائک کو نہیں ملتی ہی جا
واں کے تم مسند نشیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

ہے تمھاری پشت پر مہرِ نبوت کا نشاں
اور تمھارا وصف ہی طٰہٰ و یٰسیں میں عیاں
معجزے جو ہیں تمھارے اُن کا کب ہووے بیاں
کشورِ اعجاز جو ہی اُس کے تم با عزّ و شاں
صاحبِ تاج و نگیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

تم کو ختم الانبیا حق بھی حبیب اپنا کہے
اور سدا روح الامیں آوے ادب سے وحی لے
کس نبی کو یہ مدارج ہیں تمھارے سوا
ہی نبوت کا جو اقدس بحر بس اُس بحر کے
گوہرِ یکتا تمھیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

ہیں جو یہ دونوں جہاں کی آفرینش کے چمن
جس میں کیا کیا کچھ عیاں ہیں صنعِ خالق کی صفن
باعثِ خلق ان کے ہو تم یا حبیبِ ذو المنن
اور اک مطلع پڑھوں میں یمن سے جس کے سخن
سو سعادت کے قریں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

مطلع ثانی

تم ظہورِ اوّلیں ہو یا محمد مصطفےٰ　　تم ہی خیر الآخریں ہو یا محمد مصطفےٰ

ہم دمِ جان آفریں ہو یا محمد مصطفےٰ　　وجہِ قرآنِ مبین ہو یا محمد مصطفےٰ

زینتِ بستانِ دیں ہو یا محمد مصطفےٰ

احمدِ مختار ہو تم یا شہ ہر دو سرا　　ہی تمھارے حکم کے تابع قدر بھی اور قضا

خلق میں خواہش سے تم جس امر کی رکھو بنا　　دیر اک پل درمیاں آئے نہیں ممکن ذرا

جس گھڑی چاہو وہیں ہو یا محمد مصطفےٰ

آپ کے نقشِ قدم سے جو مشرف ہو زمیں　　دیکھتا ہی اس کی رفعت رات دن عرشِ بریں

رازِ تو خلقت کے تم کو ہی کھلے ہیں شاہ دیں　　اور جو کچھ کہ ہیں اسرارِ رب العالمیں

سب کے تم برحق امیں ہو یا محمد مصطفےٰ

آپ کا فضل و کرم کونین میں مشہور ہے　　اور تمھیں ہر طور سے لطف و کرم منظور ہی

حشر میں گرچہ سزا ملنے کا بھی دستور ہی　　کیا ہوا لیکن دل اس اُمید سے مسرور ہی

تم شفیع المذنبیں ہو یا محمد مصطفےٰ

مخبرِ صادق ہو تم اور حضرتِ خیر الورا　　سرورِ ہر دو سرا اور شافع روز جزا

ہی تمھاری ذات والا منبعِ لطف و عطا　　کیا نظیرِ اک اور بھی سب کی مدد کا آسرا

یاں بھی تم واں بھی تمھیں ہو یا محمد مصطفےٰ

کلمۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

رکھو اپنے دل میں اے آدم کے بن کلمہ محمدؐ کا　　اور اپنی انگلیوں اوپر بھی گن کلمہ محمدؐ کا

عہ کلیاتِ شہباز میں دوسرا مصرع نہیں ہے اس میں بند کی ترتیب میں پہلے چار مصرع وہ ہیں جو اس بند کے پہلے، تیسرے، چوتھے، اور پانچویں مصرع ہیں اور پانچواں مصرع وہ ہے جو یہاں بہ طور نسخے کے درج کیا گیا ہے۔

لہ زینتِ خلد بریں ہو یا محمد مصطفےٰ

پڑھے ہیں سب پری اور دیو جن کلمہ محمدؐ کا
مسلماں ہے تو مت بھول ایک چھن کلمہ محمدؐ کا
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

#میاں یہ کلمہ طیب تو شفیع المذنبیں کا ہے
خدا کے دوست برحق رحمۃ للعالمیں کا ہے
محمد مصطفٰے یعنی کہ ختم المرسلیں کا ہے
بھروسا آسرا تکیہ بھی یہ دنیا و دیں کا ہے
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کلمے سے کھلتا ہے سدا جنت کا ہر اک در
یہی کلمہ لکھا ہے عرش اور کرسی کے ماتھے پر
اسی کلمے کو پڑھتے ہیں چمن کے پھول سب کھل کر
یہ سب کلموں سے بہتر ہے یہ سب کلموں سے ہے برتر
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کے نور سے خورشید کہلاتا ہے نورانی
اسی کلمے کے باعث چاند کی روشن ہے پیشانی
اسی کلمے کے باعث دین و دنیا میں ثنا خوانی
اسی کلمے کو پڑھتے ہیں فلک ارض دیو ن پانی
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کلمے سے لے[(۱)] دل ہیں زمین و آسماں روشن
مہ و خورشید تارے عرش و کرسی لامکاں روشن
اسی کلمے سے ہیں جنت کے باغ اور باغباں روشن
غرض جنت تو کیا اس سے تو ہیں دونوں جہاں روشن
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

یہ وہ کلمہ ہے جس کا ہے رہا ارمان نبیوں کو
اسی کلمے کے پڑھنے سے گئے ہیں لوگ عارف ہو
اسے حور و ملک غلماں پڑھے ہیں ہر سحر منہ دھو
وہ بے شک جنتی ہیں ایک باری جو پڑھیں اس کو
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کلمے کی برکت سے تو یاں بھی اب سلامت ہے
اگر یاں سے تو جاوے گا تو پھر واں بھی سلامت ہے
پڑھے گا جو اسے اس کا دل و جاں بھی سلامت ہے
اسی کی عاقبت بھی خیر و ایماں بھی سلامت ہے
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

جس بند یا عبارت پر اس طرح کا نشان ہو وہ کلیات نظیر مرتبہ مولوی سید عبد الغفور شہباز سے منقول ہے۔

(۱) ۔ ہیں اے دل ۔

چلے گا چھوڑ کر تو جب گھڑی یہ عالم فانی　　پڑے گا قبر کے جا کر اندھیرے میں ہو زندانی
نکیر و منکر آ کر جب کریں گے تجھ پہ طغیانی　　یہی کلمہ کرے گا واں تری مشکل کی آسانی

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کلمے نے عزرائیل کی ہیبت کو ٹالا ہے　　اسی کلمے نے تنگی کو لحد کی کھول ڈالا ہے
پڑے گا قبر کا تجھ پر میاں وہ دن جو کالا ہے　　یہی کلمہ ترا واں بھی اندھیرے کا اُجالا ہے

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

صف محشر میں جب وحشت کا تجھ پر وار اُترے گا　　یہی کلمہ ترا اُس جا رفیق اور یار اُترے گا
گناہوں کا ترا جتنا ہے بوجھ اور بھار اُترے گا　　اسی کلمے کی دولت سے میاں تو پار اُترے گا

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

میاں جب پل صراط اوپر تو اپنا پیر ڈالے گا　　تو وہ تلوار کی ہو دھار تیرا پانو کھالے گا
لگے گا جب تو واں[1] گرنے تو یہ کلمہ بچالے گا　　یہی بازو پکڑے گا یہی تجھ کو سنبھالے گا

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

سوا نیزے کے اُوپر جب کہ ہو گا آفتاب آیا　　ہر اک گرمی کی تابش سے پھرے گا سخت گھبرایا
پڑے گا جب ترے تن پر بھی شعلہ اُس کا گرمایا　　یہی کلمہ چھتر بن کر کرے گا تجھ پہ واں سایا

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

تلیں گے جب وہاں سب کے عمل میزاں کے پلّے پر　　جو لکھے ہیں پڑیں گے آتشیں گرز اُن کے کلّے پر
تجھے تولیں گے جس دم اُس ترازو کے محلّے پر　　یہی کلمہ میاں واں بھی ترے ہووے گا پلّے پر

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

جو پورے ہیں میاں اُن کی تو ہو گی گرم بازاری　　کمی ہے جنس جن کی اُن کی واں ہو گی بڑی خواری
ترا پلّا بھی جب کرنے لگا واں جا سبک ساری　　یہی کلمہ بنا دے گا ترے پلّے کو واں بھاری

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

پڑے گا العطش[2] کا شور اُس میداں میں جب آ کر　　پھریں گے پانی پانی کرتے مارے پیاس کے اکثر

---

[1] وہاں ۔ [2] تشنگی ۔

ترے بھی جب لگیں گے سوکھنے تالو زباں یک سر — یہی کلمہ تجھے پانی پلاوے گا میاں بھر بھر

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

یہی کلمہ تجھے دیدار حق کا بھی دکھاوے گا — محمدؐ کی شفاعت سے بھی تجھ کو بخشواوے گا

بہشتی کر کے حلّہ نور کا تجھ کو پنھاوے گا — بڑی عزت بڑی حرمت سے جنت میں لے جاوے گا

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

یہی کلمہ تجھے واں جام کوثر کا پلاوے گا — یہی کلمہ تجھے گلزار جنت کے دکھاوے گا

یہی کلمہ ترا منہ چاند سا روشن بناوے گا — یہی کلمہ ترے ہر وقت واں[ز۱] پر کام آوے گا

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

یہی کلمہ نجات اور مغفرت کا ہے تری چارا — اسی کلمے سے تیری روح[ز۲] ہوگی عرش کا تارا

اسی کلمے سے ہم تم[ز۳] سب گنہگاروں کا چھٹکارا — اسی کلمے سے ہوگا دین اور دنیا میں نستارا

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

میاں اب جو یہ[ز۴] کلمہ ہے یہ حق کی خاص رحمت ہے — یہ صدقے سے رسول اللہ کی ہم پر عنایت ہے

اسی سے یاں نظیر عزت اسی سے واں شفاعت ہے — یہی سب مومنوں کے واسطے افضل عبادت ہے

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

معجزہ حضرت علی علیہ السلام

سنتے ہو اے علی کے محبان دوست دار — اک معجزہ میں کہتا[ز۵] ہوں اس شہ کا آشکار

ہے تازہ واردات یہ از نقل روزگار — تھا کوئی شخص دولت و حشمت میں نام دار

اک روز وہ گیا تھا کہیں کھیلنے شکار

جس دشت میں شکار کو گزرا تھا وہ غنی — واں ایک شیر رہتا تھا اور اس کی شیرنی

تھا ایک چشمہ پانی کا اور سبز تھی بنی — اور[ز۶] بچے اس بنی میں تھی وہ شیرنی جنی

دس بیس روز کے تھے ابھی طفل شیر خوار

ز۱ - پر واں - ز۲ - ہوگی روح تیری - ز۳ - ہے ہم سب - ز۴ - یہ جو کلمہ - ز۵ - لکھتا - ز۶ - دو -

بچوں کو اپنی چھاتی پہ رکھے وہ بے زباں — دونوں کو بیٹھی دودھ پلاتی تھی شادماں

بندوق کی جو آئی صدا اس میں ناگہاں — نر مادہ دونوں بھاگ گئے ہو کے نیم جاں

بچے اکیلے رہ گئے جنگل میں بے قرار

القصہ جب شکار سے فارغ ہوا وہ شاہ — ناگاہ دونوں بچوں پہ اُس کی پڑی نگاہ

رکھوا کے ان کو اونٹ پہ جلدی سے خواہ مخواہ — لی اُس شکار گاہ سے پھر اپنے گھر کی راہ

محلوں میں اپنے آن کے اُس نے لیا قرار

جب آئے شیر و شیرنی باحالتِ تباہ — اور دونوں بچے گھر میں نہ آئے اُنھیں نگاہ

وہ شیر کھا کے غش گرا اک بار کر کے آہ — اور شیرنی نے لی نجفِ اشرف کی وہیں راہ

سر پیٹتی چلی وہ بیاباں سے سوگوار

القصہ کتنے روز میں وہ شیرنی غریب — بھوکی پیاسی پھیرتی ہونٹوں پہ خشک جیب

شوہر سے چھوٹی اور ہوئی بچوں سے بے نصیب — آپہنچی یک بہ یک نجفِ اشرف کے تئیں قریب

بچوں سے اپنے سر پہ اُڑاتی ہوئی غبار

بازار میں نجف کے جب آئی وہ نیم جاں — ہر اِک دکاں سے واں کی اُٹھا شور اور فغاں

کوئی پکارا دوڑیو کوئی پکارا ہاں — ہیبت سے اُس کی چھپنے لگے پیر اور جواں

چاروں طرف سے دھوم مچی آ کے ایک بار

وہ تو کسی طرف کو نہ گھُرکی بتاتی تھی — نے مُنہ کو موڑتی (۱) تھی نہ پنجہ اُٹھاتی تھی

آنکھوں سے اُس ہجوم میں آنسو بہاتی تھی — شاہِ نجف کے روضے پہ فریادی جاتی تھی

لوگ اس پر اپنے خوف سے کہتے تھے مار مار

جس دم وہ پہنچی حیدرِ صفدر کے در تلک — دربان اُس کے خوف سے یک سر گئے سرک

داخل ہوئی وہ روضۂ انور میں یک بہ یک — رونے لگی وہ سامنے سر کو ٹپک ٹپک

آنسو کی دونوں آنکھوں سے بہنے لگیں قطار

آنکھوں سے اُس کے آنسو کی ندی جو بہتی تھی — بچوں کا داغ اپنے کلیجے پہ سہتی تھی

---

(۱) پھیرتی - [یہ اصل میں یوں ہے مگر "پنجوں" صحیح ہوگا۔]

کچھ منہ سے شور کرتی تھی کچھ دیکھ رہتی تھی — گویا وہ شہ سے اپنی زباں میں یہ کہتی تھی
بچے مرے دلائیے یا شیر کردگار

روتی تھی یوں وہ شیرنی آنسو بہا بہا — مظلوم جیسے روے ہے عادل کے پاس آ
اور کچھ زباں سے اپنی سناتی تھی بغبغا — نکلے تھی آغا آغا کی منہ اُس کے سے صدا
کہہ آقا آقا(۱) درد سے روتی تھی زار زار

فریادی بن کے ساقی کوثر کے سامنے — محتاج بن کے صاحب قنبر کے سامنے
یوں دیکھتی تھی روضۂ انور کے سامنے — مظلوم جیسے آن کے داور کے سامنے
کرتا ہے اُس کے حکم کا رہ رہ کے انتظار

لوگوں کے دل سے جب تو ہوا خوف اِس کا کم — سب اس کے پاس آن کے دیکھیں تھے اس کا غم
ہر آن اپنے سر کو ٹپک کر کے چشم نم — پنجوں کو اس طرح وہ اُٹھاتی تھی دم بدم
فریادی داد مانگے ہے جوں ہاتھ کو پسار

فریاد وہ تو مانگے تھی آقا(۲) سے جھوم جھوم — یعنی فلک نے مجھ کو دکھایا یہ روز شوم
اس بات سے تمام نجف میں پڑی یہ دھوم — گرد اُس کے مرد و زن کا ہوا آن کے ہجوم
حیرت میں تھے تمام چہ ناداں چہ ہوشیار

کوئی پانی اُس کے واسطے کوئی کھانا لاتا تھا — لیکن اُسے تو رونے سوا کچھ نہ بھاتا تھا
بچوں کا داغ ہوش سب اُس کے اڑاتا تھا — جو اُس کو دیکھتا تھا اُسے رونا آتا تھا
ایسی طرح سے سر کو پٹکتی تھی بار بار

جب تین دن وہ شیرنی بھوکی پڑی رہی — ناچار اُن شریفوں نے دیکھ اُس کی بے کلی
جس طرح واں قدیم سے کہنے کی راہ تھی — اُس طرح سے جناب مقدس میں عرض کی
با سینۂ الم کش و با چشم اشک بار

آئی ندا یہ شیرنی دیتی دہائی ہے — اِک شخص کے یہ ظلم و ستم کی ستائی ہے
بچوں نے اس کے قید کی آفت جو پائی ہے — سو اب ہمارے روضے پہ فریادی آئی ہے

(۱) - آغا آغا - (۲) - آغا -

کل اس کا بھید ہووے گا تم سب پہ آشکار

یاں تو شریف کو یہ عنایت ہوا جواب
واں جا پلنگ اُلٹ دیا اس کا بعین خواب

فرمایا وہ جو شیر کے بچّے ہیں دل کباب
بھجوا دے اُن کو شہر نجف میں تو کل شتاب

ورنہ تو اس گنہ سے بہت ہوگا شرم سار

ماں اُن کی اُن کے واسطے آنسو بہاتی ہے
اور تین دن ہوئے ہیں نہ پیتی نہ کھاتی ہے

فریادی ہو کے روتی ہے اور غل مچاتی ہے
غش ہو ہمارے روضے میں جی کو کھپاتی ہے

جلدی سے ان کو بھیج دے کر اونٹ پر سوار

وہ تھرتھرا کے کانپ اُٹھا ہو کے عذر خواہ
جانا یہ اُس نے یہ ہیں شہنشاہِ دیں پناہ

بولا نجف تو پندرہ دن کی ہے یاں سے راہ
بھجوا دوں کس طرح سے انھیں کل میں پُر گناہ

اتنا تو اِس غلام میں کب ہے گا اختیار

تب حکم یہ ہوا اُسے جس وقت ہو سحر
جلدی سے دونوں بچّوں کو رکھوا کے اونٹ پر

بھجوا دے اپنے شہر کی آبادی سے اُدھر
جب پہونچیں گے یہ شہر کے دروازے کے اوپر

واں پیدا ہوگا غیب سے اک ناقہ[1] سوار

ہوتے ہی صبح اس نے منگا کر وہ دو بچے
رکھوا کے ایک اونٹ پہ جلدی رواں کئے

جب لوگ آئے شہر کے دروازے کے کنے
کیا دیکھیں ایک شخص کو واں[2] آدھی رات سے

ہے منتظر وہ اونٹ کی پکڑے ہوئے مہار

جاتے ہی دونوں بچّے انھوں نے اُسے دیئے
با احتیاط سونپ کے پھر شہر کو پھرے

وہ ان بچوں کو لے کے چلا اس شتاب سے
آ پہونچا اُس مکان میں اک پہر دن چڑھے

یک بار اس کا شہر نجف میں ہوا گذار

بچّوں کے آنے آنے کے جب غل ہوئے کڑوڑ
وہ شیرنی بھی تکنے لگی اپنے منہ کو موڑ

جب لا کے اُس کے سامنے بچّے دیئے وہ چھوڑ
یوں خوش ہو چاٹنے لگی الفت سے وہ جھنجھوڑ[3]

انسان جیسے کرتا ہے بچّوں کو اپنے پیار

---

[1] اک آکے ناقہ دار۔ [2] گویا۔ [3] کی کرے۔

بچّے بھی دوڑ ماں کے گلے سے لپٹ گئے | یوں جیسے کوئی دور کا بچھڑا ہوا ملے
چھاتی پہ لوٹ لوٹ کے جا دودھ سے لگے | اُس شیرنی کے جیسے کلیجے میں داغ تھے
ویسے ہی اس کے منہ پہ خوشی کی ہوئی بہار

جب اُس نے بچّے پائے تو ہوکر وہ شادماں | بچّوں سمیت اُٹھ کے وہ حیوانِ بے زباں
روضے کے سات بار تصدق ہوئی وہاں | پھر آستانہ چوم ہوئی واں سے وہ رواں
جا پہونچی اپنے دشت میں خوش ہوکے ایک[1] بار

شبیرِ خدا کے عدل کی یہ دیکھ رسم و راہ | خلقت تمام واں کی پکاری یہ واہ واہ
انصاف ایسا چاہیے اے شاہِ دیں پناہ | حامی و منصف اور نہیں کوئی تم سا شاہ
ہے ختم تم پہ عدل و حمایت کا کاروبار

حیواں تمہارے لطف سے جس وقت ہوویں شاد | انسان پھر یہاں[2] سے پھریں کیوں کے نامراد
جیسے تمہارے در سے ملی شیرنی کو[3] داد | احسان ایسے ایسے بہت اے کرم نہاد
ہیں گے تمہارے صفحۂ عالم میں یادگار

اے شاہ یہ نظیر تمہارا غلام ہے | رکھتا سوا تمہارے کسی سے نہ کام ہے
عاصی ہے پُر گناہ ہے اور ناتمام ہے | دن رات اُس کا آپ سے اب یہ کلام ہے
رکھ لیجو میری آبرو یا شیر کردگار

منقبتِ حضرت علی علیہ السّلام

علی کی یاد میں رہنا عبادت اِس کو کہتے ہیں | علی کا وصف کچھ کہنا سعادت اس کو کہتے ہیں
علی کی مدح کا پڑھنا کرامت اِس کو کہتے ہیں | علی کے نام کا لینا حلاوت اس کو کہتے ہیں
علی کی حُب میں مرجانا شہادت اس کو کہتے ہیں

اُسی کو سر جھکا سجدہ کیا خورشید انور نے | اُسی کو لافتیٰ ہر دم کہا اللہ اکبر نے
اُسی کو لحمک لحمی کہا جانِ پیمبر نے | اُسی کو دم کی دمی کہا اُس شاہ برتر نے

---

(۱) خوش ہوا تی بار بار ۔ نسخہ (۲) اس مکان سے رہیں ۔ نسخہ (۲) کی ۔

خدا و مصطفےٰ سے ہم قرابت اس کو کہتے ہیں

کیا مولا سے میرے گر کسی نے اک سوال آکر — جو مانگا اک شتر اُس کو دلائے سیکڑوں اُشتر
اگر کچھ زر کی خواہش کی تو بخشے اس قدر گوہر — کہ اس کا گھر بھرا اور اُس کے ہمسایوں کا گھر باہر

کرم و اہلِ ہمت میں سخاوت اِس کو سب کہتے ہیں

امیر المومنیں گردشت میں پڑھنے نماز آوے — وہیں قامت کے کہنے کے لیے جبریل آجاوے
صفیں حور و ملک غلمان و جن و انس کی لاوے — مرا مولا ہر اک سجدے میں وصلِ حق ہی دکھلاوے

نبوت کے جو مالک ہیں امامت اِس کو کہتے ہیں

اسی نے ایک حملے سے گرایا بابِ خیبر کا — کروڑوں کافروں سے جا لڑا وہ اک تنِ تنہا
چہ بیر العلم میں کوہ کے دیوؤں کو جا مارا — ہزاروں پہلوانوں سے کبھی اپنا نہ منہ موڑا

بہادر بے بدل یکتا شجاعت اِس کو کہتے ہیں

کہا اس شاہ نے روزِ قیامت میں جو آؤں گا — وہاں عرصات میں اپنے محبوں کو جو پاؤں گا
کھڑا ہو عرش کے آگے سبھوں کو بخشواؤں گا — پلا کر جام کوثر سب کو جنت پہونچاؤں گا

علی کے دوستوں سن لو شفاعت اِس کو کہتے ہیں

نظیر آوے وہ دن جو شاہ کو سب دوستاں دیکھیں — تو پھر جنہیں کے صدقے سے اُن کو ہم بھی واں دیکھیں
اور اب دنیا میں آنکھوں سے نجف کا آستاں دیکھیں — سروں پر اپنے وہ دامانِ عالی سائباں دیکھیں

قسم ایمان کی ہم عین راحت اِس کو کہتے ہیں

منقبت امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ

نورِ ظہورِ خالقِ اکبر کو کیا لکھوں — روح و روانِ جسم پیمبر کو کیا لکھوں
دریاے معرفت کے شناور کو کیا لکھوں — دونوں جہان کے گوہرِ انور کو کیا لکھوں

حیرت میں ہوں کہ حیدرِ صفدر کو کیا لکھوں

گر نور اُس کا دیکھ کہوں شمس اور قمر — وہ اُس کا ذرہ نور کا وہ اُس کا فیض بر
تارے تو جوں ستارے ہیں اُس نقشِ پا اُپر — اور قطب بھی تو اُس سے ہی قائم ہے بے خطر

حیرت میں ہوں کہ حیدرِ صفدر کو کیا لکھوں

گر فی المثل میں اس کو کہوں روضۂ جناں
جھکتی ہیں بارِ عجز سے جنت کی ڈالیاں
اور جو بھلا میں خوبیٔ رضواں سے دوں نشاں
سو وہ بھی اُس کے باغ کا ادنیٰ ہے باغباں

حیرت میں ہوں کہ حیدرِ صفدر کو کیا لکھوں

اور جو کہوں کہ چشمۂ آبِ حیات ہے
یا خضر ہے تو یہ کوئی کہنے کی بات ہے
اُس کے عرق سے جسم کے یہ قطر جات ہے
اور اُس کی اُس کے فضل سے یارو نجات ہے

حیرت میں ہوں کہ حیدرِ صفدر کو کیا لکھوں

اس شاہ کے اگر لب و دندان کی صفا
کہوے کوئی کہ لعل و گہر ہیں یہ بے بہا
سو وہ تو صدقے ہو کے رہا خاک میں گڑا
اور یہ بھی ہو نثار سدا آب میں رہا

حیرت میں ہوں کہ حیدرِ صفدر کو کیا لکھوں

شاہا تری جو مدح بناتا ہے اب نظیرؔ
تیرے سوا کسی کا کہاتا ہے کب نظیرؔ
لیکن قلم کو ہاتھ لگاتا ہے جب نظیرؔ
صلوات پڑھ کے یہ ہی سُناتا ہے تب نظیرؔ

حیرت میں ہوں کہ حیدرِ صفدر کو کیا لکھوں

منقبت در شانِ امیر المومنین حضرت علیؑ

کروں کیا وصف میں[۱] اُن کا الم ناک
کہ جن کی شان میں آیا ہے لولاک
پھرا جو عرش اور کرسی پہ چالاک
کہاں وہ اور کہاں میرا یہ ادراک

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

محمد رحمۃٌ للعالمیں ہے
حبیبِ حق شفیعِ المذنبیں ہے
رسولِ پاک ختم المرسلیں ہے
کوئی ایسا خدائی میں نہیں ہے

لگا تحت الثریٰ سے تا بہ افلاک

محمدؐ اور علیؑ یاقوت احمر
دُرِ بحرِ خدا خاتونِ اطہر

۱۔ اُن کا میں۔ ۲۔ المومنین

زمرد لعل ہیں شبیر و شبر — جواہر خانۂ قدرت کے اندر
یہی پانچوں گہر ہیں پنج تن پاک

انھیں کے واسطے خلدِ عدن ہے — انھیں کے واسطے نہر لبن ہے
جنھیں ان کی محبت کا چلن ہے — بہشتی حلّہ اور اُن کا بدن ہے
سدا شیر بہشت اور سایۂ پاک

جسے ان کی محبت پل بہ پل ہے — اُسی کو دین اور دنیا کا پھل ہے
جو کوئی ان کی الفت میں دغل ہے — تو اُس مرتد کی یارو یہ مثل ہے
کہ جیسے لیوے طوبیٰ بیچ کر ڈھاک

علی جوش سوار لافتا ہے — امیر المومنیں شیر خدا ہے
فلک ہیبت سے اس کی کانپتا ہے — علیؑ جو صف در روز وغا ہے
کہ جس کی شرق سے ہے غرب تک دھاک

علیؑ ہے قاتلِ کفارِ گم راہ — علیؑ کا حکم ہے ماہی سے تا ماہ
نبیؐ کا قوت بازو ید اللہ — اٹھا دے چرخ کی گردش تو واللہ
ابھی تھم جائے دم میں چرخ کا چاک

علیؑ نے مہد میں چیرا ہے اژدر — علیؑ نے کاٹ ڈالے عمرو و عنتر
الٹ ڈالا ہے اک حملے سے خیبر — خواص اشیا کا پھیرے گروہ سرور
تو ہو تریاک زہر اور زہر تریاک

علیؑ کو مصطفیٰ نے جی کہا ہے — علیؑ کو جسمک جسمی کہا ہے
علیؑ کو لحمک لحمی کہا ہے — علیؑ کو روحک روحی کہا ہے
یہ سمجھے وہ خدا دے جس کو ادراک

علیؑ کو خاص نسبت ہے نبیؐ سے — نبیؐ کو راہ دل میں ہے علیؑ سے
وہ دونوں ایک تن اور ایک جی ہے — کسی کو تاب کیا غیر از علیؑ سے
جو پہنے مصطفیٰ کے تن کی پوشاک

علی کو جو کوئی پہچانتا ہے — برابر مصطفےٰ کے مانتا ہے
جو ان میں کچھ تفاوت جانتا ہے — وہ اپنے خاک سر پر چھانتا ہے
لگائی اُس نے دوزخ کی کمر تاک

علی کی دوستی میں جو مرے گا — اُسی کو باغ جنت کا ملے گا
علی کے بغض میں جو جان دے گا — وہ ملعون دوزخ اندریوں جلے گا
کہ جیسے آگ پر جلتا ہے خاشاک

جسے وصفِ علی کچھ سالتا ہے — اُسی کو دوزخ آخر ڈھالتا ہے
جو اُن کا بغض دل میں پالتا ہے — گویا بھر بھر کے ڈلیاں ڈالتا ہے
وہ اپنے دین اور ایمان میں خاک

جو رکھے دشمنی حیدر سے یک مو — وہ بے شک ہے سیہ دل اور سیہ رو
جو لے کسبکی سے نام مرتضےٰ کو — نہ جاوے اُس شقی کے مُنہ سے بدبو
کرے گر شاخ سے طوبےٰ کی مسواک

پڑھوں جس دم مناقب میں علی کا — پھٹے سینہ مخالف خارجی کا
حواس اُڑ جائے ہر اک ناصبی کا — دھڑک جاوے کلیجا مدعی کا
عدو کا دم میں ہو جائے جگر چاک

رہوں یاں جب تلک رکھ میری عزت — مروں تو کچھ نہ ہو مجھ کو اذیت
پھر آوے جس گھڑی روز قیامت — نظیر اپنے کی واں بھی رکھیو عزت
خداوندا بہ حقِ پنج تن پاک

معجزہ حضرت عباس بن علی کرم اللہ وجہہ

جو محب ہیں خاندانِ مصطفےٰ کے دوست دار — اور علی مرتضےٰ پر جان و دل سے ہیں نثار
سب سنیں دل شاد ہو یہ ماجرا تفصیل وار — ہیں جو عباسِ علی کرّار غازی نامدار
اُن کا میں اک معجزہ لکھتا ہوں باعزہ وقار

آرکاٹ اک شہر ہے واں ایک ساہوکار تھا
جتنے واں زردار تھے اُن سب میں وہ سردار تھا
مال و زر کا گھر میں اس کے جا بہ جا انبار تھا
اُس کے اک بیٹا سعادت مند برخوردار تھا
گل بدن گل پیرہن گل رنگ گل رو گل عذار

دوسرا اُس کے کوئی بیٹی نہ بیٹا تھا مگر
ایک بیٹا تھا وہی سرور واں رشکِ قمر
تھا پنھاتا اُس کو پوشاک اور جواہر سربسر
بس کہ اکلوتا جو تھا اس واسطے اُس کے اُپر
باپ بھی جی سے فدا اور ماں بھی دل سے تھی نثار

اُن دنوں میں تھا برس تیرہ کا اُس کا سنّ وسال
جب نظر آیا اُسے ماہِ محرم کا ہلال
تعزیہ خانوں میں جاتا چھپ کے وہ رعنا غزال
مرثیوں میں سُن کے شاہِ کربلا کے غم کا حال
کوٹتا سینے کو اور ماتم سے روتا زار زار

تعزیے کے سامنے ہو کے مؤدب سر جھکا
مورچھل رو رو ضریح پاک پر جھلتا کھڑا
جب علم اُٹھتے تو پھر لڑکوں کے ساتھ آنسو بہا
یاحسین ابن علی کہہ کر علم لیتا اُٹھا
لوگ دیکھ اُس کی محبت ہوتے تھے حیران کار

شام سے آکر وہ قندیلیں جلاتا دم بہ دم
قمقمے اور جھاڑ پر شمعیں چڑھاتا دم بہ دم
عود سوزوں میں اگر لا کر گراتا دم بہ دم
اہل مجلس کے تئیں شربت پلاتا دم بہ دم
سب وہ کرتا تھا غرض جتنا تھا واں کا کاروبار

لیکن اُس کے باپ کو ہرگز خبر اب تک نہ تھی
جب سُنا اُس نے تو بیٹے پر بہت تاکید کی
جھڑکا اور مارے طمانچے خوب سی تنبیہ کی
اور کہا اے بے حیا بدبخت موذی مدّعی
ذات سے کیا تو نکالے گا مجھے اے نابکار

اُس کے دل میں تو شہیدِ کربلا کا جوش تھا
تعزیے پر دھیان تھا اور مرثیہ پر گوش تھا
باپ تو کرتا نصیحت اور وہ خاموش تھا
نے طمانچوں کا اُسے نے جھڑکیوں کا ہوش تھا
اُٹھ گیا تھا اُس کے دل سے صاف سب کا ننگ و عار

باپ نے تو دن میں یُوں پر کیا رنج و عتاب
رات کو پھر تعزیہ خانوں میں جا پہونچتا شتاب

پھر پکڑ لایا اُسے جا کر بہ صد حالِ خراب — الغرض سو سو طرح اس پر کئے رنج و عتاب (۱)
اُس نے پر جانا نہ چھوڑا اس مکاں کا زینہار

اپنا بے گانہ اُسے جا کر بہت سمجھاتا تھا — پر کسی کا کب کہا خاطر میں اُس کی آتا تھا
رونا اور ماتم ہی کرنا اُس کے دل کو بھاتا تھا — تعزیہ خانے کی جانب یوں وہ دوڑا جاتا تھا
جس طرح عاشق کسی معشوق کا ہو بے قرار

جب تو سب بے تنگ ہو یہ مصلحت ٹھانی بہم — جس سے کرتا ہے یہ ماتم اور اٹھاتا ہے علم
کیوں نہ اب اِس دم وہی ہاتھ اس کا کر ڈالو قلم — کہ کے یہ آخر کو سب نے ہے قیامت، ہے ستم،
کاٹ ڈالا ہاتھ جلد اُس بے گنہ کا ایک بار

الغرض کر ہاتھ اُس مظلوم کا تن سے جدا — کوٹھری میں بند کر کے اور قفل اوپر جڑا
نے اُسے کھانا کھلایا نے اُسے پانی دیا — شام تک بھوکا پیاسا کوٹھری میں تھا پڑا
دیکھ اپنے ہاتھ کو روتا تھا دھاڑیں مار مار

وہ اندھیری کوٹھری وہ بھوک پانی کی پیاس — ہاتھ سے لوہو کی بوندیں بھی ٹپکتیں آس پاس
کس مصیبت میں پڑا وہ گل بدن زریں لباس — ہاتھ زخمی خون جاری دل پریشاں جی اُداس
کس سے مانگے داد اور کس کو پکارے بار بار

وہ تو اپنی بے کسی کے درد میں روتا تھا واں — اس میں کیا ہے دیکھتا اُس کوٹھری کے درمیاں
ہو گیا اک بارگی نورِ تجلیٰ کا نشاں — اس تجلی میں نظر آیا اُسے اک نوجواں
کاندھے کے اوپر عَلَم پہلو میں تیغِ آب دار

داستانہ ہاتھ میں اور پشت کے اوپر سپر — تن میں اک سیمیں زرہ اور خُود زریں فرق پر
دائیں کو تیر و کماں بائیں کو شمشیر و تبر — جس طرح ابرِ سیہ میں برق ہووے جلوہ گر
اِس طرح اُس کوٹھری میں آ گیا وہ شہ سوار

اُس نے جب اِس نوجواں کے نور کی دیکھی جھلک — تھا مجسم وہ تو حق کا نور سر سے پانوں تک
دیکھتے ہی اس کا ہیبت سے گیا سینہ دھڑک — مُند گئیں آنکھیں وہیں اور کھا گئیں پلکیں جھپک

---

(۱) - عذاب

ہو گیا بے ہوش وہ مجبور زخمی دل فگار

تاب کس کی ہے جو اُس چہرے کے آگے تاب لائے ۔۔۔ ماہ کیا گر شمس بھی دیکھے تو اپنا سر جھکائے

ایسے طالع ایسی قسمت یہ نصیبا کوئی پائے ۔۔۔ ایسا شہزادہ مقدس جس کے گھر تشریف لائے

آدمی کیا ہے فرشتوں کا نہیں عزّ و وقار

وہ تو وہ نور تجلی دیکھ بے خود تھا پڑا ۔۔۔ اس عنایت اس کرم کا کچھ بھی یارا نہ تھا

آپ گھوڑے سے اُتر کے نور چشم لافتا ۔۔۔ اُس بریدہ دست کو اس کے دیا تن سے ملا

اور کہا اُٹھ جلد اے آلِ نبی کے دوستدار

وہ جو آنکھیں کھول کر دیکھے عجب انوار ہے ۔۔۔ روشنی سے جس کی روشن سب در و دیوار ہے

ہاتھ کو دیکھا تو خاصا ہاتھ بھی ہموار ہے ۔۔۔ نہ تو اُس میں درد ہے نہ خون کا آثار ہے

رہ گیا اک بارگی حیرت میں وہ مظلوم زار

پھر جو اس لڑکے کو اس میں ہوش سا کچھ آگیا ۔۔۔ ہو تصدق اور وُہیں پاؤں کے اوپر گر پڑا

اور کہا در ہو مرا تو ہاتھ تن سے تھا جدا ۔۔۔ یہ تمہیں سے ہو سکا جو پھر دیا تن سے ملا

سچ بتاؤ کون ہو تم اے امیرِ نامدار

باپ نے تو میرے مجھ پر یہ ستم برپا کیا ۔۔۔ ہاتھ کاٹا قید کی اور سنو تعدّی و جفا

مجھ سے بے کس پر جو تم نے کی یہ کچھ لطف و عطا ۔۔۔ اب خدا کے واسطے جلدی سے اے بحرِ سخا

اپنا کچھ نام و نشاں مجھ سے کہو تفصیل وار

جب کہا حضرت نے ہم بھی آدمی ہیں اے عزیز ۔۔۔ بندۂ درگاہِ رب العالمیں ہیں اے عزیز

خاکسار و عاجز و اندوہ گیں ہیں اے عزیز ۔۔۔ جن کا تو کرتا ہے ماتم وہ ہمیں ہیں اے عزیز

آفریں صد آفریں اے پاک مومن دیندار

یہ ہمارا ہے نشاں اے پاک طینت متقی ۔۔۔ نام کو پوچھے تو ہے گا نام عباسِ علی

کربلا کے دشت میں دولت شہادت کی ملی ۔۔۔ جو ہمیں چاہے ہمارا بھی اُسے چاہے ہے جی

جو ہمارا غم کرے ہم بھی ہیں اس کے غمگسار

سنتے ہی اس بات کے اک بار وہ لڑکا غریب ۔۔۔ ہو گیا شاد اور وہیں سر رکھ کے قدموں کے قریب

نقلیں کوئی ان پوپلے ہونٹوں کی بناوے — چل کر کوئی کُبڑے کی طرح قد کو جھکاوے

ڈاڑھی کے کنے اُنگلی کو لالا کے نچاوے — یہ خواری تو اللہ کسی کو نہ دکھاوے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

تھے جیسے جوانی میں کیے دھوم دھڑکے — ویسے ہی بڑھاپے میں چھُٹے آن کے چھکے

سب اُڑ گئے کافور وہ نظارے وہ جھمکے — اب عیش جوانوں کو ہیں اور بوڑھوں کو دھکے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر حرص سے ڈاڑھی کو خضاب اپنی لگاویں — جھُرّی جو پڑی مُنہ پہ اُسے کیوں کے مٹادیں

گو مکر سے ہنسنے کے تئیں دانت بندھاویں — گردن تو پڑی ہلتی ہے کیا خاک چھپاویں

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

آنکھوں سے یہ دیدار کی لذّت نہیں چھٹتی — اور دل سے بھی محبوب کی اُلفت نہیں چھٹتی

سب چھٹ گیا پر دید کی یہ لت نہیں چھٹتی — بوڑھے ہوئے پر حسن کی چاہت نہیں چھٹتی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

سنتے ہو، جوانو، یہ سخن کہتے ہیں تم سے — "کرنے ہوں جو کر لو وہ مزے عیش و طرب کے

جاوے گی جوانی تو پھر افسوس کرو گے — تم جیسے ہو ویسے تو کبھی ہم بھی جواں تھے"

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

اب جتنے ہو معشوق یہ سب یاد رکھو بات — "جو ہو سو کرو چاہنے والوں کی مدارات

محبوبو غنیمت ہے جوانی کی یہ اوقات — جب بوڑھے ہوئے پھر تو ہوئے ڈھاک کے دو پات"[ع]

عه محاورہ ہے۔ ڈھاک کے تین پات۔ مگر نظیر نے یہاں بہ ضرورت شعری تصرّف کر لیا ہے اور بُرا نہیں معلوم ہوتا (شہباز)

یوں لگا کہنے بڑی قسمت بڑے میرے نصیب
میں کہاں عاجز کہاں اللہ کے خاصے حبیب
میں تصدق ہوں تمھارا یا شہِ والا تبار

یہ کرم یہ لطف یہ بندہ نوازی کس سے ہو
مجھ سے نالائق کی ایسی سرفرازی کس سے ہو
تم نے جو کچھ مجھ سے کی یہ چارہ سازی کس سے ہو
یہ حمایت یہ مدد یا شاہ غازی کس سے ہو
اس عنایت اس کرم کا ہے تمھیں پر کاروبار

میں جو اپنے ہاتھ سے کرتا تھا ماتم بر ملا
اور اُٹھاتا تھا علم بھی میں تمھارے جا بہ جا
حق اگر پوچھو تو کس کا ہاتھ ہے کٹ کر ملا
یہ تمھیں سے ہو سکا جو پھر دیا تن سے لگا
ورنہ کس میں تھی بھلا یہ قدرت و یہ اقتدار

وہ ابھی راغب تھا اپنے درد کے اظہار کا
ایک پل میں پھر نہ دیکھا نقش ماتم دار کا
کیا دیا تن سے ملا ہاتھ اپنے ماتم دار کا
معجزہ دیکھو یہ ابنِ حیدرِ کرار کا
کس میں یہ قدرت بجز فرزند شیر کردگار

اب جو اس کے ہاتھ پر کٹنے کی آئی تھی گرہ
کچھ حکیموں سے نہ ہوتا گر وہ پھر تا دِہ بہ دِہ
اب انھوں نے کر دیا اک آن میں آتے ہی بہ
یہ نہیں دست اور کا دست ید اللّٰہی ہے یہ
جز یداللہ ہو بھلا کس دست سے یہ دستکار

کیا حسین ابن علی نے جس لیا میدان میں
اور ہیں عباس علی کی بخششیں ہر آن میں
جن کے بیٹوں کے رہیں دل خلق کے احسان میں
کیوں نہ پھر خالق کہے ان کے پدر کی شان میں
لا فتیٰ اِلّا علی لا سیف اِلّا ذوالفقار

صبح کو اس کوٹھری کا خود بہ خود در کھل گیا
باپ ماں دیکھیں تو اُس کا ہاتھ تن سے ہے ملا
پوچھا یہ کیا تھا، جو کچھ دیکھا تھا اس نے سب کہا
سنتے ہی دونوں نے پھر تو صدق سے کلمہ پڑھا
ہاتھ میں تسبیح لی زنّار کو ڈالا اُتار

پھر ہوئی اس معجزے کی شہر کی خلقت میں دھوم
ہو گیا اس طفل پر سب شہر کا آکر ہجوم
دیکھتا تھا جو کوئی لیتا تھا اُس کے ہاتھ چوم
اور لگا آنکھوں سے یوں کہتا تھا ہر دم جھوم جھوم
یہ انھیں کی دوستی کے گل نے دکھلائی بہار

آپ کے فضل و کرم کا یہ بھی ہے امیدوار

تعریف پنج تن پاک

ہے دل میں میرے یاد جو بارہ امام کی
اور آرزو ہے ساقی کوثر کے جام کی
یہ بہت مجکو ورد ہے ہر صبح و شام کی
تسبیح ہزار دانہ ہی اور اُن کے نام کی
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنج تن کے نام کی

اوّل تو دل ہو صاف دوم جسم تابناک
سوم کہاؤں دونوں جہاں میں گنہ سے پاک
چوتھے عدو کا غیب سے ہو جاوے سینہ چاک
اور پانچویں میں ڈالوں مخالف کے سر پہ خاک
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنج تن کے نام کی

تن ہے سو پاک صاف معطر ہو مثل پھول
ہو روح شاد دل نہ ہو میرا کبھو ملول
دونوں جہاں میں خوش رہوں از خدمتِ رسول
روزہ نماز ورد وظائف ہوں سب قبول
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنج تن کے نام کی

بھاگے چڑیل کانپ اُٹھے بھوت اور پلید
ٹل جاویں دیو چھپنے لگیں منکر شدید
جن و پری ہوں دل سے مرے آن کر مرید
جیتا رہوں تو شاہ جو مر جاؤں تو شہید
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنج تن کے نام کی

نعرہ کروں جو حیدری ہل جاویں سب پہاڑ
تھرّاویں چشمہ سار بلیں ڈر سے بوٹے جھاڑ
گر خارجی ہو آوے مرے آگے مثل ناڑ
پگڑی کو اس کی پھینک کے داڑھی کو دوں اُکھاڑ
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنج تن کے نام کی

اے دوستو عجب ہے بنا پنج تن کا نام
جس کے طفیل اتنے بر آتے ہیں سب کے کام
جو ہیں سو ہیں یہی ختم الخیر والسّلام
اور میں جو ہوں نظیرؔ تو کہتا ہوں صبح و شام
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنج تن کے نام کی

عشق اللہ[ع]

پہلے اس تاجِ نبوت سے کہو عشق اللہ — صاحبِ خلق و کرامت سے کہو عشق اللہ
گلشنِ دیں کی طراوت سے کہو عشق اللہ — نورِ حق شافعِ اُمت سے کہو عشق اللہ
یعنی اس ختمِ رسالت سے کہو عشق اللہ

ہے[H] جو وہ نورِ نبی شیرِ خدا، شیرِ الٰہ — صاحبِ دُلدل و قنبر شرفِ بیتِ الٰہ
زورِ دیں، قاتلِ کفار، محبوں کی پناہ — یعنی وہ حیدرِ کرّار، علی، عالی جاہ
ہر دم اُس شاہِ ولایت سے کہو عشق اللہ

اور وہ ہے جس سے ہرا باغِ امامت کا چمن — سبز پوشِ چمنِ جنت و فردوس حسنؑ
زہر نے جس کا زمرد سا کیا سبز بدن — یاد کر مومنو اُس کا وہ[ن۱] ہرا پیراہن
سبزۂ باغِ امامت سے کہو عشق اللہ

اور وہ گل جس سے ہے گلزارِ شہادت کا کھلا — لے گئے دشتِ بلا میں جو اُسے اہلِ جفا
تین دن رات کا پیاسا وہ بہادر یکتا — لشکرِ شام کو للکار کے تنہا وہ لڑا
گوہرِ[ن۲] دُرجِ شجاعت سے کہو عشق اللہ

اور وہ جس مرد کا ہے نام شہ زینُ[ن۳] العبا — کربلا میں وہ اگر آہ کا شعلہ کرتا
جل کے لشکر وہ سبھی خاکِ سیہ ہو جاتا — پر سوا حق کی رضا اُس نے نہ کچھ دم مارا
اس جواں مرد کی ہمت سے کہو عشق اللہ

باقر و جعفر و کاظم و رضا شاہ شہاں — اور تقی نورِ نبی اور وہ نقی قبلۂ جاں
عسکری مہدی ہادی وہ امامِ دوراں — ہیں زمانے میں یہی بارہ امام اے یاراں
سب ہر اک صاحبِ عزت سے کہو عشق اللہ

ع۔ جن بندوں کے سامنے یہ نشان H ہے وہ دیوان نظیر مطبوعہ مطبع آلہی ۱۲۸۲ھ سے نقل کئے گئے ہیں۔

ن۱۔ اس گل کا۔ ن۲۔ اس دلاوری کی۔ ن۳۔ زین عبا۔

ہیں جہاں تک یہ سبھی طالب و مرشد فقرا — ہر دم اُن سب کے دلوں بیچ ہے بھرا عشق اللہ
اور جس مرد نے خوش ہو کے بہ راہ مولا — مال و جان دولت و گھر بار تلک بخش دیا

اس سخی دل کی سخاوت سے کہو عشق اللہ

جتنے اللہ نے بھیجے ہیں ولی پیغمبر — عارف و کامل و درویش و مشائخ رہ بر
اور جنھوں نے ہو فدا حق کے اوپر کر کے نظر — راہ مولا میں خوشی ہو کے دیا اپنا سر

اُن شہیدوں کی شہادت سے کہو عشق اللہ

ہیں جو وہ صابر و شاکر برضائے مولا (۱) — راہ مولا میں چلے سے کے توکل ہم راہ
جا کے جنگل میں پہاڑوں میں لگا حق پہ نگاہ — دل میں خوش بیٹھے ہوئے کرتے ہیں اللہ اللہ

اُن جوانوں کی قناعت سے کہو عشق اللہ

وہ جو کہلاتے ہیں دنیا میں خدا کے بندے — بندگی کرتے ہی کرتے وہ سبھی خاک ہوئے
خاک بھی ہو گئے پر کرتے ہیں ہر دم سجدے — کہیں (۲) ہیں باطنی لوٹے ہیں عبادت کے مزے

دوستو اُن کی عبادت سے کہو عشق اللہ

اور جو وہ عابد و زاہد ہیں خدا کی رہ کے — یاں کے سب عیش و مزے چھوڑ دیے رہ رہ کے
چلّے کھینچے ہیں محبت کی کماں گہہ گہہ کے — سوکھ کا ناٹا ہوئے ہر رنج و ستم سہہ سہہ کے

یارو سب اُن کی ریاضت سے کہو عشق اللہ

اور جو وہ عاشقِ صادق ہیں جہاں میں یکتا — عشق بازی کا لیا نام پر اپنے سر کا
گرچہ معشوق کی جانب سے ہوئے جور و جفا — مر گئے تو بھی نہ منہ اپنا وفا سے موڑا

اُن کی جاں بازی و جرأت سے کہو عشق اللہ

اور وہ معشوق جو ہیں ناز و ادا میں مفرد — حسن رکھتے ہیں بھبوکا سا جہاں میں پر نور
گرچہ ظاہر میں وہ آتے نہیں عاشق کے حضور — پردہ باطن میں نہیں اپنے خریدار سے دور

اُن کی اس دل کی محبت سے کہو عشق اللہ

اور وہ جن پہ ہیں احوال دو عالم کے کھلے — جتنے دریا میں ہیں اور روئے ہوا پر اڑتے

---

(۱) اللہ۔ (۲) کیا ہی من مانے۔

چاہیں پتھر کے تئیں لعل کریں نظروں سے　　چاہیں اکسیر کریں خاک کو ہر دم لے لے
اُن کی سب کشف و کرامت سے کہو عشق اللہ

اور وہ جو عشق کی گل زار کھلاتا ہے نظیر　　پنج تن پاک کا عالم میں کہاتا ہے نظیر
ریختہ فرد رباعی بھی بناتا ہے نظیر　　کہہ سخن عشق کا پھر سب کو سناتا ہے نظیر
اس کے سب حرف و حکایت سے کہو عشق اللہ

مدح حضرت سلیم چشتی ولی خدا قدس اللہ سرہ

ہیں دو جہاں کے سلطاں حضرت سلیم چشتی　　عالم کے دین و ایماں حضرت سلیم چشتی
سر دفتر مسلماں حضرت سلیم چشتی　　مقبول خاص یزداں حضرت سلیم چشتی
سردار ملک عرفاں حضرت سلیم چشتی

برق اسد کی رونق عرش بریں کے تارے　　گل زارِ دیں کے گلبن اللہ کے سنوارے
یہ بات جان و دل سے کہتے ہیں سب پکارے　　تم وہ ولی ہو برحق جو فیض سے تمھارے
عالم ہے باغ و بُستاں حضرت سلیم چشتی

شاہوں کے بادشا ہو با تاج بالوا ہو　　اور قبلۂ صفا ہو اور کعبۂ ضیا ہو
خلقت کے رہ نما ہو دنیا کے مقتدا ہو　　تم صاحب سخا ہو محبوب کبریا ہو
ہے تم سے زیب امکاں حضرت سلیم چشتی

شاہ و گدا ہیں تابع سب تیری مملکت کے　　لائق تمھیں ہو شاہا اس قدر و منزلت کے
پروردہ ہیں تمھارے سب خوان مکرمت کے　　شاہا[۱] شرف تو بخشی خالق کی سلطنت کے
اور تم ہو میر ساماں حضرت سلیم چشتی

ہے نام پاک تیرا مشہور شہر و بن میں　　کرتی ہیں یاد تم کو یہ جانیں ہیں جو تن میں
ہیں خُلق کی تمھارے خوش بو گل و سمن میں　　خدمت میں ہیں تمھاری فردوس کے چمن میں
جنت کے حور و غلماں حضرت سلیم چشتی

---

[۱] بابا ۔ ... اصل میں ... ہوگا۔

(۱)کعبہ سمجھ کے اپنا مشتاق تیرے در کو — کرتے ہیں آ زیارت دل سے جھکا کے سر کو
وصّاف تیرے ہر دم پاتے(۲) ہیں سیم و زر کو — پڑھتے ہیں مدح تیری گلشن میں ہر سحر کو
(۳)ہر بلبل خوش الحاں حضرت سلیم چشتی

ہے سلطنت جہاں کی سب تیرے زیر فرماں — چاکر ہیں تیرے در کے فغفور اور خاقاں
خوانِ کرم پہ تیرے ہے خلق ساری مہماں — ہیں حکم میں تمھارے جن و پری و انساں
ہو وقت کے سلیماں حضرت سلیم چشتی

تم سب سے ہو معظّم اور سب سے ہو مکرّم — خلقت ہوئی تمھاری سب نور سے مجسّم
اور خوبیاں جہاں کی تم پر ہوئیں مسلّم — ابرِ کرم سے تیرے دائم ہے سبز و خرم
عالم کا سب گلستاں حضرت سلیم چشتی

پشت و پناہ ہو تم ہر اک گدا و شہ کے — محتاج ہیں تمھارے اک لطف کی نگہ کے
منزل پہ آ کے پہونچے سالک تمھاری رہ کے — خاکِ قدم تمھاری اور(۴) چشم مہر و مہ کے
ہو روشنی کے ساماں حضرت سلیم چشتی

چشم و چراغ ہو تم اب جملہ مومنیں کے — روشن ہیں تم سے پردے سب آسماں زمیں کے
بے شک ضیائے دل ہو ہر صاحبِ یقیں کے — ذرّہ نہیں تفاوت تم آسماں ہو دیں کے
ہو آفتاب رخشاں حضرت سلیم چشتی

عالم ہے سب معطر تیرے کرم کی بو سے — حرمت ہے دوستوں کو حضرت تمھارے رو سے
یہ چاہتا ہوں اب میں سو دل کی آرزو سے — رکھیو نظیر کو تم دو جگ میں آبرو سے
اے موجدِ ہر احساں حضرت سلیم چشتی

مدح نانک شاہ گرو

ہیں کہتے نانک شاہ جنھیں وہ پورے ہیں آگاہ گرو — وہ کامل رہبر جگ میں ہیں یوں روشن جیسے ماہ گرو
مقصود مراد امید سبھی بر لاتے ہیں دل خواہ گرو — نت لطف و کرم سے کرتے ہیں ہم لوگوں کا نرباہ گرو

(۱) ادصاف - (۲) بیتے - (۳) ہو - (۴) در -

اِس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

ہر آن دلوں وچ یاں اپنے جو دھیان گرو کا لاتے ہیں اور سیوک ہو کر اُن کے ہی ہر صورت بیچ کہاتے ہیں
گر اپنی لطف عنایت سے سکھ چین اسے دکھلاتے ہیں خوش رکھتے ہیں ہر حال انھیں سب من کا کاج بناتے ہیں

اِس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

جو آپ گرو نے بخشش سے اِس خوبی کا ارشاد کیا ہر بات ہی اس خوبی کی تاثیر نے جس پر صاد کیا
یاں جس جس نے اُن باتوں کو ہی دھیان لگا کر یاد کیا ہر آن گرو نے دل ان کا خوش وقت کیا اور شاد کیا

اِس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

دن رات سبھوں نے یاں دل[1] سے ہی یاد گرو سے کام لیا سب من کے مقصد بھر پائے خوش وقتی کا ہنگام لیا
دکھ درد میں اپنے دھیان لگا جس وقت گرو کا نام لیا پل بیچ گرو نے آن انھیں خوش حال کیا اور تھام لیا

اِس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

یاں جو جو دل کی خواہش کی کچھ بات گرو سے کہتے ہیں وہ اپنی لطف شفقت سے نت ہاتھ انھوں کے گہتے ہیں
الطاف سے ان کے خوش ہو کر سب خوبی سے یہ کہتے ہیں دکھ درد[2] انھوں کے ہرتے ہیں[3] تو سکھ سے جگ میں رہتے ہیں

اِس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

جو ہر دم اُن سے دھیان لگا اُمید کرم کی دھرتے ہیں وہ اُن پر لطف عنایت سے ہر آن توجہ کرتے ہیں
اسباب خوشی اور خوبی کے گھر بیچ انھوں کے بھرتے ہیں آنند عنایت کرتے ہیں اور سب من کی چنتا ہرتے ہیں

اِس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

---

(۱) - وچ - (۲) - دور - (۳) - ہوتے -

جو لطف عنایت اُن میں ہیں کب وصف کسی سے اُن کا ہو — وہ لطف وکرم جو کرتے ہیں ہر چار طرف ہیں ظاہر
الطاف جنھوں پر ہیں اُن کے سو خوبی حاصل ہی اُن کو — ہر آن نظیر اب یاں تم بھی بابا نانک شاہ گرو
اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

تعریف گرو گنج بخش کی

ہو رہ دلا مدام گرو گنج بخش کا — خوبی میں ہے قیام گرو گنج بخش کا
کرپا میں اہتمام گرو گنج بخش کا — لے دل ہمیشہ نام گرو گنج بخش کا
رکھ دھیان صبح و شام گرو گنج بخش کا

ہر دم انھیں کی یاد کا رکھ دل میں تو خیال — اور رکھ سُرت تو اپنی انھیں کے چرن دے نال
کھوتے ہیں سب کے دل کے وہی رنج اور ملال — سیوک کو اپنے کرتے ہیں اک آن میں نہال
بخشش میں ہی یہ کام گرو گنج بخش کا

آتے ہیں وہ مدد کے تئیں جب کہ ہر کہیں — اُن کا ہوا جو دل سے اُسے کچھ خطر نہیں
یہ بات ٹھیک ہے اسے کر جی میں تو یقین — گر نا ہوا جو نام لے اُن کا تو اُس کے تئیں
لیتا ہی نام بھام گرو گنج بخش کا

خوبی کچھ اُن کے لطف کی جاتی نہیں کہی — کرپا وہ اپنی رکھتے ہیں ہر آن ہر گھڑی
گنتے ہیں دکھ میں بانہہ بہت ہوتے ہیں خوشی — کہتے ہیں جس کو لطف کی مسند سو ہی وہی
ہی دل سدا مقام گرو گنج بخش کا

رکھ اُن کی لحظ لحظ تو کرپا اُپر نظر — وہ اپنے گنج لطف سے دیتے ہیں سیم و زر
جو چاہیے مراد اُنھیں سے تو عرض کر — جو دل سے پوجتے ہیں تو اُن سب کے حال پر
الطاف ہی مدام گرو گنج بخش کا

اُن کی سرن میں آیا تو پھر دُکھ نہ ہو کبھو — رکھ لیں گے اپنی مہر سے وہ تیری آبرو
رکھ اپنے جی سے اُن کی ہی کرپا کی آرزو — ارداس کرنے سر کو جھکا اُن کے در پہ تو

لطف و کرم ہی عام گرو گنج بخش کا

گر عرض اُن سے اپنا تو احوال اے نظیر — اپنے کرم سے لیں گے تجھے پال اے نظیر

رکھ اُن کی یاد جی[1] میں تو ہر حال اے نظیر — رہتا ہے جگ میں خوش دل و خوش حال اے نظیر

ہی دل سے جو غلام گرو گنج بخش کا

عُرس حضرت سلیم چشتی کا

ہے یہ مجمع نکو سرشتی کا — ذکر کیا یاں گنہ کی زشتی کا

بجر ہے عارفوں کی کشتی کا — فخر ہے حرف سر نوشتی کا

رشک ہے گلشن بہشتی کا

عُرس حضرت سلیم چشتی کا

باغ جنت ہے آج یہ درگاہ — پھول پھولے ہیں فیض کے دل خواہ

دیکھ رضواں بہاریاں کی واہ — دل میں کہتا ہے دم بہ دم واللہ

رشک ہے گلشن بہشتی کا

عُرس حضرت سلیم چشتی کا

یہ تجلی نہ سیم و زر سے ہے — ابر رحمت کا نور برسے ہے

حور و غلماں کی رُوح ترسے ہے — اور اشارہ یہی نظر سے ہے

رشک ہے گلشن بہشتی کا

عُرس حضرت سلیم چشتی کا

صحن درگہ ہی باغ اور بُستاں — اور ہیں زردار سب گل دریحاں

جی میں سب پھول پھول ہو شاداں — یہی کہتے ہیں ہر گھڑی ہر آں

رشک ہے گلشن بہشتی کا

عُرس حضرت سلیم چشتی کا

---

[1] ا۔ دل۔

بس کہ خلقت بھری ہی لاکھوں لاکھ
گھر مکاں ہی گلوں سے مالا مال

حسن رنگ اور مشائخوں کے حال
بھیڑ غل شور اور یہ قال مقال

رشک ہی گلشن بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتی کا

کھل رہا ہی چمن جو فیض بھرا
جھرنا گویا ہی ہے حوض کوثر کا

قدسیاں دیکھ وہ بہشت سرا
سب پکارے ہیں یوں اہا ہاہا

رشک ہی گلشن بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتی کا

کتنے درگہ میں فیض اُٹھاتے ہیں
کتنے جھرنے میں جا نہاتے ہیں

کتنے نذر و نیاز لاتے ہیں
کتنے خوش ہو یہی سُناتے ہیں

رشک ہی گلشن بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتی کا

عُرس درگاہ کے جو دیکھے واہ
اور ہی گل کھلے ہیں خاطر خواہ

بلبلوں کی طرح چہک کر آہ
سب یہی کہہ رہے ہیں کرکے نگاہ

رشک ہی گلشن بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتی کا

ہی بہم دور دور کا عالم
سبز و سُرخ و سفید و زرد بہم

سب خوشی ہو کے جوں گل شبنم
دیکھ تشریں یہ کہتے ہیں ہردم

رشک ہی گلشن بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتی کا

بھیڑ انبوہ خلق کی تکثیر
بادشاہ و گدا و میر و وزیر

طفل و پیر و جواں غریب و فقیر
پر[(۱)] سبھوں کی زباں پہ یہ تقریر

---

(۱) ہے۔

رشک ہی گلشن بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتی کا

کتنے واں سیم تن بھی پھرتے ہیں　　غنچہ لب گل بدن بھی پھرتے ہیں
شوخ گل پیرہن بھی پھرتے ہیں　　دل ربا دل شکن بھی پھرتے ہیں

رشک ہی گلشن بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتی کا

کتنے نظروں سے زخمی ہوتے ہیں　　کتنے دل اپنا مفت کھوتے ہیں
کتنے الفت کے تخم بوتے ہیں　　کتنے موتی کھڑے پروتے ہیں

رشک ہی گلشن بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتی کا

جانشیں ہیں جو صاحب مسند　　عارف الحق میاں علی احمد
ان کی خوبی نظیر ہے بے حد　　سب پکارے ہیں خلق بے حد وعد

رشک ہی گلشن بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتی کا

شب برات

کیوں کر کرے نہ اپنی نمود اری شب برات　　چلپک، چپاتی، حلوے سے ہی بھاری شب برات
زندوں کی ہے زباں کی مزے داری شب برات　　مُردوں کی روح کی ہی مددگاری شب برات
لگتی ہی سب کے دل کو غرض پیاری شب برات

شکر کا جن کے حلوا ہوا وہ تو پورے ہیں　　گُڑ کا ہوا ہی جن کے وہ اُن سے ادھورے ہیں
شکر نہ گڑ کا جن کے وہ پرکٹ لنڈورے ہیں　　اور دل کے میٹھے حلوے چپاتی کو گھورے ہیں
اُن کی نہ آدھی پاؤ نہ کچھ ساری شب برات

دنیا کی دولتوں میں جو زردار ہیں بڑے　　قندوں کے حلوے روغنی نانیں نئے گھڑے

پہونچانے خوان پھرتے ہیں نوکر کئی پڑے — ندے بھی راہ تکتے ہیں مُردے بھی ہیں کھ...

ان خوبیوں کی رکھتی ہے تیاری شب برات

[1] ٹھلیاں چپاتی حلوے کی تو سب میں چال ہے — ادنیٰ غریب کے تئیں یہ بھی مُحال ہے

کالے سے گڑ کی لپٹی کڑھی کی مثال ہے — پانی کی ہانڈی گیہوں کی روٹی بھی لال ہے

کرتی ہے ایسی دُکھیا پسنہاری شب برات

اور مفلسوں کی ہے یہ تمنّا کی فاتحہ — دریا پہ جا کے دیتے ہیں بابا کی فاتحہ

بھٹیاری کے تنور پہ نانا کی فاتحہ — حلوائی کی دکان پہ دادا کی فاتحہ

یاں تک تو اُن پہ لاتی ہے ناچاری شب برات

وارث ہیں جن کے جیتے وہ مُردے بھی آن کر — حلوے چپاتی خوب ہی چکھتے ہیں پیٹ بھر

جن کا کوئی نہیں ہے وہ پھرتے ہیں در بہ در — اوروں کے تکتے پھرتے ہیں کونوں سے گھر بہ گھ...

اُن کی ہے کھاری نون سے بھی کھاری شب برات

ملّا جو دینے فاتحہ گھر گھر میں جاتے ہیں — حلوا کہیں کہیں وہ چپاتی اُڑاتے ہیں

مفلس کوئی بلاوے تو مُنہ کو چھپاتے ہیں — تنکّر کا حلوا سُنتے ہی بس دوڑے جاتے ہیں

کہتے ہوئے یہ دل میں اہاہاری شب برات

چھوڑے [2] ہے لٹو تو نبڑی ہر دم بنا کے جو — حاکم کا پیادہ کہتا ہے یوں اس سے [3] تلخ ہو

کپڑے، بدن بچا کے، جو چاہو سو چھوڑ دو — چھپر جلاؤ گے تو دلاوے گی صبح کو

تم سے چبوترے میں گنہگاری شب برات

اور جو بہار حُسن کے ہیں پاک باز یار — گل کاری چھوڑے ہیں جہاں محبوب گل عذار

کہتے ہیں ان کو دیکھ کے آنکھوں میں کر کے پیار — گیا چاہیے، میاں، تمھیں، ہت پھول اور انار؟

تم پر تو آپ ہوتی ہے اب واری شب برات

گھن چکر اپنے دم میں کہیں چرخ کھاتے ہیں — ٹوٹے ہوائی ٹنگ کہیں تھتھاتے ہیں

زیپٹ زیپٹ پٹاخے کہیں غل مچاتے ہیں — لڑکوں کے باندھ [4] غول کہیں لڑتے جاتے ہیں

---

(۱) ٹھلیا۔ (۲) چھوڑیں ہیں (۳) اُن سے (۴) غول باندھ۔

کرتے ہیں پھر تو ایسی دھواں دھاری شب برات

آکر کسی کے سر پہ چھچھوندر لگی کڑی
اوپر سے اور ہوائی کی آکر پڑی چھڑی
ہوگئی گلے کا ہار پٹاخے کی ہر لڑی
پانوؤں سے لپٹے شور مچاکر قلم تڑی

کرتی ہے پھر تو ایسی ستم گاری شب برات

چہرہ کسی کا جل گیا آنکھیں بھلس گئیں
چھاتی کسی کی جل گئی باہیں بھلس گئیں
ٹانگیں بچیں کسی کی تو رانیں بھلس گئیں
مونچھیں کسی کی پھک گئیں پلکیں بھلس گئیں

رکھے کسی کی داڑھی پہ چنگاری شب برات

کوئی دوستوں کو دل میں سمجھتا ہے اپنے غیر
کوئی دشمنوں سے دل کا نکالے ہے اپنے بیر
کہتا ہے واں نظیر بھی آتش کی دیکھ سیر
یارب تو سب کی کیجیو برسا برس کی خیر

بے طرح کر رہی ہے نموداری شب برات

عیدؔ

یوں لب سے اپنے نکلے ہے اب بار بار، آہ
کرتا ہے جس طرح کہ دل بے قرار آہ
عالم نے کیا ہے عیش کی لوٹی بہار، آہ
ہم سے تو آج بھی نہ ملا وہ نگار، آہ

ہم عید کے بھی دن رہے اُمیدوار، آہ

ہو جی میں اپنے عید کی فرحت سے شاد کام
خوباں سے اپنے اپنے لیے سب نے دل کے کام
دل کھول کھول سب ملے آپس میں خاص و عام
آغوشِ خلق گل بدنوں سے بھرے تمام

خالی رہا پر ایک ہمارا کنار، آہ

کیا پوچھتے ہو شوخ سے ملنے کی اب خبر
کتنا ہی جُست جو میں پھرے ہم اِدھر اُدھر
لیکن ملا نہ ہم سے وہ عیار فتنہ گر
ملنا تو اک طرف ہے، عزیزو، کہ بھر نظر

پوشاک کی بھی ہم نے نہ دیکھی بہار، آہ

رکھتے تھے ہم اُمید یہ دل میں کہ عید کو
کیا کیا گلے لگاویں[ن۱] گے دل بر کو شاد ہو

ع۵ جن بندوں پر یہ نشان (م) ہے وہ کلیات نظیر مرتبہ مولوی سید عبدالغفور شہباز سے نقل کئے گئے ہیں۔
ن۱ ۔سے یار کے لپٹیں گے۔

سو تو وہ آج بھی نہ ملا شوخ حیلہ جو   تھی آس عید کی سو گئی وہ بھی دو دستـ
اب دیکھیں کیا کرے دل اُمیدوار، آہ

اُس سنگ دل کی ہم نے غرض جب سے چاہ کی   دیکھا نہ اپنے دل کو کبھی ایک دم خوشی
کچھ اب ہی اُس کی جور و تعدّی نہیں نئی   ہر عید میں ہمیں تو سدا یاس ہی رہی
کافر کبھی نہ ہم سے ہوا ہم کنار، آہ

اقرار ہم سے تھا کئی دن آگے عید سے   یعنی کہ عید گاہ کو جاویں گے تم کو لے
آخر کو ہم کو چھوڑ، گئے ساتھ اور کے   ہم ہاتھ ملتے رہ گئے اور راہ دیکھتے
کیا کیا غرض سہا ستم انتظار، آہ

کیوں کر لگیں نہ دل میں مرے حسرتوں کے تیر   دن عید کے بھی مجھ سے ہوا وہ کنارہ گیر
اِس درد کو وہ سمجھے جو ہو عشق کا اسیر   جس عید میں کہ یار سے ملنا نہ ہو نظیر
اُس کے اُپر تو حیف ہے اور صد ہزار، آہ

عید الفطر

ہے عابدوں کو طاعت و تجرید کی خوشی   اور زاہدوں کو زہد کی تمہید کی خوشی
رند عاشقوں کو ہے کئی اُمید کی خوشی   کچھ دلبروں کے وصل کی کچھ دید کی خوشی
ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اِس عید کی خوشی

روزے کی خشکیوں سے جو ہیں زرد زرد گال   خوش ہو گئے وہ دیکھتے ہی عید کا ہلال
پوشاکیں تن میں زرد سنہری سفید لال   دل کیا کہ ہنس رہا ہے پڑا تن کا بال بال
ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اِس عید کی خوشی

پچھلے پہر سے اُٹھ کے نہانے کی دھوم ہے   شیر و شکر سویّاں پکانے کی دھوم ہے
پیر و جواں کو نعمتیں کھانے کی دھوم ہے   لڑکوں کو عید گاہ کے جانے کی دھوم ہے

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اِس عید کی خوشی

بیٹھے ہیں پھول پھول کے مے خانوں میں کلال
اور بھنگ خانوں میں بھی ہیں سرسبزیاں کمال
چھنتی ہیں بھنگیں اُڑتے ہیں چرسوں کے دم نڈھال
دیکھو جدھر کو سیر مزا عیش قیل و قال

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اِس عید کی خوشی

کوئی تو مست پھرتا ہے جام شراب سے
کوئی پکارتا ہے کہ چھوٹے عذاب سے
کلّا کسی کا پھولا ہے لڈو کی چاٹ سے
چٹکاریں جی میں بھرتے ہیں نان و کباب سے

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

محبوب دل بروں سے ہے جن کی لگی لگن
اُن کے گلے سے آن لگا ہے جو گل بدن
سَو سَو طرح کے چاؤ سے مِل مِل کے تن سے تن
کہتے ہیں "تم کو عید مبارک ہو جان من"

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اِس عید کی خوشی

کیا ہی معانقے کی مچی ہے اُلٹ پلٹ
ملتے ہیں دوڑ دوڑ کے باہم جھپٹ جھپٹ
پھرتے ہیں دل بروں کے بھی گلیوں میں غٹ کے غٹ
عاشق مزے اُڑاتے ہیں ہر دم لپٹ لپٹ

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

کاجل حنا غضب مسی و پان کی دھڑی
پشوازیں سرخ سوسنی لاہی کی پھُل جھڑی
کُرتی کبھی دکھا کبھی انگیا کسی کڑی
کہہ "عید عید" لوٹے ہیں دل کو گھڑی گھڑی

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

جو جو کہ اُن کے حسن کی رکھتے ہیں دل سے چاہ
جاتے ہیں اُن کے ساتھ لگے تا بہ عید گاہ

توپوں کے شور اور دُگانوں کی رسم و راہ میانے کھلونے سیر مزے عیش واہ واہ

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

روزوں کی سختیوں میں نہ ہوتے اگر اسیر تو ایسی عید کی نہ خوشی ہوتی دل پذیر
سب شاد ہیں گدا سے لگا شاہ تا وزیر دیکھا جو ہم نے خوب تو سچ ہے میاں نظیر

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

عید گاہ اکبرآباد

ہے دھوم آج مدرسہ و خانقاہ میں تانتے بندھے ہیں مسجد جامع کی راہ میں
گلشن سے کھل رہے ہیں عجب (۱) کج کلاہ میں سو سو چمن جھلکتے ہیں اِک اِک نگاہ میں

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

جھمکا ہے ہر طرف کو جو آیا، دلا زری پوشاک میں جھلکتے ہیں سب تن زری زری
گل رو چمکتے پھرتے ہیں جوں ماہ و مشتری ہے سب کے عید عید کی (۲) دل میں خوشی بھری

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

آتے ہیں گھر سے اپنے جو بن بن کے کج کلاہ صحن چمن ہے جتنی (۳) ہے سب صحن عید گاہ
چھاتی سے لپٹے جاتے ہیں ہنس ہنس کے خواہ نخواہ دل باغ باغ ہوتے ہیں فرحت سے واہ واہ

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

کچھ بھیڑ سی ہے بھیڑ کہ بے حد و بے شمار خلقت کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہیں بندھے ہر طرف ہزار
ہاتھی و گھوڑے، بہل، رتھ و اونٹ کی قطار غل شور "باجے بھونپو کھلونوں کی ہے بہار"

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

پہنے پھرے (۴) ہیں شوخ کڑے اور ہنسلیاں پھولوں کی پگڑیوں میں ہیں شاخیں اُڑس لیاں

ن۱۔ ہر اک۔ ن۲۔ دل میں عید کی یا۔ و ن۳۔ جتنا ن۴۔ بھریں

کریں سبھوں نے ملنے کی خاطر ہیں کس لیاں — ملتے ہیں یوں کہ چھاتی کی کڑکیں ہیں پسلیاں

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

آتے[1] ہیں ملتے ملتے جو عاجز پری رخاں — دیتے ہیں ملنے والوں کو گھبرا کے گالیاں

تس پر بھی لپٹے جاتے ہیں جوں گڑ پہ مکھیاں — دامن کے ٹکڑے[2] اڑتے ہیں کھلتی ہیں چھاتیاں

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

ہیں ملتے ملتے تن جو پسینوں میں تر بہ تر — ملنے کے ڈر سے پھرتے ہیں چھپتے ادھر ادھر

چھپتے پھرے ہیں لوگ بھی جاتے ہیں وہ جدھر — ٹھٹا ہنسی و سیر تماشے جدھر تدھر

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

ہیں کرتے وصل شہر کے سب خرد اور کبیر — ادنیٰ غریب امیر سے لے شاہ تا وزیر

ہر دم گلے لپٹ کے مرے یار دل پزیر — ہنس ہنس کے مجھ سے کہتا ہے یوں[3] کیوں میاں نظیر

"کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں"

بسنت[۱]

جب پھول کا سرسوں کے ہوا آ کے کھلنتا — اور عیش کی نظروں سے نگاہوں کا لڑنتا

ہم نے بھی دل اپنے کے تئیں کر کے پخنتا — اور ہنس کے کہا یار سے اے لکڑ بھونتا

"سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا"

اک پھول کا گیند دل کے منگا یار سے بجرا — دس من کا لیا ہار گندھا، آٹھ کا گجرا

جب آنکھ سے سورج کے ڈھلا رات کا کجرا — جا یار سے مل کر یہ کہا "اے مرے رجرا

"سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا"

تھے اپنے گلے میں تو کئی من کے پڑے ہار — اور یار کے گجرے بھی تھے اک دھوں کی مقدار

آنکھوں میں نشے مے کے ابلتے تھے دھواں دھار — جو سامنے آتا تھا یہی کہتے تھے للکار

۱؎ یہ نظم آزادوں کے لہجے میں لکھی گئی ہے۔ اسی واسطے ہر جگہ کھڑی بولی ہے۔ لڑنتا۔ کھلنتا۔ پخنتا۔ بسنتا۔ راجہ کی جگہ رجرا (شہباز)

ن۱۔ آئے ہیں۔ ن۲۔ چولیاں۔ دھجیاں۔ ن۳۔ کیوں اے میاں۔

"سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا"

پگڑی میں ہماری تھے جو گیندوں کے کئی پیڑ — ہر جھونک میں لگتی تھی بسنتوں کے تئیں ای[...]

ساقی نے بھی مٹکے سے دیا منہ کے تئیں بھیڑ — ہر بات میں ہوتی تھی اسی بات کی آچھیـ[...]

"سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا"

پھر راگ بسنتی کا ہوا آن کے کھٹکا — دھولنے کے برابر وہ لگا باجنے مٹکا

دل کھیت میں سرسوں کے ہر اک پھول کے اٹکا — ہر بات میں ہوتا تھا اسی تان کا لٹکا

"سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا"

جب کھیت پہ سرسوں کے دیا جا کے قدم گاڑ — سب کھیت اٹھا سر کے اوپر رکھ لیا جھاڑ

محبوب رنگیلوں کی بھی اک ساتھ لگی جھاڑ — ہر جھاڑ سے سرسوں کے یہ کہتے تھے[2] ابے جھاڑ

"سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا"

ساتھ لگا جب تو عجب عیش کا دہاڑا — جس باغ میں گیندوں کے گئے اس کو اجاڑا

دیکھی کبھی سرسوں کبھی نرگس کو اجاڑا — کہتے تھے اسی بات کو بن، جھاڑ، پہاڑا

"سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا"

خوش بیٹھے ہیں سب شاہ و وزیر آج اہاہا — دل شاد ہیں ادنےٰ و فقیر آج اہاہا

بلبل کی نکلتی ہے صفیر آج اہاہا — کہتا یہی پھرتا ہے نظیر آج اہاہا

"سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا"

ہولی (۱)

ہوا جو آکے نشاں آشکار ہولی کا — بجا رباب سے مل کر ستار ہولی کا

سرود رقص ہوا بے شمار ہولی کا — ہنسی خوشی میں بڑھا کاروبار ہولی کا

زباں پہ نام ہوا بار بار ہولی کا

خوشی کی دھوم سے ہر گھر میں رنگ بنوائے — گلال عبیر کے بھر بھر کے تھال رکھوائے

نشوں کے جوش ہوئے راگ رنگ ٹھہرائے — جھمکتے روپ کے بن بن کے سوانگ دکھلائے

---

(۱) یہی - (۲) اسے - (۳) جواچـ[...]

ہوا ہجوم عجب ہر کنارہ ہولی کا

گلی میں کوچے میں غل شور ہو رہے اکثر   چھڑکنے رنگ لگے یار ہر گھڑی بھر بھر
بدن میں بھیگے ہیں کپڑے گلال چہروں پر   مچی یہ دھوم تو اپنے گھروں سے خوش ہو کر
تماشا دیکھنے نکلے نگار ہولی کا

بہار چھڑکواں کپڑوں کی جب نظر آئی   ہر عشق باز نے دل کی مراد بھر پائی
نگہ لڑا کے پکارا ہر ایک شیدائی   "میاں یہ تم نے جو پوشاک اپنی دکھلائی
خوش آیا اب ہمیں، نقش و نگار ہولی کا

تمہارے دیکھ کے منہ پر گلال کی لالی   ہمارے دل کو ہوئی ہر طرح کی خوشحالی
نگہ نے دی، مے گل رنگ کی بھری پیالی   جو ہنس کے دوگے[1] ہمیں پیارے تم اس گھڑی گالی
تو ہم بھی جانیں کہ ایسا ہی پیار ہولی کا

جو کی ہے تم نے یہ ہولی کی طرفہ تیاری   تو ہنس کے دیکھو ادھر کو بھی جان یک باری
تمہاری آن بہت ہم کو لگتی ہے پیاری   لگا دو ہاتھ سے اپنے جو ایک پچکاری
تو ہم بھی دیکھیں بدن پر سنگار ہولی کا

تمہارے ملنے کا رکھ کر ہم اپنے دل میں دھیان   کھڑے ہیں آس لگا کر کہ دیکھ لیں اک آن،
یہ خوش دلی کا جو ٹھہرا ہے آن کر ساماں   گلے میں ڈال کے باہیں خوشی سے تم اے جان
پنھاؤ ہم کو بھی اک دم یہ ہار ہولی کا

اُدھر سے رنگ لیے آؤ تم اِدھر سے ہم   گلال عبیر ملیں منہ پہ ہو کے خوش ہر دم
خوشی سے بولیں ہنسیں ہولی کھیل کر باہم   بہت دنوں سے ہمیں تو تمہارے سر کی قسم
اسی امید میں تھا انتظار ہولی کا

بُتوں کی گالیاں ہنس ہنس کے کوئی سہتا ہے   گلال پڑتا ہے کپڑوں سے رنگ بہتا ہے
لگا کے تاک کوئی منہ کو دیکھ رہتا ہے   نظیر یار سے اپنے کھڑا یہ کہتا ہے
"مزا دکھا دے ہمیں کچھ بھی یار ہولی کا"

ن۱۔ دوگے۔ ن۲۔ سینکڑوں۔ ن۳۔ خوب۔

ہولی (۲)

قاتل جو میرا اوڑھے اک سُرخ شال آیا
کھا کھا کے پان ظالم کر ہونٹھ لال آیا
گویا نکل شفق سے بدرِ کمال آیا
جب منہ میں[۱] وہ پری رو مل کر گلال آیا
اک دم تو دیکھ اُس کو ہولی کا حال آیا

عیش و طرب کا ساماں ہے آج سب گھر اُس کے
اب تو نہیں ہے کوئی دنیا میں ہمسر اُس
از ماہ تا بہ ماہی بندے ہیں بے زر اُس کے
کل وقت شام سورج ملنے کو منہ پر اُس
رکھ کے شفق کے سر پر طشتِ گلال آیا

خالص کہیں سے تازی اک زعفراں منگا کر
مشک و گلاب میں بھی مل کر اُسے بسا
شیشے میں بھر کے نکلا چپکے لگا چھپا کر
مدت سے آرزو تھی اک دم اکیلا پا
اِک دن صنم پہ جا کر میں رنگ ڈال آیا

اربابِ بزم پھر تو وہ شاہ[۵] اپنے لے کر
سب ہم نشین حسبِ دل خواہ اپنے لے کر
چالاک چست کافر گم راہ اپنے لے کر
دس بیس گل رخوں کو ہم راہ اپنے لے ک
یوہیں بھگونے مجھ کو وہ خوش جمال آیا

عشرت کا اُس گھڑی تھا اسباب سب مہیا
بہتا تھا حسن کا بھی اُس جا پہ ایک در
ہاتھوں میں دل بروں کے ساغر کسی کے شیشا
کمروں میں جھولیوں میں سیروں گلال باندھ
اور رنگ کی بھی بھر کر مشک و پکھال آیا

عیارگی سے پہلے اپنے تئیں چھپا[۲] کر
چاہا کہ میں بھی نکلوں اُن میں سے چھٹ چھٹا[۳] کر
دوڑے کئی یہ کہہ کر جاتا ہے دم چرا کر
اتنے میں گھیر مجھ کو اور شور و غل مچا کر
اُس دم کمر کمر تک رنگ و گلال آیا

یہ چہل تو کچھ اپنی قسمت سے مچ رہی تھی
یہ آبرو کی پردہ حرفت[۴] سے بچ رہی تھی
کیسا سماں تھا کیسی شادی سی رچ رہی تھی
اُس وقت میرے سر پر اک دھوم مچ رہی تھی

---

(۱) مے۔ (۲) چھٹا کر۔ (۳) چھپ چھپا (۴) حُرمت۔ ۵ [ساتھ (د)]

اس دھوم میں بھی مجھ کو جو کچھ خیال آیا

لازم نہ تھی یہ حرکت اے خوش صفیر تجھ کو
اظہر ہے سب کہے ہیں مل کر، شریر تجھ کو

کرتے ہیں اب ملامت خورد و کبیر تجھ کو
لاحول پڑھ کے شیطاں بولا "نظیرؔ تجھ کو

"اب ہولی کھیلنے کا پورا کمال آیا"

ہولی (۳)

پھر آن کے عشرت کا مچا ڈھنگ زمیں پر
اور عیش نے عرصہ ہے کیا تنگ زمیں پر

ہر دل کو خوشی کا ہوا آہنگ زمیں پر
ہوتا ہے کہیں راگ کہیں رنگ زمیں پر

بجتے ہیں کہیں تال کہیں زنگ زمیں پر

ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

گھنگرو کی پڑی آن کے پھر کان میں جھنکار
سارنگی بھی ہوتی ہے طنبوروں کی مددگار

طبلوں کے کھڑکے طبل یہ سازوں کے بجے تار
راگوں کے کہیں غل کہیں ناچوں کے بندھے تار

ڈھولک کہیں جھنکارے ہے مردنگ زمیں پر

ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

اس رات چمن پر بھی عجب رنگ چڑھا ہے
اور جنگل و بن پر بھی عجب رنگ چڑھا ہے

ہر شوخ کے تن پر بھی عجب رنگ چڑھا ہے
عاشق کے بدن پر بھی عجب رنگ چڑھا ہے

سب عیش کے رنگوں میں ہے ہم رنگ زمیں پر

ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

مارا ہے نپٹ ہولی کے رنگوں نے عجب جوش
جو رنگ میں اک خلق بنی پھرتی ہے گل پوش

ہیں ناچ کہیں راگ کہیں رنگ کہیں نوش
پیتے ہیں نشے عیش میں سب لوٹیں ہیں مدہوش

معجوں کہیں پیتے ہیں کہیں بنگ زمیں پر

ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

مے خانے میں دیکھو تو عجب سیر ہے یارو　　وال مست پڑے لوٹے ہیں اور کرتے ہیں ہ
مستی سے سوا عیش نہیں ہوش کسی کو　　شیشوں میں پیالوں میں صراحی میں خوشی
اُچھلے ہے پڑی بادۂ گل رنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمین پر

"گاگا" کی پکاریں کہیں رنگوں کی چھڑک ہے　　مینائی بھبک اور کہیں ساغر کی جھلک ہے
طبلوں کی صدائیں کہیں تالوں کی جھنک ہے　　تالی کی بہاریں کہیں ٹھلیا کی کھڑک ہے
بجتا ہے کہیں دف کہیں مُرچنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

مستی میں اُٹھا آنکھ جدھر دیکھو اہا ہا　　ناچے ہے طوائف کہیں مٹکے ہے بھویّا
چلتے ہیں کہیں جام کہیں سوانگ کا چرچا　　اور رنگ کو گلیوں میں جو دیکھا(۱) تو ہر اک جا
بہتی ہیں اُمنڈ کر جمن و گنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

معمور ہیں(۲) خوباں سے گلی کوچہ و بازار　　اُڑتا ہے عبیر اور کہیں پچکاری کی ہے مار
چھایا ہے گلالوں کا ہر اک جا پہ(۳) دھواں دھار　　پڑتی ہے جدھر دیکھو اُدھر رنگ کی بوچھار
ہے رنگ چھڑکنے سے ہر اک ڈھنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

بھاگے ہے کہیں رنگ کسی پر جو کوئی ڈال　　وہ پوٹلی مارے ہے اُسے دوڑ کے فی الحال
یہ(۴) ٹانگ گھسیٹے تو وہ کھینچے ہے پکڑ بال　　وہ ہاتھ مروڑے تو یہ توڑے ہے کھڑا گال
اس ڈھب کے ہر اک جا پہ مچے ڈھنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

بیٹھے ہیں سب آپس میں نہیں ایک بھی کڑوا　　پچکاری اُٹھا کر کوئی چمکاوے ہے کھڑوا
بھرتے ہیں کہیں مشک کہیں رنگ کا گڑوا　　گیا شاد وہ ہوتا ہے جسے کہتے ہیں بھڑوا

(۱) دیکھو۔ (۲) ہے۔ (۳) یہ۔ (۴) یہ ٹانگ گھسیٹے ہے تو وہ کھینچے پکڑ بال۔

سنتے ہیں یہاں تنگ نہیں اب ننگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمین پر

ہولی کی نظیر اب جو بہاریں ہیں اہا ہا — محبوب رنگیلوں کی قطاریں ہیں اہا ہا
کپڑوں پہ جمی رنگ کی دھاریں ہیں اہا ہا — سب "ہولی ہے ہولی ہے" پکاریں ہیں اہا ہا
کیا عیش ہے کیا رنگ ہے کیا ڈھنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

ہولی (۴)

میاں تو ہم سے نہ رکھ کچھ غبار ہولی میں — کہ روٹھے ملتے ہیں آپس میں یار ہولی میں
مچی ہے رنگ کی کیسی بہار ہولی میں — ہوا ہے زور چمن آشکار ہولی میں
عجب یہ ہند کی دیکھی بہار ہولی میں

اب اس مہینے میں پہونچی ہے یاں تک یہ چال — فلک کا جامہ پہن سرخی شفق سے لال
بنا کے چاند اور سورج کے آسماں پہ تھال — فرشتے کھیلیں ہیں ہولی بنا عبیر و گلال
تو آدمی کا بھلا کیا شمار ہولی میں

سنا کے ہولی جو زہرہ بجاتی ہے طنبور — تو اُس کے راگ سے بارہ بروج ہیں معمور
چھوؤں ستاروں کے اوپر پڑا ہے رنگ کا نور — سبھوں کے سر پہ یہ ہر دم پکارتی ہے حور
کہ رنگ سے کوئی مت کیجو عار ہولی میں

جو گھر کے ابر کبھی اس مزے میں آتا ہے — تو بادلوں میں وہ کیا کیا ہی رنگ لاتا ہے
خوشی سے رعد بھی ڈھولک کی گت لگاتا ہے — ہوا کو ہولیاں گا گا کے کیا نچاتا ہے
تمام رنگ سے پُر ہے بہار ہولی میں

چمن میں دیکھو تو دن رات ہولی رہتی ہے — شراب ناب کی گلشن میں نہر بہتی ہے
نسیم پیار سے غنچے کا ہاتھ گہتی ہے — اور باغباں سے بلبل کھڑی یہ کہتی ہے
نہ چھیڑ مجھ کو تو اے بدشعار ہولی میں

گلوں نے پہنے ہیں کیا کیا ہی جوڑے رنگ رنگ
کہ جیسے لڑکے یہ معشوق پہنتے ہیں تنگ
ہوا سے پتّوں کے بجتے ہیں تال اور مردنگ
تمام باغ میں کھیلیں ہیں ہولی گل کے سنگ

عجب طرح کی مچی ہی بہار ہولی میں

مزے کی ہوتی ہی ہولی بھی راؤ راجوں کے یاں
کئی مہینوں سے ہوتا ہی پھاگ کا ساماں
منگتی ہولیاں گاتی ہیں گائنیں کھڑیاں
گلال عبیر بھی چھایا ہی در زمین و زماں

چہار طرف ہی رنگوں کی مار ہولی میں

امیر جتنے ہیں سب[۱] اپنے گھر میں ہیں خوش حال
قبائیں پہنے ہوئے تنگ تنگ گل کی مثال
بنا کے گہری طرح حوض مل کے سب فی الحال
مچاتے ہولیاں آپس میں لے عبیر و گلال

یہی ہیں رنگ سے رنگیں نگار ہولی میں

یہ سیر ہولی کی ہم نے تو برج میں دیکھی
کہیں نہ ہووے گی اس لطف کی میاں ہولی
کوئی تو ڈوباہے دامن سے لے کے تا چولی
کوئی تو مُرلی بجاتا ہی کہہ ”کنھیّا جی“

ہی دھوم دھام یہ بے اختیار ہولی میں

گھروں سے سانوری اور گوریاں نکل چلیاں
کسنبھی[۲] اوڑھنی اور مست کرتی اچپلیاں
جدھر کو دیکھیں اُدھر مچ رہی ہیں رنگ رلیاں
تمام برج کی پریوں سے بھر رہیں گلیاں

مزا ہی سیر ہی در ہر کنار ہولی میں

جو کوئی حُسن کی مدھ ماتی گوری ہی بالی
تو اُس کے چہرے سے چمکے ہے رنگ کی لالی
کوئی تو دوڑتی پھرتی ہی مست متوالی
کسی کی کُرتی بھی انگیا بھی رنگ سے رنگ ڈالی

کسی کو عیش سوا کچھ نہ کار ہولی میں

جو کچھ کہاتی ہی اَبلا بہت پیا پیاری
چلی ہی اپنے پیا پاس لے کے پچکاری
گلال دیکھ کے پھر چھاتی کھول دی ساری
پیا کی چھاتی سے لگنی وہ چاؤ کی ماری

نہ تاب دل کو رہی نے قرار ہولی میں

جو کوئی سیانی ہی ان میں تو کوئی ہی ناکند
وہ شور بور ہی سب رنگ سے نپٹ یک چند

---

(۱) اپنے گھروں۔ (۲) کسمبی۔

کوئی دلاتی ہے ساتھن کو یار کی سوگند | کہ "اب تو جامہ و انگیا کے ٹوٹے ہیں سب بند
"پھر آ کے کھیلیں گے ہو کر دوچار ہولی میں"

کوئی تو شرم سے گھونگھٹ میں سین کرتی ہے | اور اپنے یار کے نینوں میں نین کرتی ہے
کوئی تو دونوں کی باتوں کو غین کرتی ہے | کوئی نگاہوں سے عاشق کو چین کرتی ہے
غرض تماشے ہیں ہوتے ہزار ہولی میں

نظیرؔ ہولی کا موسم جو جگ میں آتا ہے | وہ ایسا کون ہے ہولی نہیں مناتا ہے
کوئی تو رنگ چھڑکتا ہے کوئی گاتا ہے | جو خالی رہتا ہے وہ دیکھنے کو جاتا ہے
جو عیش چاہو سو ملتا ہے یار ہولی میں

ہولی (۵)

جدا نہ ہم سے ہو اے خوش جمال ہولی میں | کہ یار پھرتے ہیں یاروں کے نال ہولی میں
ہر ایک عیش سے ہے گا بحال ہولی میں | بہار اور کچھ اب کے ہے سال ہولی میں
مزا ہے سیر ہے ہر سو کمال ہولی میں

سبھوں کے عیش کو پھاگن کا یہ مہینہ ہے | سفید و زرد میں لیکن کمال کینہ ہے
طلا کا زرد کنے سر بہ سر خزینہ ہے | سفید پاس فقط سیم کا دفینہ ہے
ہر ایک دل میں ہے رستم و زال ہولی میں

کہا[1] سفید سے آخر کو زرد نے یہ پیام | کہ اے سفید تو اب چھوڑ دے جہاں کا مقام
میں آیا اب تو مرا بند و بست ہو گا تمام | تو مجھ سے آن کے مل چھوڑ اپنی ضد کا کلام
وگرنہ کھینچے گا تو انفعال ہولی میں

ملے گا مجھ سے تو میں تجھ کو پھر پڑھاؤں گا | بنا کے آپ سا پاس اپنے لے بٹھاؤں گا
کہا سفید نے میں مطلقاً نہ آؤں گا | تجھی کو بعد کئی دن کے میں بھگاؤں گا
تو اپنا دیکھیو کیا ہو گا حال ہولی میں

---

(۱) کیا۔

یہ سُن کے طیش میں آ زرد کا سپہ سالار   چڑھ آیا فوج کو لے کر سفید پر یک بار
ادھر سفید بھی لڑنے کو ہو کے آیا سوار   صفیں مقابلہ دونوں کی جب ہوئیں تیار
ہوا کرخت جواب و سوال ہولی میں

پلا (۱) ادھر سے سفید اور اُدھر سے زرد بہار   گھٹائیں رنگ بہ رنگ فوجوں کی جھکیں سرشار
پکھالیں مشکیں چھُٹیں رنگ کی پڑی بوچھار   اور چار طرف سے پچکاریوں کی مارا مار
اُڑا زمیں سے زماں تک گلال ہولی میں

یہاں تو دونوں میں آپس میں ہو رہی یہ جنگ   اُدھر سے آیا جو ایک شوخ یار رُخ گل رنگ
ہزاروں نازنیں معشوق اور اُس کے سنگ   نشے میں مست، کھلی زلف، جوڑے رنگ بہ رنگ
کہا کہ پوچھو تو کیا ہے یہ حال ہولی میں

کہا کسی نے کہ "اے بادشاہ مہرویاں   سفید و زرد یہ آپس میں لڑ رہے ہیں یہاں"
یہ سُن کے آپ وہ دونوں کے آ گیا درمیاں   اِدھر سے تھاما اُسے اور اُدھر سے اس کو کہا
"تُم اس قدر نہ کرو اختلال ہولی میں"

کہا "تمھاری خصومت کا ماجرا ہے کیا   کہا سفید نے ناحق یہ زرد ہے لڑتا
یہ سُن کے اُس نے وہیں اپنا اک منگا جوڑا   پھر اپنے ہاتھ سے جوڑے کو چھڑکواں رنگوا (۲)
کہا کہ دونوں رہو شامل حال ہولی میں

پھر اپنے تن میں جو پہنا وہ خلعت رنگیں   سبھوں کو حکم ہوا تم بھی پہنو اب یوہیں
ہزاروں لڑکوں نے پہنے وہ جوڑے پھر دو ہیں   پکاری خلق کہ انصاف چاہیے یوں ہیں
ہوا پھر اور ہی حسن جمال ہولی میں

میاں میں کیا کہوں پھر اس مزے کی ٹھہری بہار   جدھر کو آنکھ اٹھا کر نظر کرو اک بار
ہزاروں باغ رواں ہیں کروڑوں ہیں گل زار   چمن چمن پڑے پھرتے ہیں سرو گل رخسار
عجب بہار کے ہیں نونہال ہولی میں

جو لہر (۳) حسن کی ہے موج مار چلتی ہے   علم لیے ہوئے آگے بہار چلتی ہے

(۱) طلا - (۲) رنگا - (۳) ہنر -

اگاڑی مست صف گل عذار چلتی ہے　　پچھاڑی عاشقوں کی سب قطار چلتی ہے
سبھوں کے دل میں خوشی کا خیال ہولی میں

گلال عبیر سے کتنے بھرے ہیں چوپائے　　تمام ہاتھوں میں گڑوے بھی رنگ کے لائے
کوئی کہے ہے کسی سے کہ "ہم بھی لو آئے"　　تو اُس سے کہتا وہ ہنس کر کہ "آ مرے جائے"
ہنسی خوشی کا ہے قال و مقال ہولی میں

اسی بہار سے گوکل پورے میں جا پہونچے　　اور منڈی نائی کی اور سید خاں کی منڈی سے
سب عالم گنج میں شاگنج و تاج گنج پھرے　　ہیں شہر میں نہیں اور گرد شہر کے رہتے
ہوا ہجوم کا بجا کمال ہولی میں

سبھوں کو لے کے کناری بزار میں آئے　　پھر موتی کٹرے ملپٹی کے لوگ سب دھائے
کہ پیپل منڈی و پنی گلی کے بھی آئے　　جہاں تہاں سے یہ گھر گھر کے لوگ سب دھائے
کہ بینواؤں کے دیکھیں جمال ہولی میں

ہوئی جو سب میں شریف و رذیل میں ہولی　　تو پہلے رنگ کی پچکاریوں کی مار ہوئی
کسی کا بھر گیا جامہ کسی کی پگڑی بھری　　کسی کے مُنہ پہ لگائی گلال کی مٹی
تو رفتہ رفتہ ہوئی پھر یہ چال ہولی میں

گھٹائیں مشک و پکھابوں کی جھوم کر آئیں　　سنہری بجلیاں پچکاریوں کی چمکائیں
صبا نے رنگ کی بوچھاریں آکے برسائیں　　ہوا نے آن کے ساون کی جھڑیاں بندھوائیں[1]
لگی برسنے کو مشک و پکھال ہولی میں

ادھر گلال کا بادل بھی چھا گیا گھنگھور　　صدائے رعد ہوئی ہر کسی کا غُل اور شور
یہ لڑکے نازنیں بولیں ہیں کوکلا جوں مور　　تمام رنگ کی بوچھار سے ہے شورا بور
عجب ہے رنگ، لگی برشکال ہولی میں

لگا کے چوک سے اور چار سو تلک دیکھا　　کہ جا گہ ایک بھی تل دھرنے کی نہیں ہے ذرا
تمام بھیڑ سے ہر طرف بند ہے رستا　　تس اُپر رنگ کا بادل ہے اس قدر برسا

---

[1] بندھوائیں۔

اے جان ہمارا بھی کہا مان، اِدھر دیکھ

ہے دید کی ہر آن طلب دل کو ہمارے
جیتے ہیں فقط تیری نگاہوں کے سہارے

ہیں یاں جو کھڑے آن کے اس شوخ کے مارے
ہم ایک نگہ کے ترے مشتاق ہیں پیارے

ٹک پیار کی نظروں سے مری جان اِدھر دیکھ

ہر چار طرف ہولی کی دھومیں ہیں اہاہا
دیکھو جدھر آتا ہے نظر زور تماشا

ہر آن جھمکتا ہے عجب[۱] عیش کا چرچا
ہولی کو نظیر اب تو کھڑا دیکھے ہے یاں کیا

محبوب یہ آیا، ارے نادان، اِدھر دیکھ

ہولی[۵] (۷)

جب پھاگن رنگ جھمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
اور دف کے شور کھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

پریوں کے رنگ دمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
ساغر مے کے چھلکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

محبوب نشے میں جھکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

ہو ناچ رنگیلی پریوں کا بیٹھے ہوں گل رو رنگ بھرے
کچھ بھیگی تانیں ہولی کی کچھ ناز و ادا کے ڈھنگ بھرے

دل بھولے دیکھ بہاروں کو اور کانوں میں آہنگ بھرے
کچھ طبلے کھڑکیں رنگ بھرے کچھ عیش کے دم منہ چنگ بھرے

کچھ گھنگرو تال چھنکتے[۲] ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

سامان جہاں تک ہوتا ہے اس عشرت کے مطلوبوں کا
وہ سب سامان مہیا ہو اور باغ کھلا ہو خوبوں کا

ہر آن شرابیں ڈھلتی ہوں اور ٹھٹھ ہو رنگ کے ڈوبوں کا
اس عیش مزے کے عالم میں اک غول کھڑا محبوبوں کا

کپڑوں پر رنگ چھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

گل زار کھلے ہوں پریوں کے اور مجلس کی تیاری ہو
کپڑوں پر رنگ کے چھینٹوں سے خوش رنگ عجب گل کاری ہو

منہ لال گلابی آنکھیں ہوں اور ہاتھوں میں پچکاری ہو
اس رنگ بھری پچکاری کو انگیا پر تک کر ماری ہو

سینوں سے رنگ ڈھلکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

۵؎ جن بندوں کے سامنے یہ نشان ص ہے وہ کلیات نظیر مرتبہ مولوی سید محمد عبدالغفور شہباز سے نقل کئے گئے ہیں۔

(۱) ہر اک۔ (۲) چھنکتے۔

کہ ہر گلی میں بہا ڈھوبی کھال[ع] ہولی میں

نظیر ہولی تو ہے ہر نگر میں اچھی خوب
ولیک ختم ہوا آگرہ پہ یہ اسلوب

کہاں ہیں ایسے صنم اور کہاں ہیں یہ محبوب
جھبوں کے دیکھتے[۱] عاشق کا ہووے تازہ قلوب

تری[۲] نرالی ہے یاں چال ڈھال ہولی میں

ہولی (۶)

ملنے کا ترے رکھتے ہیں ہم دھیان ادھر دیکھ
بھاتی ہے بہت ہم کو تری آن اِدھر دیکھ

ہم چاہنے والے ہیں ترے جان، ادھر دیکھ
ہولی ہے صنم، ہنس کے تو اک آن ادھر دیکھ

اے رنگ بھرے نوگلِ خنداں، اِدھر دیکھ

ہم دیکھنے تیرا یہ جمال اِس گھڑی اے جان
آئے ہیں یہی کر کے خیال اس گھڑی اے جان

تو دل میں نہ رکھ ہم سے ملال اس گھڑی اے جاں
مکھڑے پہ ترے دیکھ گلال اس گھڑی اے جان

ہولی بھی یہی کہتی ہے اے جان اِدھر دیکھ

اب زرد یہ چیرا، جو ترے سر پہ جما[۳] ہے
اور اس پہ یہ طرہ جو زری کا بھی دھرا ہے

نیمہ بھی ترا رنگ سے کیسر کے بھرا ہے
پوشاک پہ تیری یہ گل صد برگ فدا ہے

نرگس تری آنکھوں پہ ہے قربان اِدھر دیکھ

ہولی کی طرب ہے جو ہر اک جا میں نمودار
سنتے ہیں کہیں راگ کہیں مے سے ہیں سرشار

ہے دل میں ہمیں تو تری نظروں سے سروکار
پچکاری ہمارے تو لگا یا نہ لگا یار

ہم کو تو فقط ہے یہی ارمان، اِدھر دیکھ

ہے دھوم سے ہولی کے کہیں شور، کہیں غل
ہوتا نہیں ٹک رنگ چھڑکنے میں تامل

دف بجتے ہیں سب ہنستے ہیں اور دھوم ہے بالکل
ہولی کی خوشی میں تو نہ کر ہم سے تغافل

ع ڈھوبی کھال آگرہ میں غالباً جمنا کی کسی چھوٹی سی شاخ کا نام ہے۔ ممکن ہے کہ دھوبی کھال ہو یعنی جمنا کا وہ حصہ جہاں دھوبی کپڑے دھوتے ہیں۔ (شہباز)

(۱) جھبوں کے دیکھے سے عاشق کا تازہ ہووے قلوب (۲) بڑی۔ (۳) سجا۔

اس رنگ رنگیلی مجلس میں، وہ رنڈی ناچنے والی ہو / مُنہ جس کا چاند کا ٹکڑا ہو اور آنکھ بھی مے کی پیالی
بدمست، بڑی متوالی ہو، ہر آن بجاتی تالی ہو / مے نوشی ہو بے ہوشی ہو، "بھڑوے" کی مُنہ میں گالی
بھڑوے بھی بھڑوا بکتے ہوں، تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اور ایک طرف دل لینے کو محبوب بھویوں کے لڑکے / ہر آن گھڑی گت بھرتے ہوں کچھ گھٹ گھٹ کے کچھ بڑھ بڑھ
کچھ ناز جتاویں لڑ لڑ کے کچھ ہولی گاویں اڑ اڑ کے / کچھ لچکے شوخ کمر پتلی کچھ ہاتھ چلے کچھ تن پھڑ
کچھ کافر نین مٹکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

یہ دھوم مچی ہو ہولی کی اور عیش مزے کا جھکڑ[۱] ہو / اُس کھینچا کھینچ گھسیٹی[۲] اور بھڑوے رنڈی کا پھکڑ[۳] ہو
معجون شرابیں ناچ مزا اور ٹکیا سلفا ککڑ[۴] ہو / لڑ بھڑ کے نظیر پھر نکلا ہو کیچڑ میں لتھڑ پتھڑ ہو
جب ایسے عیش جھمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

ہولی (۸)

آ جھمکے عیش و طرب کیا کیا، جب حسن دکھایا ہولی نے / ہر آن خوشی کی دھوم ہوئی، یوں لطف جتایا ہولی نے
ہر خاطر کو خرسند کیا، ہر دل کو لبھایا ہولی نے / دف رنگین نقش سنہری کا، جس وقت بجایا ہولی نے
بازار گلی اور کوچوں[۵] میں غل شور مچایا ہولی نے

یا سوانگ کہوں، یا رنگ کہوں، یا حسن بتاؤں ہولی کا / سب ابرن تن پر جھمک رہا اور کیسر کا ماتھے[۶] ٹیکا
ہنس دینا ہر دم ناز بھرا، دکھلانا سج دھج شوخی کا / ہر گالی مصری قند بھری، ہر ایک قدم اٹکھیلی کا
دل شاد کیا اور موہ لیا یہ جوبن پایا ہولی نے

کچھ طبلے کھڑکے تال بجے کچھ ڈھولک اور مردنگ بجے / کچھ جھڑپیں[۷] بین ربابوں کی کچھ سارنگی اور چنگ بجے
کچھ تار طنبوروں کے جھنکے کچھ ڈھمڈھی اور مرچنگ[۸] بجے / کچھ گھنگھرو چھنکے چھم چھم چھم کچھ گت گت پر آہنگ بجے
ہے ہر دم ناچنے گانے کا یہ تار بندھایا ہولی نے

ہر جاگہ تھال گلالوں سے خوش رنگت کی گل کاری ہے / اور ڈھیر عبیروں کے لاگے سو عشرت کی تیاری ہے
ہیں راگ بہاریں دکھلاتے اور رنگ بھری پچکاری ہے / منہ سرخی سے گلنار ہوئے تن کیسر کی سی کیاری ہے

(۱) جھکڑ - (۲) - اوپر - (۳) - کی کستی میں - (۴) - کوچے - (۵) پوشاک - (۶) - ماتھے - (۷) - جھڑپیں - (۸) - منہ چنگ

یہ روپ جھمکتا[1] دکھلایا، یہ رنگ دکھایا[2] ہولی نے

پوشاکیں چھڑکیں رنگوں کی اور ہر دم رنگ افشانی ہے　　ہر وقت خوشی کی جھمکیں[3] ہیں پچکاریوں کی رخشانی ہے

کہیں ہوتی ہے دھینگا مشتی کہیں ٹھہری کھینچا تانی ہے　　کہیں لپٹیاں جھمکتی[3] رنگ بھری کہیں چوتا[4] کیچڑ پانی ہے

ہر چار طرف خوش حالی کا یہ ہرش بڑھایا ہولی نے

ہر آن خوشی سے[5] آپس میں سب ہنس ہنس رنگ چھڑکتے ہیں　　رخسار گلالوں سے گلگوں کپڑوں سے رنگ ٹپکتے ہیں

کچھ آگ[6] اور رنگ جھمکتے ہیں کچھ مے کے جام چھلکتے[7] ہیں　　کچھ کودے[8] ہیں کچھ اچھلے[9] ہیں کچھ ہنستے ہیں کچھ بکتے ہیں

یہ طور یہ نقشہ عشرت کا، ہر آن بنایا ہولی نے

محبوب پری رو پیاروں کی ہر جانب نوک جھوکی ہے　　کچھ آن رنگیلی چلتی ہے کچھ بان ادھر سے روکی ہے

کچھ سینیں ترچھی سحر بھری کچھ گھات لگاوٹ جوکی ہے　　کچھ شور اہا ہا کا، کچھ دھوم اہو ہو ہو کی ہے

یہ عیش یہ حظ، یہ کام، یہ ڈھب ہر آن جتایا ہولی نے

معجونوں سے رنگ لال ہوئے کہیں چلتی مے کی پیالی ہے　　کہیں ساز طرب کے بجتے ہیں دل شاداں منہ پر لالی ہے

سو کثرت عیش مسرت کی خوش وقتی اور خوش حالی ہے　　کچھ بولی ٹھولی پیار بھری کچھ گالی ہے کچھ تالی[10] ہے

ان چرچوں کا ان چہلوں کا یہ تار لگایا ہولی نے

ہیں کیا کیا سر میں رنگ بھرے اور سوانگ بھی کیا کیا آتے ہیں　　کرتا ہیں ہر دم چہل بھری خوش ہنستے[11] اور ہنساتے ہیں

کچھ جوگی چیلے بنتے ہیں کچھ کامنیوں کی گاتے ہیں　　کچھ اور طرح کے سوانگ بنیں کچھ ناچتے کچھ گاتے ہیں

ہر آن نظیر اس فرحت کا، سامان دکھایا ہولی نے

ہولی (۹)

عالم میں پھر آئی طرب عنوان سے ہولی　　فرحت کو دکھاتی ہی گئی شان سے ہولی

رنگی ہوئی رنگوں کی فراوان سے ہولی　　گل گوں ہے گلالوں کی گل افشان سے ہولی

جھمکی طرب و عیش کے سامان سے ہولی

دف بجنے لگے ہر کہیں غل شور کی ٹھہری　　گلیوں میں ہوئی خوش دلی اور کوچوں[12] میں خوبی

(۱) چمکتا۔ (۲) بنایا۔ (۳) جھمکیں جھمکتی۔ (۴) پڑتا۔ (۵) سے۔ (۶) راگ۔ (۷) چھلکنے۔ (۸) کودیں۔ (۹) اچھلیں۔ (۱۰) تالی۔ (۱۱) خود بخود
(۱۲) کوچوں سے مطلب ہے۔

یہ ناچ لگے ہونے کہ دل خوش ہوئے اور جی   اور راگ خوش آواز ہوئے ایسے کہ جن کی
ہر تان لگی کھیلنے ہر کان سے ہولی

ہے فرحت و عشرت جو ہر اک جا ہیں فراواں   چرچے ہیں بڑے دھوم کے چہلیں ہیں نمایا
آئے ہیں تماشے کے لیے نازنیں خوباں   ہولی کا عجب حسن بڑھاتے ہیں یہ ہر آ
جب کہتے ہیں اپنے لب خنداں سے "ہولی"

چہروں پہ گلال اُن کے لگا ہے جو بہت سا   آتا ہے نظر حسن کا کچھ زور ہی نقش
ہر رنگ میں اور روپ میں جھمکا جو پری کا   دیکھ اُن کی بہاریں یہی کہتے ہیں" اہا ہا
"دُنیا میں یہ آئی ہے پرستان سے" ہولی"

چھلکے ہیں یہ کچھ حسن پری چہروں کے، یارو   سب اُن کی جھمک دیکھ کے کہتے ہیں" اُہو ہو
پھرتے ہیں لگے چاہنے والے بھی جو خوش ہو   پوشاک چھڑکواں سے یہ جاتے ہیں جدھر ک
واں اُن کے لگی پھرتی ہے داماں سے ہولی

محبوبوں میں ٹھہرا ہے عجب ہولی کا چرچا   جو رنگ جھمکتا ہے بڑا ناز و ادا کا
ہر آن جتاتے ہیں کھڑے شوخیاں کیا کیا   اور پان جو کھاتے ہیں تو وہ پان بھی گو
کھیلے ہے بتوں کے لب و دنداں سے ہولی

مکھڑے پہ گلال آتا ہے جب دم نظر اُن کے   ہوتے ہیں نگاہوں میں عجب حسن کے نقشے
پچکاریاں ہنس ہنس کے جو ہر دم ہیں لگاتے   وہ ہاتھ حنا بستہ بھی کچھ ملتے ہیں ایسے
جو کھیلیں ہیں عاشق کے گریباں سے ہولی

کہتے ہیں کئی ہم سے 'میاں، آنکھ لڑا دو   تھوڑا سا گلال اب تو ادھر کو بھی جھکا دو"
کہتا ہے کوئی" لو کوئی پچکاری لگا دو"   کہتا ہے کوئی" اس گھڑی وہ آن دکھا دو"
"جو آن کے کھیلے مرے ایمان سے ہولی"

وہ شوخ لیے رنگ ادھر جب گھڑی آیا   پھر اُس پہ وہیں رنگ بہت ہم نے بھی چھڑکا
اُس نے ہمیں اور ہم نے اُسے خوب بھگویا   اس عیش کے نقشے کو نظیر آگے کہوں کیا
ہم کھیلے یہ محبوب کے احسان سے ہولی

ہولی (۱۰)

ہولی کی بہار آئی فرحت کی کھلیں کلیاں
باجوں کی صداؤں سے کوچے[1] بھرے اور گلیاں

دل بر سے کہا ہم نے ٹک چھوڑیے چھلبلیاں
اب رنگ گلالوں کی کچھ کیجیے رنگ رلیاں

"ہولی میں یہی دھومیں لگتی ہیں بہت بھلیاں"

"ہے سب میں مچی ہولی اب تم بھی یہ چرچا لو
رکھواؤ عبیر اے جان، اور مے کو بھی منگواؤ

ہم ہاتھ میں لوٹا لیں تم ہاتھ میں لٹیا لو
"ہم تم کو بھگو ڈالیں، تم ہم کو بھگو ڈالو

"ہولی میں یہی دھومیں لگتی ہیں بہت بھلیاں"

"ہے طرز جو ہولی کی اُس طرز ہنسو، بولو
"جو چھیڑ ہے عشرت کی اب تم بھی وہی چھیڑو

"ہم ڈالیں گلال اے جاں، تم رنگ ادھر چھڑکو
"ہم بولیں، اہا ہا ہا، تم بولو، اُہو ہو ہو

"ہولی میں یہی دھومیں لگتی ہیں بہت بھلیاں"

"اس دم تو میاں ہم تم اِس عیش کی ٹھہراویں
"بھر رنگ سے ہاتھوں میں پچکاریاں چمکاویں

"کپڑوں کو بھگو ڈالیں اور ڈھنگ کئی[2] لاویں
"بھیگے ہوئے کپڑوں سے آپس میں لپٹ جاویں

"ہولی میں یہی دھومیں لگتی ہیں بہت بھلیاں"

"ہم چھیڑیں تمہیں ہنس ہنس، تم چھیڑ کی ٹھہرادو
"ہم بوسے بھی لے لیویں تم پیار سے بہلادو

"ہم چھاتی سے آلپٹیں تم سینے کو دکھلادو
"ہم پھینکیں گلال اے جاں، تم رنگ کو چھلکادو

"ہولی میں یہی دھومیں لگتی ہیں بہت بھلیاں"

"یہ وقت خوشی کا ہے مت کام رکھو رم سے
"لے رنگ گلال اے جاں، اور ناز کی خم خم سے

"ہنس ہنس کے بہم لپٹیں اس عیش کے عالم سے
"ہم چھوڑ کہیں تم سے تم چھوڑ، کہو ہم سے

"ہولی میں یہی دھومیں لگتی ہیں بہت بھلیاں"

"کپڑوں پہ جو آپس میں اب رنگ پڑے ڈھلکیں
اُدھر پڑکے گلال اے جاں رنگین ہوں بھوویں، پلکیں

نوٹ:- ہولی (۹-۱۰) صرف کلیات نظیر (مطبع الٰہی اکبر آباد) میں ہیں۔

[1] یعنی کوچے — [2] ڈھنگ نئے؟

"کچھ ہاتھ اِدھر تر ہوں کچھ بھیگیں اُدھر الکیں
ہر آن ہنسیں کو دیں، عشرت کے مزے جھلکیں
"ہولی میں یہی دھومیں لگتی ہیں بہت بھلیاں"

"تم رنگ اِدھر لاؤ اور ہم بھی اُدھر آویں
"کر عیش کی تیاری دھن ہولی کی بر لادیں
"اور رنگ سے چھینٹوں کی آپس میں جو ٹھہرادیں
"جب کھیل چکیں، ہولی پھر سینوں سے لگ جاویں
"ہولی میں یہی دھومیں لگتی ہیں بہت بھلیاں"

"اس وقت مُہیا ہے سب عیش و طرب کی شے
"دف بجتے ہیں ہر جانب اور بین و رباب و نے
"ہو تم میں بھی اور ہم میں ہولی کی ہے جو کچھ رے"
سُن کر یہ نظیرؔ اُس نے ہنس کر یہ کہا سچ ہے
"ہولی میں یہی دھومیں لگتی ہیں بہت بھلیاں"

سامان دوالی کا

ہر اک مکان میں جلا پھر دیا دوالی کا
ہر اک طرف کو اُجالا ہوا دوالی کا
سبھی کے جی کو سماں بھا گیا دوالی کا
کسی کے دل کو مزا خوش لگا دوالی کا
عجب بہار کا ہے دن بنا دوالی کا

جہاں میں یارو عجب طرح کا ہے یہ تیوہار
کہ لپ رہے ہیں در و بام کوچہ و بازار[1]
کھلونے کھیلوں بتاشوں کا گرم ہے بازار
کسی نے نقد لیا اور کوئی کرے ہے اُدھار
سبھوں کو فکر ہے اب جا بہ جا دوالی کا

کھلونے مٹی کے گھر میں کوئی لے آتا ہے
چراغ دان کوئی ہیڑیاں منگاتا ہے
سوہانی کوچہ و مٹری کوئی پکاتا ہے
دوالی پوجے ہے ہنس ہنس دیے جلاتا ہے
ہر ایک گھر میں سماں چھا گیا دوالی کا

جہاں میں وہ جو کہاتے ہیں سیٹھ ساہو کار
دوشالہ شال زری تاش بادلے کی بہار
کھلونے کھیلوں بتاسوں کے لگ رہے انبار
چراغ جلتے ہیں گھر ہو رہا ہے سب گل زار
کھلا ہے سامنے اک باغ سا دوالی کا

---

[1] ہر اک دکان میں چراغوں کی ہو رہی ہے بہار۔

مٹھائیوں کی دکانیں لگا کے حلوائی — پکارتے ہیں کہ "لالہ دوالی ہے آئی"
بتاسے لے کوئی برفی کسی نے تلوائی — کھلونے والوں کی ان سے زیادہ بن آئی
گویا اُنھوں کے ہاں راج آگیا دوالی کا

کوئی کہے ہے اس ہاتھی کا بولو کیا لوگے — یہ دو جو گھوڑے ہیں ان کا بھی کیا بھلا لوگے
کوئی کہے ہے کہ اس بیل کا ٹکا لوگے — وہ کہتا ہے کہ "میاں، جاؤ بیٹھو کیا لوگے"
ٹکے کو لے لو کوئی چوگھڑا دوالی کا

کوئی کھڑا فقط اک چوگھڑا چکانے کو — کوئی جو گجری کا پیسا لگا بتانے کو
وہ کہتا ہے کہ میں بیچوں گا پانچ آنے کو — یہ پیسا رکھو تم اپنے افیم کھانے کو
کہ جس کی لہر میں دیکھو مزا دوالی کا

ہٹا ہے مور پہ لڑکا کسی کا یا چیلا — کوئی گلہری کے نو دام دے ہے یا دھیلا
وہ دھیلا پھینک کے اس کا کمہار البیلا — کھلونا چھین کے کہتا ہے "چل، مجھے دے لا"
تو ہی تو آیا ہے گاہک بڑا دوالی کا

کبوتروں کا کسی نے لیا نہ بیل چکا — کوئی چھدام کو رکھتا ہے بھو بیل چکا
وہ کہتا ہے کہ "میاں، لو جی، اس کا میل چکا" — یہ دھن ہے دل میں تو لڑکا تمھارا کھیل چکا
چبینا لڑکے کو دو تم دلا دوالی کا

اِدھر یہ دھوم اُدھر جوش پر جوئے خانے — قمار باز لگے جا بجا سے واں آنے
اشرفی، کوڑی، و پیسے، روپے لگے آنے — تمام جواری ہوئے مال و زر کے دیوانے
سبھوں کے سر پہ چڑھا بھوت سا دوالی کا

ہرت حرام کی کوڑی کا جن کا ہے بیوپار — اُنھوں نے کھایا ہے اس دن کے واسطے ہی اُدھار[۱]
کہے ہیں ہنس کے قرض خواہ سے ہر اک اک بار — دوالی آئی ہے سب دے دلائیں گے[۲] اے یار
خدا کے فضل سے ہے[۳] آسرا دوالی کا

ہوا ملاپ سبھوں میں گئی دلوں کی روٹھ — ہر ایک ہاتھ لگے داؤ آنے بیچ اور جھوٹھ

۱- واسطے ادھار۔ ۲- جلائیں گے۔ ۳- کی آس ہے۔

چڑھا ہے میر بساطوں کے منہ پہ رنگ انوٹھ
سُلیّاں پھینکتے ہیں اور کہیں ہے نکّی موٹھ
کہ جس کے شور سے گھر بھر گیا دوالی کا

مکان لیپ کے ٹھلیا جو کوری رکھوائی
جلا چراغ کو کوڑی[1] وہ جلد جھنکائی
اصل جواری تھے اُن میں تو جان سی آئی
خوشی سے کود اُچھل کر پکارے او بھائی
شگون پہلے کرو تم ذرا دوالی کا

شگن کی بازی لگی پہلی بار[2] گنڈے کی
پھر اُس سے بڑھ کے لگی تین چار گنڈے کی
بڑھی جو ایسی طرح بار بار گنڈے کی
تو آگے لگنے لگی پھر ہزار گنڈے کی
کمال نرخ لگا پھر تو آ دوالی کا

کسی نے گھر کی حویلی گرو رکھا، ہاری
جو کچھ تھی جنس میسر بنا بنا، ہاری
کسی نے چیز کسی کی چرا چھپا، ہاری
کسی نے گٹھری پڑوسن کی اپنی لا ہاری
یہ ہار جیت کا چرچا پڑا دوالی کا

کسی کو داؤ پہ لا نکّی موٹھ نے مارا
کسی کے گھر پہ دھرا، سوختہ نے انگارا
کسی کو نرد نے چوپڑ کے، کر دیا زارا
لنگوٹی باندھ کے بیٹھا، ازار تک ہارا
یہ شور آ کے مچا جا بہ جا دوالی کا

کسی کی جورو کہے ہے پکار "دے بھڑوے
بہو کی نوگرہی، بیٹے کے ہاتھ کے کھڑوے
جو گھر میں آوے تو سب مل کہے ہیں سو گھڑوے
نکل تو یاں سے ترا کام یاں نہیں بھڑوے"
خدا نے تجھ کو تو شہدا کیا دوالی کا"

وہ اُس کے جھونٹے پکڑ کر کہے ہے "ماروں گا
ترا جو گہنا ہے سب تار تار اُتاروں گا
حویلی اپنی تو اک داؤ پر میں ہاروں گا
یہ سب تو ہارا ہوں، خندی! تجھے بھی ہاروں گا
"چڑھا ہے مجھ کو بھی اب تو نشا دوالی کا

"تجھے خبر نہیں، خندی، یہ لت وہ پیاری ہے
کسی زمانے میں آگے ہوا جو جواری ہے
تو اُس نے جورو کی نتھ اور ازار اُتاری ہے
ازار کیا ہے کہ جورو تلک بھی ہاری ہے

۱۔ جلدی سے کوڑی۔ ا۔ ۲۔ یار۔

"سنا یہ تو نے نہیں ماجرا دوالی کا"

جہاں میں یہ جو دوالی کی سیر ہوتی ہے
تو زر سے ہوتی ہے اور زر بغیر ہوتی ہے
جو ہارے اُن پہ خرابی کی فیر ہوتی ہے
اور اُن میں آن کے جن جن کی خیر ہوتی ہے
تو آڑے آتا ہے اُن کے دیا دوالی کا

یہ باتیں سچ ہیں، نہ جھوٹ ان کو جانیو یارو
نصیحتیں ہیں، انھیں دل سے مانیو یارو
جہاں کو جاؤ، یہ قصہ بکھانیو، یارو
جو جواری ہو، نہ بُرا اُس کا مانیو، یارو
نظیر آپ بھی ہے جواریا دوالی کا

راکھی

چلی آتی ہے اب تو ہر کہیں بازار کی راکھی
سُنہری، سبز، ریشم زرد اور گل نار کی راکھی
بنی ہے گو کہ نادر خوب ہر سردار کی راکھی
سلونوں میں عجب رنگیں ہے اُس دل دار کی راکھی
نہ پہونچے ایک گُل کو یار جس گل زار کی راکھی

عیاں ہے اب تو راکھی بھی، چمن بھی، گُل بھی، شبنم بھی
جھمک جاتا ہے موتی اور جھلک جاتا ہے ریشم بھی
تماشا ہے اہا ہا! غنیمت ہے یہ عالم بھی
اُٹھانا ہاتھ، پیارے، واہ وا ٹک دیکھ لیں ہم بھی
تمھاری موتیوں کی اور زری کے تار کی راکھی

مچی ہے ہر طرف کیا کیا سلونو کی بہار اب تو
ہر اک گل رو پھرے ہے راکھی باندھے ہاتھ میں خوش ہو
ہوس جو دل میں گذرے ہے کہوں کیا۔ آہ میں تم کو
یہی آتا ہے جی میں بن کے باھمن آج تو یارو
میں اپنے ہاتھ سے پیارے کے باندھوں پیار کی راکھی

ہوئی ہے زیب و زینت اور خوباں کو تو راکھی سے
ولیکن تم سے اب جان اور کچھ راکھی کے گل پھولے
دوانی بلبلیں ہوں دیکھ گل چننے لگیں تنکے
تمھارے ہاتھ نے مہندی نے انگشتوں نے ناخن نے
گلستان کی چمن کی باغ کی گل زار کی راکھی

ادا سے ہاتھ اُٹھنے میں گل راکھی جو ہلتے ہیں
کلیجے دیکھنے والوں کے کیا کیا آہ چھلتے ہیں

کہاں نازک یہ پہونچی اور کہاں یہ رنگ ملتے ہیں
چمن میں شاخ پر کب اس طرح کے پھول کھلتے ہیں
جو کچھ خوبی میں ہے اُس شوخ گل رخسار کی راکھی

پھریں ہیں راکھیاں باندھے جو ہر دم حسن کے مارے
تو اُن کی راکھیوں کو دیکھ اے جاں چاؤ کے مارے
پہن زنار اور قشقہ لگا ماتھے اُوپر، بارے
نظیر آیا ہے باہمن بن کے راکھی باندھنے پیارے
بندھالو اُس سے تم ہنس کر اب اس تیوہار کی راکھی

آگرہ کی تیراکی

جب پیرنے کی رُت میں دل دار پیرتے ہیں
عاشق بھی ساتھ ان کے غم خوار پیرتے ہیں
بھولے، سیانے، نادان، ہشیار پیرتے ہیں
پیر و جوان، لڑکے، عیار پیرتے ہیں
ادنیٰ[1]، غریب، مفلس، زردار، پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جھرنے سے لے کے یارو سجان[1] کا تا پیالا
چھتری سے برج خونی، دارا کا چونترا کیا
مہتاب باغ، سید تیلی، قلعہ، در وضا
غل شور کی بہاریں، انبوہ، سیر دریا[2]
ہر اک مکاں میں ہو کر ہشیار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

باغِ حکیم، اور جو شیو داس کا چمن ہے
ان میں جگہ جگہ پر مجلس ہے انجمن ہے
میوہ، مٹھائی کھاتے[3]، اور ناچ دل لگن ہے
کچھ پیرنے کی دھوم میں کچھ عیش کا چلن ہے
عشرت میں مست ہو کر ہر بار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

برسات میں جو آکر چڑھتا ہے خوب دریا
ہر جا کھڑی، دچادر، بند، اور ناند، چکوا
ینڈا، بھنور، اچھالن، چکر، سمیٹ نالا،
ینڈا، گھمیر، تختہ، کسی، پچھاڑ، گرا[4]

---

(۱) سجان کا نابہ نالا۔ (۲) چرچا۔ (۳) کھانے۔ (۴) کرا۔

واں بھی ہنر سے اپنے ہشیار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

تربینی میں اہاہا ہوتی ہیں کیا بہاریں
خلقت کے ٹھٹھ ہزاروں پیراک کی قطاریں
پیریں، نہاویں، اچھلیں، کودیں، لڑیں، پکاریں
لے وہ چھینٹ، غوطے کھا کھا کے ہاتھ ماریں
کیا کیا تماشے کر کر اظہار، پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا اے یار پیرتے ہیں

جمنا کے پاٹ گویا صحن چمن ہی بارے
پیراک اُس میں پیریں جیسے کہ چاند تارے
منہ چاند کے سے ٹکڑے تن گورے پیارے پیارے
پریوں سے پھر رہے ہیں منجدھار اور کنارے
کچھ وار پیرتے ہیں کچھ پار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کتنے کھڑے ہیں پیرہن اپنا دکھا کے سینا
سینہ چمک رہا ہی ہیرے کا جوں نگینا
آدھے بدن پہ پانی آدھے پہ ہی پسینا
سردوں کا بہ چلا ہی گویا کہ اک قرینا
دامن کمر پہ باندھے دستار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جاتے ہیں ان میں کتنے پانی پہ صاف سوتے
کتنوں کے ہاتھ پنجرے کتنوں کے سر پہ طوطے
کتنے پتنگ اڑاتے کتنے سوئی پروتے
حقوں کا دم لگاتے ہنس ہنس کے شاد ہوتے
سو سو طرح کا کر کر بستار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کچھ ناچ کی بہاریں پانی کے کچھ کنارے
دریا میں بج رہے ہیں اندر کے سو اکھاڑے
لب ریز رنگ رخوں سے دونوں طرف کرارے
بجرے، ونا و، چپو، ڈونگے، بنے نواڑے
اِن جھمگٹوں سے ہو کر سرشار پیرتے ہیں
اِس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

---

(۱) ۔ کتے ۔ لیتے ۔ (۲) ۔ ہی ۔

ناؤں میں وہ جو گل رو ناچوں میں جھک رہے ہیں بوڑے بدن میں رنگیں گہنے بھبک(۱) رہے ہیں
تانیں ہوا میں اڑتیں طبلے کھڑک رہے ہیں عیش و طرب کی دھو میں پانی چھپک رہے ہیں
سو ٹھاٹھ کے، بنا کر اطوار، پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

ہر آن بولتے ہیں، "سید کبیر کی جے "پھر اس کے بعد اپنے استاد پیر کی جے
"نور، وکٹ، کنھیا، جمنا کے تیر کی جے پھر غول کے سب اپنے خرد و کبیر کی جے"
ہر دم یہ کر خوشی کی گفتار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کیا کیا نظیرؔ یاں کی ہیں پیرنے کی بانی ہے جن کے پیرنے کی ملکوں میں آن مانی
استاد اور خلیفہ شاگرد یار جانی سب خوش رہیں ہے جب تک جمنا کے بیچ پانی
کیا کیا ہنسی خوشی سے ہر بار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

بلدیو جی کا میلا

کیا وہ دل بر کوئی نویلا ہے ناتھ ہے اور کہیں وہ چیلا ہے
موتیا ہے چنبیلی بیلا ہے بھیڑ انبوہ ہے اکیلا ہے
شہری قصباتی اور گنویلا ہے زر اشرفی ہے پیسا دھیلا ہے
ایک کیا کیا وہ کھیل کھیلا ہے بھیڑ ہے خلقتوں کا ریلا ہے
رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہے کہیں یار اور کہیں اغیار کہیں عاشق ہے اور کہیں دل دار
کہیں بستی ہے اور کہیں گلزار کہیں جنگل ہے اور کہیں بازار

(۱) جھمک۔

وہی بھگتی ہے اور وہی اوتار اُس کی لیلائیں کس سے ہوں اظہار
آپ آتا ہے دیکھنے کو بہار آپ کہتا ہے یوں پکار پکار

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہے کہیں رام اور کہیں لچھمن کہیں کچھ مچھ ہے اور کہیں راون
کہیں باراہ کہیں مدن موہن کہیں بلدیو اور کہیں سیکشن
سب سروپوں میں ہیں اُسی کے جتن کہیں نرسنگھ ہے وہ نارائن
کہیں نکلا ہے سیر کو بن بن کہیں کہتا پھرے ہے یوں بن بن

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

آج میلے کا یاں جو ہے سامان آئے ہیں دور دور سے انسان
کوئی درشن کوئی دعائیں مان سب کی ہوتی ہیں مشکلیں آسان
ہر طرف کھل رہے گل و ریحان ہار بدھی مٹھائی اور پکوان
بھیڑ، انبوہ، غل دکان دکان اور یہی شور ہر گھڑی ہر آن

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہر طرف حُسن کی پکاریں ہیں دلربا سو برن سنواریں ہیں
اک طرف نوبتیں جھنکاریں ہیں جھانجھ، مردنگ، راس دھاریں ہیں
کہیں عاشق نظارے ماریں ہیں سونگاہوں کی جیت ہاریں ہیں
سیر ہے دید ہے بہاریں ہیں کرکے جے جے یہی پکاریں ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

اتنے لوگوں کے ٹھٹھ لگے ہیں آ — جو کہ تل دھرنے کی[1] نہیں ہی جا
لے کے مندر سے دو دو کوس لگا — باغ و بن بھر رہے ہیں سب ہر جا
ہیں ہزاروں بساطی اور سودا — لاکھوں بکتے ہیں گہنے اور مالا
بھیڑ، انبوہ، اور دھرم دھکا — جس طرف دیکھیے اہاہاہا

رنگ ہی روپ ہی جھمیلا ہی
زور بلدیو جی کا میلا ہی

بس کہ اُمڈے ہیں خلقتوں کے دل — جا بہ جا بھر[2] رہے ہیں جر جنگل
چوک بازار فوج اور دنگل — جنگلوں میں ہیں مچ رہے منگل
کوئی انبوہ میں رہا ہی کچل — کوئی دھکوں میں کر رہا ل دل
کتنے کرتے ہیں جست کود اُچھل — کتنے کہتے ہیں ہو رَچھل جھل جھل

رنگ ہی روپ ہی جھمیلا ہی
زور بلدیو جی کا میلا ہی

ہیں ہزاروں ہی جنس کے ہٹے — موتی مونگا اور آرسی بٹے
پیڑے لڈو جلیبی اور گٹے — کولے نارنگی سنگترے کھٹے
کوئی تو کر رہا ہی چھل بٹے — کوئی چڑھاتا ہی کھیر کے چٹے
پُر ہیں مندر کے کوٹھے اور اٹے — بوڑھے لڑکے جوان اور کتے

رنگ ہی روپ ہی جھمیلا ہی
زور بلدیو جی کا میلا ہی

لوگ چاروں طرف سے آتے ہیں — آکے عیش و طرب مناتے ہیں
دل سے سب درشنوں کو جاتے[3] ہیں — اپنے دل کی مُراد پاتے ہیں
جھانجھ مردنگ دف بجاتے ہیں — راس منڈل بھجن سناتے ہیں
دل میں پھولے نہیں سماتے ہیں — سب یہ ہنس ہنس کے کہتے جاتے ہیں

ن۱ - کو - ن۲ - بھ - ن۳ - دھاتے -

رنگ ہی روپ ہی جھمیلا ہی

زور بلدیو جی کا میلا ہی

ہر طرف گل بدن رنگیلے ہیں — نک بلک غنچہ لب سجیلے ہیں

بات (۱) کے ترچھے اور کٹیلے ہیں — دل کے لینے کو سب ہٹیلے ہیں

خشک تر نرم سوکھے گیلے ہیں — ٹیڑھے بل دار اور نکیلے ہیں

جوڑے بھی سرخ سبز پیلے ہیں — پیار الفت، بھانے چیلے ہیں

رنگ ہی روپ ہی جھمیلا ہی

زور بلدیو جی کا میلا ہی

خلق آتی ہی سب جڑی ہی جڑی (۲) — چیز رکھتے ہیں باندھ کر جکڑی

کوئی دوڑے ہی ہاتھ لے لکڑی — دوڑیو چور لے چلا گٹھڑی

جیب کتری کہیں گئی پکڑی — کہیں لوٹی دکان اور مٹھڑی

چور نے تاک (۳) لی کہیں پگڑی — سو تماشے، ہنسی، خوشی، پھکڑی

رنگ ہی روپ ہی جھمیلا ہی

زور بلدیو جی کا میلا ہی

نازنیں ہیں وہ سانوری گوری — جن کی نازک ہر اک پری پوری

کرکے چتون نگاہ کی ڈوری — دل کو چھینے ہیں سب زوراز (۴) زوری

دھوم، ناز، و ادا جھکا جھوری — برج میں جیسے مچ رہی ہو ری

گھونگھٹوں میں ہیں کر رہی چوری — چوری کیسی کہ صاف سر زوری

رنگ ہی روپ ہی جھمیلا ہی

زور بلدیو جی کا میلا ہی

کنڈ پر ہی نہان ہوتے ہیں — جس میں گنگا برن کے سوتے ہیں

پانی لے ہاتھ منہ کو دھوتے ہیں — کتنے کنٹھی کھڑے پڑوتے ہیں

---

(۱) بانکے۔ (۲) جٹری۔ (۳) چور کی ٹانگ ہی کہیں پگڑی۔ (۴) برازوری۔

کتنے جاکر بنوں میں سوتے ہیں　　بندروں میں چنوں کو بوتے ہیں
ان بہاروں میں ہوش کھوتے ہیں　　سو مزے سو تماشے ہوتے ہیں

رنگ ہی روپ ہی چھبیلا ہی
زور بلدیو جی کا میلا ہی

کوئی آکر بہائے اور مس سے　　رل رہا ہی بلا ہی دل جس سے
ہوتے ہیں آملاپ جس تس سے　　لڑ رہا ہی کوئی کہیں رس سے
کوئی کھویا گیا ہی مجلس سے　　کون چلائے پوچھیے کس سے
کہنی بازو میں لگ رہے گھسّے　　اور دھکا پیل اور گھماں گھسّے

رنگ ہی روپ ہی چھبیلا ہی
زور بلدیو جی کا میلا ہی

ناچ اور راگ کے کھڑاکے ہیں　　گھنگرو اور تال کے چھناکے ہیں (۱)
نقلیں، قصّے، کھانی ساکے ہیں　　کھنڈ، دوہرے، کبت، کتھا کے ہیں
کہیں آغوش کے لپاکے ہیں　　کہیں بوسوں کے سو چھپاکے ہیں
تھرتھری، دانت پر کڑاکے ہیں (۲)　　تس پہ جاڑے کے سو جھڑاکے ہیں

رنگ ہی روپ ہی چھبیلا ہی
زور بلدیو جی کا میلا ہی

صحن مندر کا سب سے ہی اعلا　　اُس کا گنبد ہی عالم بالا
ہو رہا جھانکیوں کا اُجیالا　　پردے جیسے ہیں چاند پر ہالا
ہی کوئی درشنوں کا متوالا　　کوئی جپتا ہی دھیان میں مالا
کوئی ڈنڈوتیں کر رہا لالا　　کوئی جے جے کرے ہی دھن والا

رنگ ہی روپ ہی چھبیلا ہی
زور بلدیو جی کا میلا ہی

---

(۱) چھناکے۔ (۲) کیے۔

ہے جو مندر میں آپ وہ لالن — ہر گھڑی میں بدل رہے ہیں برن
نئی پوشاک اور نئے بھوجن — نئی جھانکی ہے اور نئے درشن
آرتی[۱] کی کہیں مچی ٹھن ٹھن — کہیں گھنٹوں کی ہو رہی چھن چھن
تال، مردنگ، جھانجھ کی جھن جھن — خاص پرشاد مصری اور ماکھن

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

کوئی چنچل چلے ہے ٹھمکی چال — کچھ وہ پتلی کمر وہ لمبے بال
آنکھوں میں حُسن کے نشے، رنگ لال — مصری ماکھن کے ہاتھوں اوپر تھال
کچھ وہ پوشاک کچھ وہ حسن وجمال — مالنوں کا زیادہ اُن سے کمال
ڈال دیں ہار کا گلے میں جال — بدھی ہو کرلیں صاف دل کو نکال

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

بس کہ آئے ہیں راجہ و رانی — اور لاکھوں ہیں رانی[۲] اور نانی
بھیڑ انبوہ کی فراوانی — اور ہجوموں کی لاکھ طغیانی
پالکی ہاتھی گھوڑے رتھ بانی — جوگی بیراگی گیانی اور دھیانی
کچھ نہیں مول تول کیسا مانی[۳] — پانی کا دودھ، دودھ کا پانی

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

کتنے کچے ہیں کتنے پکے ہیں — اَدنگے[۴] منہ اور اُچھال چھکے ہیں
چور نٹ کھٹ ہیں اور اُچکے ہیں — دودھ، کھویا، ملائی، چکے ہیں
بھیڑ، انبوہ، اور بھڑکے ہیں — دُھوم دھونسوں کی اور دھڑکے ہیں
پالکی ہاتھی گھوڑے ڈھکے[۵] ہیں — سو تماشے ہیں سو جھمکے ہیں

---

(۱) آرتی مچ رہی کہیں ٹھن ٹھن (۲) رانے لاثانی (۳) پانی (۴) کتنے منہ زور (۵) دھکے

رنگ ہی روپ ہی جھمیلا ہی
زور بلدیو جی کا میلا ہی

لاکھوں بیٹھے بساطی اور منہار — اپنا سب گرم کر رہے بازار
چوڑی بنگڑی کی اک طرف جھنکار — نوگری، پونچھ، انگوٹھی، چھلّے، ہار
ٹوٹے پڑتے گنواری اور گنوار — جس گنواری کو چلیے دھکا مار
گر کے وے گالی یوں کہے ہی پکار۔ — "کیسوا اٹھلا چلے ہی داڑھی جار"

رنگ ہی روپ ہی جھمیلا ہی
زور بلدیو جی کا میلا ہی

مٹّی اور کاٹھ کے کھلونے ڈھیر — کوئی لیوے ہی کوئی دیوے پھیر
کوئی کمھاری کے کر رہا ہتھ پھیر — کوئی کا چھن کے چین[1] رہا ہی بیر
کوئی کنجڑن سے لڑ رہا منہ پھیر — کوئی بنیے کو مارتا ہی سیر
گالی، ڈک، مار کوٹ، سانجھ سویر — لاٹھی پاٹھی ہی، شور، غل، اندھیر

رنگ ہی روپ ہی جھمیلا ہی
زور بلدیو جی کا میلا ہی

سیکڑوں رنگ رنگ کی چھڑیاں — پھول گیندوں کے ہار کی لڑیاں
کہیں چھوٹیں انار پھل جھڑیاں — کہیں کھلتی ہیں دل کی گل جھڑیاں
کہیں الفت سے انکھڑیاں لڑیاں — کہیں باہیں گلے میں ہیں پڑیاں
عیش عشرت کی لٹ رہیں دھڑیاں — دال موٹھیں منگوچے اور بڑیاں

رنگ ہی روپ ہی جھمیلا ہی
زور بلدیو جی کا میلا ہی

لگ رہی بھیڑ اس قدر ٹھٹھ[2] ہو — راہ آگے کو اور نہ پیچھے کو
جو جہاں تھا وہیں[3] پھنسا پھر تو — جس کو کھینچے ہیں گر پڑے ہی سو

---

(۱) چھینتا۔ (۲) ٹرک۔ (۳) دہاں۔

بیٹھے کہتے ہیں کھا کے دھکّوں کو "جے مہاراج، رام رام بھجو"
اور گنور دل پکار کر "ہو، ہو" اب تو لٹھوا رہے لگانے کو

رنگ ہر روپ ہی جھمیلا ہی
زور بلدیو جی کا میلا ہی

کیا مچی ہی بہار "جے بلدیو" عیش کے کاروبار "جے بلدیو"
دھوم نیل و نہار "جے بلدیو" ہر کہیں آشکار "جے بلدیو"
ہر زباں پر ہزار "جے بلدیو" دم بہ دم یادگار "جے بلدیو"
کہہ نظیر اب پکار "جے بلدیو" سب کہو ایک بار "جے بلدیو"

رنگ ہر روپ ہی جھمیلا ہی
زور بلدیو جی کا میلا ہی

کنکوے اور پتنگ

یاں جن دنوں میں ہوتا ہی آنا پتنگ کا ٹھہرے ہی ہر مکاں میں بنانا پتنگ کا
ہوتا ہی کنّتوں سے منگانا پتنگ کا کرتا ہی شاد دل کو اڑانا پتنگ کا

کیا کیا کہوں میں شور مچانا پتنگ کا

اُڑنا دو باز کا ہی وہ شوخی کی دست گاہ دیکھے تو باز جرّے کو ہو اِس کی دل سے چاہ
تُکرے کی باز آوے نہ اُس جا کبھی نگاہ بحری کُہی بھی دیکھ یہ کہتے ہیں واہ واہ

ایسا ہی ناز حُسن دکھانا پتنگ کا

ہر لحظہ اِس بہار سے اُڑتا ہی للرا بلبل سمجھ کے گل جسے ہو جاوے مبتلا
گھائل کے اُڑنے کی بھی صفت اب کہوں میں کیا گھائل جو عشق کے ہیں یہ کہتے ہیں برملا

ہے دل میں خوب شوق بڑھانا پتنگ کا

اُڑنا لنگوٹیے کا ہی ایسا کچھ ارجمند گوشے سے جس کو دیکھنے آوے لنگوٹ بند
اور چاند تارے کی بھی چمک چاند سے دوچند اُڑنا پہاڑیے کا بھی ہی اس قدر بلند

اکھڑے تو پھر فلک پہ ہو پانا پتنگ کا

ہیں موج دریا کی بھی کچھ ایسی پڑھائیاں — موجیں گویا خوشی کے تلاطم میں آئیں
بوئیں الائچہ کی ہوا میں سمائیاں — چھنڈی کو دیکھیے تو کچھ ایسی اونچائیں
مشکل ہے واں سے جا کے پھر آنا پتنگ کا

تکلے[1] کے اڑنے میں بھی وہ خوبی ہے آشکار — مچھلی نگہ کی دیکھ کے ہو جس کو بے قرا
پتے کے مول کا بھی دوپنا ہے خوش نگار — ڈھیڑ بھی ابلقے کو چڑاتا ہے بار
چنچل پن اس قدر ہے جتانا پتنگ کا

اڑنا گلہرے کا بھی میں کیا کروں بیاں — دیکھیں درخت پر جسے چڑھ کر گلہریا
اور ہے دو دھارے کی بھی کچھ[2] اور آن بان — حیراں ہو جس سے تیغ نگاہ پری رخا
پھر کس طرح نہ دل ہو دِوانا پتنگ کا

اڑتا ہے اس طریق سے ہر وہ جو مانگ دار — ہوتا ہے جس پہ گوہر دل دیکھ کر نثا
خربوزے کی کانپ کا جھکنا ہلال وار — اور پیندی پان کی بھی کچھ اس طور کی
گویا ہوا میں گل ہے کھلانا پتنگ کا

بمنا بھی اپنی دیتا ہے جس وقت خوبی کھول — نکلے ہیں واہ واہ کے ہر اک زباں سے بول
اور ہے دو کونیے کی بھی اک ادا امول — اڑتا ہے کل سرے میں بھی شیرازیوں کا غول
جیدھر ہے نوک جھوک نکلنا[3] پتنگ کا

چپ کے بھی وصف کرنے میں چپکا رہوں میں کیا — شرمندہ ہو کبوتر چپ جس سے دائم
غالب ہے لگڑی اڑنے پہ لگڑی کا مرتبہ — چوکنے پچلیں ہوں اڑے جب کہ جو گھڑا
اس زور سے ہوا پہ ہے جانا پتنگ کا

اڑتے ہیں اس ہجوم سے کنکوے چمچلے — کوّا پکڑنے سے گویا کوے ہیں اڑ رہے
چھوٹی بھی تکل ایسی کہ نخ سے فقط اڑے — جھجّاو ہیں منڈھائی میں کچھ اس قدر بڑے
لازم ہے گر کہیں انھیں نانا پتنگ کا

١- بنگلے۔ ن: ٢- کی کچھ اس ڈھب۔ ن: ٣- دکھانا۔

محبوب بھی اڑاتے ہیں اس ڈھب سے نکلّیں — جن کی ادا و آن دِلوں کی کلیں چھلیں
ملنے سے دست و پا کے جو غیروں کے دل ملیں — عشاق کیوں نہ رشک سے پھر اس طرح جلیں
ہو جس طرح سے شمع پہ آنا پتنگ کا

پتلی کمر کو موڑے ہیں جس وقت کج کلاہ — باہیں دراز کرتے ہیں لب جھپ سے خواہ مخواہ
یہ شکل دیکھ کر کوئی کہتا ہے واہ واہ — اب اس طرف لڑے گی بھلا کاہے کو نگاہ
دل میں تو کھپ رہا ہے لڑانا پتنگ کا

لاتا ہے پھیر پھار کے تکل جو اپنی واں — کہتا ہے کوئی اُن سے "خبردار ہو، میاں،
اب پیچ پڑنے کو ہیں نہ دو اتنی ٹھمکیاں — گھبرا کے کنّے اِس کے نہ پھنسنے دو میری جاں
اچھا نہیں ہے مُفت کٹانا پتنگ کا

گر پیچ پڑ گئے تو یہ کہتے ہیں دیکھیو — رہ، رہ اسی طرح سے نہ اب دیجے ڈھیل کو
"پہلے تو یوں قدم کے تئیں، او میاں، رکھو — پھر ایک رگڑا دے کے ابھی اس کو کاٹ دو
ہے گا اسی میں فتح کا پانا پتنگ کا

اور جو کسی سے اپنی وہ تکّل کو لیں بچا — یعنی ہے مانجھا خوب [منجھا] اُس کی ڈور کا
کرتا ہے واہ واہ کوئی شور غل مچا — کوئی پکارتا ہے کہ" اے جاں کہوں میں کیا؟
اچھا ہے تم کو یاد بچانا پتنگ کا

لڑتے ہیں جس مکاں میں پتنگ آن کر یہاں — ہوتا بڑا ہجوم ہے گیارس کے روز واں
ڈوروں کی گولی اور پتنگیں بہت عیاں — سَو سَو کھڑے اکٹھے اُڑاتے ہیں شادماں
اُس دن بڑا ہنر ہے جتانا پتنگ کا

کٹتا ہے جو پتنگ تو پھر لوٹنے اُسے — دو دو ہزار دوڑتے ہیں، چھوٹے اور بڑے
کاغذ ذرا سا ملتا ہے یا ٹکڑے کانپ کے — جب اس طرح کی سیر بھلا آن کر پڑے
پھر سوچیے تو کیا ہے ٹھکانا پتنگ کا

اس آگرے میں یہ بھی تماشا ہے دل پذیر — ہوتے ہیں دیکھ شاد جسے خرد اور کبیر
کیوں کر نہ دل پتنگ کی ہو ڈور میں اسیر — خوباں کے دیکھنے کے لیے کیا میاں نظیرؔ

ہے یہ بھی ایک طرفہ بہانا پتنگ کا

کبوتر بازیؔ

ہیں عالمِ بازی میں جو ممتاز کبوتر — اور شوق کے طائر سے ہیں انباز کبو
بھاتے ہیں بہت ہم کو یہ طنّاز کبوتر — مدّت سے جو سمجھیں ہمیں ہم راز کبو
پھر ہم سے بھلا کیونکے رہیں باز کبوتر

حیوان ہیں گرچہ عجب انداز کے پر ہیں — صورت میں پری وار تو سیرت میں بشر ہیں
آواز سے واقف ہیں اشاروں سے خبر ہیں — پرواز میں ہم شہپر عنقائے نظر ہیں
کیا گولے ہوں اور کیا ہوں گرہ باز کبوتر

کیا بلبل و قمری و چِڑے پدڑی و پدڑے — چنڈول اگن لال بئے ابلقے طوطے
کیا طوطی و مینا و بئے تیتر و تکرے — طائر ہیں غرض بازی اشغال کے جتنے
کی غور تو ہیں سب سے سرافراز کبوتر

ہیں بصریٔ اور کابلی شیرازی نسادر — چوپاچندن و سبز مکھی شست رو و اکٹر
ٹاوسی و کل پوٹیے نیلے گلی ھقیٹر — تاروں کے وہ انداز نہیں بام فلک پر
جو کرتے ہیں چھتری کے اُپر ناز کبوتر

لقّے ہیں اِدھر اپنی کساوٹ کو دکھاتے — جتنے ہیں اُدھر سیم بری اپنی جتاتے
ہیں جوگیے بھی رنگ کئی جوگ کے لاتے — پریوں کے پرے دیکھ کے ہیں چرخ میں آتے
جب حلقہ زناں کرتے ہیں پرواز کبوتر

کھیرے و ٹپیت و چپ دلقتے و نکھیرے — زرچے وہ گل آنکھ اور لل آنکھ اودسے وزردے
کچھ کا برے تیرے مسی و توسی و پلکے — پھرتے ہیں ٹھمک چال سُناتے ہیں خوشی سے
کیا کیا وہ غٹرغوں کی خوش آواز کبوتر

ع۵۔ اس پر فرہنگ کے آخر میں جو نوٹ ہے دیکھو۔

(۱)۔ پیئی۔ (۲)۔ پدے۔ (۳)۔ پیئی۔ (۴)۔ اکرؔ۔ (۵)۔ نکھرے۔ (۶)۔ طوسی۔

سیاہ بٹے اور گھاگھرے تنبولئے پان لال　　کچھ اگرئی اور سرمئی اور عنبری اور خال
بھورے ٹکسی تانبڑے ببرے بھی خوش احوال　　پھر نبڑے اور کاسنی لوٹن بھی سبک بال
کھولے ہیں گرہ دل کی گرہ باز کبوتر

"کوکرکے جدھر کے تئیں چھیپی کو ہلاویں　　کچھ ہوئے غرض پھر وہ اُسی سمت کو جاویں
کُٹی کو نہ پھڑکاویں تو پھر تہ کو نہ آویں　　چھوڑ اِن کو نظیر اپنا دل اب کس سے لگادیں
اپنے تو لڑکپن سے ہیں دم ساز کبوتر

بلبلوں کی لڑائی

کل بلبلیں جو نو دس، قابو میں اپنے آئیں　　اُس میں سے دو پکڑ کر کُشتی میں دھر کھڑائیں
یہ شور سن کے خلقت، دوڑ آئی دائیں بائیں　　کوئی بولا "واہ حضرت" کوئی بولا "واہ سائیں"
سَو سَو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اِس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

دسؔ میں تو دونوں کٹ کٹ لڑتی تھیں کرکے کِدّا　　جب تیسری کو چھوڑا اُبھر تو ہوا تگڈا
خلقت یہ آکے ٹوٹی، چھوڑ اپنا اپنا اڈا　　کڑکی کسی کی پسلی ٹوٹا کسی کا ہڈا
سَو سَو طرح کی دھومیں اِک دم میں کر دکھائیں
اِس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

تھی تین کی یہ کُشتی چوتھی کو اُس میں چھوڑا　　اُس نے تو خم بجا کر تینوں کو دھر جھنجھوڑا
پھر تو یہ پھٹکا آکر، اِن کُشتیوں کا کوڑا　　چھوٹا کسی کا ہاتھی، بھاگا کسی کا گھوڑا
سَو سَو طرح کی دھومیں اِک دم میں کر دکھائیں
اِس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

اِک کنکری جو ماری، پڑھ ہم نے پھر فسوں کی　　کُشتی میں گتھڑی بندھ گئی اُن چاروں بلبلوں کی
سُن سُن کے جھنجیں اُن کی لڑنے میں غرغوں کی　　سب بولے "واہ حضرت، اچھی یہ پڑھ کے پھونکی"

نڑا۔ ہتڑے۔ نڑا۔ دو۔ نڑ۳۔ چیں چیں۔

سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اِس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

سُن سُن کے چیخیں ان کی چڑیاں جو چوں چوں آئیں — کوّے پکارے غاں غاں، چیلیں بھی چل چلائیں
سارو، بٹیر، مینا، چمگادڑیں بھی آئیں — مرغوں نے کلڑوں کوں کی کلکلیاں پھڑپھڑائیں
سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اِس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

چلائے مور سارس اور پھڑپھڑائے گھگّو — گدھ اور چیل دہاڑے اور پھڑپھڑائے اُلّو
کتّے بھی بھونکے بھوں بھوں گیدڑ پکارے ہو ہو — بھڑ دے گدھے بھی رینکے کر اپنی ڈھینچو ڈھینچو
سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اِس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

جب لے چلے وہاں سے ہم بلبلوں کا لشکر — سب لوگ ہنس کے بولے اُس دم دعائیں دے کر
"سب میں، میاں نظیرؔ اب تم ہو بڑے قلندر — یہ کھیل آگرے میں اب ختم ہے تمھیں پر"
سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اِس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

گلہری کا بچّا

لیے پھرتا ہے یوں تو ہر بشر بچّا گلہری کا — ہر اک اُستاد کے رہتا ہے گھر بچّا گلہری کا
ولیکن ہے ہمارا اِس قدر بچّا گلہری کا — دکھا دیں ہم کسی لڑکے کو گر بچّا گلہری کا
تو دم میں لوٹ جائے دیکھ کر بچّا گلہری کا

سفیدی میں وہ کالی دھاریاں ایسی رہی ہیں بن — کہ جیسے گال پر لڑکوں کے چھوٹے زلف سی ناگن
کناری دار پٹّا جس میں گھنگرو کر رہے چھن چھن — گلے میں ہنسلی پانوٴں میں کڑے اور ناک میں لٹکن
رہا ہے سر بہ سر گہنے میں بھر، بچّا گلہری کا

(۱) چیں چیں۔ (۲) چوں چوں آئیں۔ (۳) کلکلیاں۔ (۴) چھوٹی زلف کی۔

کسی سردار کے دل میں یہ آیا ایک دن یارو / کہ دیکھے گھر بلا کر عشق بازوں کے ہنر کو وو
کہا اُس نے کہ "ہاں اس ڈھب کے اُستادوں کو لے آؤ" / سو نوکر اُس کا سب میں ڈھونڈھ چن کر لے گیا ہم کو
نہ تھا ہم پاس اُس دم کچھ مگر بچّا گلہری کا

وہ دیکھے تو بُری صورت، بُرا حال اور پھٹے کپڑے / بڑھے ڈاڑھی کے بال اور زرد مُنہ آنکھوں میں آنسو سے
بندھی میلی سی پگڑی سر پہ، اور ٹکڑے انگرکھے کے / وہ کپڑے گو پھٹے تھے پر ہم اپنے فن میں تھے پورے
لگا رکھتے تھے ایسے وقت پر بچّا گلہری کا

کہیں بیٹھا تھا واں اُس کا برس بارہ کا اِک لڑکا / وہ گورا گدگدا اچھا پری سا، چاند کا ٹکڑا
جونہی اُس نے وہ بچّا آہ یارو اِک نظر دیکھا / وُہیں لٹّو ہوا بولا "یہی لوں گا، یہی لوں گا
"بٹھا دو جلد میرے ہاتھ پر بچّا گلہری کا"

یہ کہہ کر بے قراری سے وہ لڑکا شوق میں غش ہو / وہیں گھبرا کے آ پہونچا، جہاں ہم تھے کھڑے یارو
لگا سو منتوں سے مانگنے وہ، یہ تو ہم کو دو / وہ باپ اُس کا پکارا "یاں نکالو جلدی سے اس کو
"غضب جادو کا رکھتا ہے اثر بچّا گلہری کا"

پڑی الفت ہی جب سے اے نظیرؔ اس شوخ بچّے کی / اڑائیں تب سے سیریں ہم نے کیا کیا کچھ تماشے کی
نہ خواہش لال کی ہے اب نہ پدڑی کی نہ پدّے کی / نہ اُلفت کچھ کبوتر کی نہ طوطے کی نہ بگلے کی
ہمیں کافی ہے اب تو عمر بھر بچّا گلہری کا

ریچھ کا بچّا

کل راہ میں جاتے جو ملا ریچھ کا بچّا / لے آئے وہیں ہم بھی اُٹھا ریچھ کا بچّا
سو نعمتیں کھا کھا کے پلا ریچھ کا بچّا / جس وقت بڑا ریچھ ہوا ریچھ کا بچّا
جب ہم بھی چلے ساتھ چلا ریچھ کا بچّا

تھا ہاتھ میں اک اپنے سوا من کا جو سونٹا / لوہے کی کڑی جس پہ کھڑکتی تھی سراپا
کاندھے پہ چڑھا جھولنا اور ہاتھ میں پیالا / بازار میں لے آئے دکھانے کو تماشا
آگے تو ہم اور پیچھے وہ تھا ریچھ کا بچّا

تھا ریچھ کے بچے پہ وہ گہنا جو سراسر — ہاتھوں میں کڑے سونے کے بجتے تھے جھک کر
کانوں میں دُر اور گھنگرو پڑے پانوں کے اندر — وہ ڈور بھی ریشم کی بنائی تھی جو پُر زر(۱)
جس ڈور سے یارو تھا بندھا ریچھ کا بچا

جھمکے وہ جھمکتے تھے پڑے جس پہ کرن پھول — مقیش کی لڑیوں کی پڑی پیٹھ اُپر جھول
اور اُن کے سوا کتنے بنھائے تھے جو گل پھول — یوں لوگ گرے پڑتے تھے سر پانوں کی سدھ بھول
گویا وہ پری تھا کہ نہ تھا ریچھ کا بچا

اِک طرف کو تھیں سیکڑوں لڑکوں کی پکاریں — اک طرف کو تھیں پیر و جوانوں کی قطاریں
کچھ ہاتھیوں کی قیق اور اُونٹوں کی ڈکاریں — غل شور مزے بھیڑ ٹھٹھ انبوہ بہاریں
جب ہم نے کیا لا کے کھڑا ریچھ کا بچا

کہتا تھا کوئی ہم سے ’میاں آؤ قلندر، — وہ کیا ہوئے اگلے جو تمھارے تھے وہ بندر“
ہم اُن سے یہ کہتے تھے ”یہ پیشہ ہے قلندر — ہاں چھوڑ دیا، بابا! اُنھیں جنگلے کے اندر
جس دن سے خدا نے یہ دیا ریچھ کا بچا“

”مدت میں اب اس بچے کو ہم نے ہے سدھایا — لڑنے کے سوا ناچ بھی اِس کو ہے سکھایا“
یہ کہہ کے جو ڈھپلی کے تئیں گت پہ بجایا — اِس ڈھب سے اُسے چوک کے جمگھٹ میں نچایا
جو سب کی نگاہوں میں کھپا ریچھ کا بچا

پھر ناچ کے وہ راگ بھی گایا تو وہاں واہ — پھر کہروا ناچا تو ہر اک بولی زباں واہ
ہر چار طرف سیتی کہیں پیر و جواں ”واہ“ — سب ہنس کے یہ کہتے تھے ”میاں واہ، میاں واہ“
”کیا تم نے دیا خوب نچا ریچھ کا بچا“

اِس ریچھ کے بچے میں تھا اس ناچ کا ایجاد — کرتا تھا کوئی قدرت خالق کے تئیں یاد
ہر کوئی یہ کہتا تھا ’خدا تم کو رکھے شاد“ — اور کوئی یہ کہتا تھا ”ارے واہ رے اُستاد
”تو بھی جیے اور تیرا سدا ریچھ کا بچا“

جب ہم نے اُٹھا ہاتھ کڑوں کو جو ہلایا — خم ٹھونک پہلواں کی طرح سامنے آیا
لپٹا وہ تو کشتی کا ہنر آن دکھایا — واں(۲) چھوٹے بڑے جتنے تھے اُن سب کو رجھایا

(۱) سراسر (۲) جو

اس ڈھب سے اکھاڑے میں لڑا ریچھ کا بچّا

جب کُشتی کی ٹھہری تو وہیں سر کو جو جھاڑا
للکارتے ہی اس نے ہمیں آن لتاڑا

گہ ہم نے پچھاڑا اُسے گہ اُس نے پچھاڑا
اک ڈیڑھ پہر پھر ہوا کشتی کا اکھاڑا

گو ہم بھی نہ ہارے نہ ہٹا ریچھ کا بچّا[1]

یہ داؤں میں پیچوں میں جو کشتی میں ہوئی دیر
یوں پڑتے روپے پیسے کہ آندھی میں گویا بیر

سب نقد ہوئے آکے سوا لاکھ روپے ڈھیر
جو کہتا تھا ہر اک سے اسی طرح سے منہ پھیر

"یارو تو لڑا دیکھو ذرا ریچھ کا بچّا"

کہتا تھا کھڑا کوئی جو کر آہ "اہاہا"
اس کے تمھیں اُستاد ہو، واللہ، اہاہا

"یہ سحر کیا تم نے تو ناگاہ، اہاہا"
کیا کہیے غرض آخر شش اے واہ اہاہا

"ایسا تو نہ دیکھا نہ سُنا ریچھ کا بچّا"

جس دن سے نظیرؔ اپنے تو دل شاد یہی ہیں
جاتے ہیں جدھر کو ادھر ارشاد یہی ہیں

سب کہتے ہیں، وہ صاحب ایجاد یہی ہیں
کیا دیکھتے ہو تم کھڑے؟ اُستاد یہی ہیں

"کل چوک میں تھا جن کا لڑا ریچھ کا بچّا"

اژدہے کا بچّا

بیچے ہے اب تو کوئی بلبل بٹے کا بچّا
اور بیچتا ہے کوئی طوطے ہرے کا بچّا

مینا، بیا، لٹورا، اور ابلقے کا بچّا
تیتر، بٹیر، سارس، شکرے، لوے کا بچّا

سب بیچتے ہیں آکر چیتے گھڑے[3] کا بچّا

ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا

کھاتے تھے ہم تو اس سے آگے پلاؤ قلیا
یا روکھی سوکھی روٹی یا باجرے کا دلیا

پھرتے ہیں سر پہ رکھ کر چالیس من کی ڈلیا
اب کوئی آگرے میں ایسا نہیں ہر بلیا

---

(۱) نسخہ ۱- پر ہم بھی نہ ہارے نہ تھکا ریچھ کا بچّا- نسخہ ۲- پر ہم بھی نہ ہارے نہ تھکا ریچھ کا بچّا-

نسخہ ۳- خرے-

سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھڑے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا

جب بیچتے تھے یارو ہم اژدہا پرانا — سو سو طرح کا جب تو آتا تھا ہم کو کھانا
اب گاہکی جو کم ہے تو ہے یہ دل میں ٹھانا — اک بچّا روز لانا اور روز بیچ کھانا

سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھڑے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا

گاہک نہ کوئی بولا ہے یہ بُرا زمانا — آج اُس کو سر پہ رکھ کر سب شہر ہم نے چھانا
اب بھی بکا تو بہتر نہیں پھر پڑے گا لانا — ہے اِس سے ہی ہماری نت روزی کا ٹھکانا

سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھڑے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا

ہے ڈر ہم اس کو رکھیں یا پھیر کرکے جاویں — تو کیا ہم آپ کھاویں اور کیا اسے کھلاویں
کچھ بن نہیں ہے آتا یہ دُکھ کسے سناویں — جی چاہتا ہے اب تو یہ شہر چھوڑ جاویں

سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھڑے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا

سو من گیہوں کا ہر دن کھانے کو کہاں سے آوے — اور سو پکھال پانی کب تک کوئی پلاوے
جب رات ہو تو ہر دم یہ خوف جی میں آوے — شاید اسے چرا کر کوئی چور لے نہ جاوے

سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھڑے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا

روزی کے اب تو ایسے گھر گھر میں ہیں کسالے — ہاتھی و گھوڑے اپنے دیتے ہیں لوگ ڈھالے
جب تنگ ہووے روزی کون اژدہے کو پالے — اِس کی بھی اور ہماری یارو خبر خدا لے

سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھڑے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا

۱۔ خرے۔

نو دس ہزار تک تو چھونے اُسے نہ دیں گے — اتنے روپے تو اِس کے اِک پَر کے ہم نہ لیں گے
ستر ہزار تک بھی سودا نہیں کریں گے — اسّی ہزار دے گا تو ہم بھی دے چلیں گے

سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھرے[1] کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا

سب اُٹھ گئے جہاں سے وہ تھے جو لوگ جیسا — وہ رہ گئے ہیں جن کے گھر میں نہیں ہے ہنسیا
اِس بات کو تو عمدہ ہو بھوگ کا بلسیا — جو اژدہے کو پالے ایسا ہی کون رسیا

سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا

آگے تو گھر بہ گھر تھے اکثر تمام داتا — سیمرغ پالتے تھے کرنے کو نام داتا
اپنے تو کوئی ہرگز آیا نہ کام داتا — سچ ہے نظیر آخر اجگر کے رام داتا

سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا

تاج گنج کا روضہ

یارو جو تاج گنج یہاں آشکار ہے — مشہور اِس کا نام بہ شہر و دیار ہے
خوبی میں سب طرح کا اسے اعتبار ہے — روضہ جو اُس مکان میں دریا کنار ہے
نقشے میں اپنے یہ بھی عجب خوش نگار ہے

روئے زمیں پہ یوں تو مکاں خوب ہیں میاں — پر اِس مکاں کی خوبیاں کیا کیا کروں بیاں
سنگِ سفید سے جو بنا ہے قمر نشاں — ایسا چمک رہا ہے تجلّی سے یہ مکاں
جس سے بلور کی بھی چمک شرمسار ہے

گنبد ہے اس کا زورِ بلندی سے بہرہ مند — گرد اس کے گُمزیاں[2] بھی چمکتی ہوئی ہیں چند
اور وہ کلس جو ہے سرِ گنبد سے سربلند — ایسا ہلال اُس میں سنہرا ہے دل پسند

---

(۱) خوب۔ (۲) گمٹیاں

ہر بار جس کے خم پہ مہ نو نثار ہے

گنبد کے نیچے اور مکاں ہیں جو آس پاس
وہ بھی بہ رنگ سیم چمکتے ہیں خوش اساس
برسوں تک اُس میں رہیے تو ہووے نہ جی اُداس
آتی ہے ہر طرف سے گلِ یاسمن کی باس
ہوتا ہے شاد اُس میں جو کرتا گذار ہے

ہیں بیچ میں مکاں کے وہ دو مرقدیں جو یاں
گرد اُن کے ایک جالی مجرّہ ہے دُرفشاں
سنگین گل جو اُس میں بنائے ہیں تہ نشاں
پتّی کلی سہاگ رگ و رنگ ہے عیاں
جو نقش اُس میں ہے وہ جواہر نگار ہے

دیواروں پر ہیں سنگ میں نازک عجب نگار
آئینے بھی لگے ہیں مجلّٰی ہو تاب دار
دروازے پر لکھا خط طغرا ہے طرفہ کار
ہر گوشے پر کھڑے ہیں جو مینار اُس کے چار
چاروں سے طرفہ اوج کی خوبی دو چار ہے

پہلو میں ایک برج بسی کہتے ہیں اُسے
آتے نظر ہیں اُس سے مکاں دور دور کے
مسجد وہ ایسی جس کی صفت کس سے ہو سکے
پھر اور بھی مکاں ہیں اِدھر اور اُدھر کھڑے
دروازۂ کلاں بھی بلند اُستوار ہے

جو صحن باغ کا ہے وہ ہے دل کشا سوا
آتی ہے جس میں گلشن فردوس کی ہوا
ہر سو نسیم چلتی ہے اور ہر طرف ہوا
ہلتی ہیں ڈالیاں سبھی ہر گل ہے جھولتا
کیا کیا روش روش پہ ہجوم بہار ہے

سروِ سہی کھڑے ہیں قرینے سے نسترن
کو کو کریں ہیں قمریاں ہو کر شکر شکن
رابیل سیوتی سے بھرے ہیں چمن چمن
گلنار لالہ و گل و نسرین و نسترن
فوّارے چھٹ رہے ہیں رواں جوئبار ہے

وہ تاج دار شاہ جہاں صاحب سریر
بنوایا ہے اُنھوں نے لگا سیم و زر کثیر
جو دیکھتا ہے اُس کے یہ ہوتا ہے دل پزیر
تعریف اِس مکاں کی میں کیا کیا کروں نظیر
اِس کی صفت تو مشتہر روزگار ہے

شہر اکبرآباد کی تعریف

شہرِ سخن میں اب جو ملا ہے مجھے مکاں[1] کیوں کر نہ اپنے شہر کی خوبی کروں بیاں
دیکھی ہیں آگرے میں بہت ہم نے خوبیاں ہر وقت اِس میں شاد رہے ہیں جہاں تہاں
رکھیو الٰہی اِس کو تو آباد جاوداں

ہر صبح اس کی رکھتی ہے وہ نور گستری شرمندہ جس کو دیکھ کے ہو عارضِ پری
ہر شام بھی وہ مُشک ملاحت سے ہے بھری لیلیٰ کی جعد کر نہ سکے جس کی ہم سری
دن روئے مہر طلعت و شب زلف مہ وشاں

باغات پُر بہار، عمارات پُر نگار بازار وہ کہ جس پہ چمن دل سے ہو نثار
محبوب دل فریب گل اندام و گل عذار گلبُن کہیں ہیں آپ کو گل زار پُر بہار
کوچے کہیں ہیں اپنے تئیں صحن گلستاں[2]

آب و ہوا کے لُطف کوئی کیا کیا اب کہے دیکھو جدھر اُدھر گل عشرت ہیں کھل رہے
ایدھر کو تہقہے ہیں تو اُودھر کو چہچہے اشجار باغ و شہر وہ سرسبز لہلہے
سبزوں کو جن کے دیکھ کے حیراں ہو آسماں[3]

ہر فصل میں وہ ہوتے ہیں پاکیزہ میوہ جات دیکھے تو پھر نبات سے کچھ آوے بن نہ بات
شہد اُن پہ آٹھ پہر لگائے رہے ہے گھات قند و شکر بھی دل سے فدا ہوئیں دن اور رات
رہتے ہیں ان کے وصف میں ہر دم شکر فشاں

بحرِ[5] جمن کو دیکھو تو جیسے جمن کی نہر[4] لاکھوں بہاریں رکھتی ہے ایک ایک جس کی لہر
کوئی نہاوے اور کوئی منہ دھووے شاد بہر اس پر ہجوم رکھتے ہیں یوں ساکنانِ شہر
شمشاد سرو ہوتے ہیں جوں نہر پر عیاں

گریاں کے پیرنے کا کروں وصف میں رقم تو بحرِ صفحہ بیچ لگے پیرنے قلم

---

(۱) مکان (۲) گلیاں۔ (۳) سبزی کو جن کی۔ (۴) نہر۔ (۵) بحر۔

پیریں ہیں اس روش کی بہاروں سے ہو بہم ۔ سو سو چمن بھرے ہوئے شبنم کے دم بہ دم

آجاتے ہیں نظر وہیں دریا کے درمیاں

اہل شنا جو کرتے ہیں سو سو طرح شنا ۔ لہریں نشاط و عیش کی اُٹھتی ہیں دل میں آ

ملتا نہیں کنار کچھ عشرت کے بحر کا ۔ ساحل پہ جوش خلق سے ملتی نہیں ہے جا

ہوتا ہے وہ ہجوم بھی اک بحر بے کراں

یارو عجب طرح کا یہ دل چسپ ہے مقام ۔ ہوتے ہیں ایسے کتنے ہی خوبی کے ازدحام

ہر طور دل رہے ہے خوش اور طبع شاد کام ۔ میری نظیرؔ دل سے یہی ہے دعا مدام

ہنستا رہے یہ شہر بہ صد امن اور اماں

شہر آشوب

ہے اب تو کچھ سخن کا مرے کار(۱) و بار بند ۔ رہتی ہے طبع سوچ میں لیل و نہار بند

دریا سخن کی فکر کا ہے موج دار بند ۔ ہو کس طرح نہ منہ میں زباں بار بار بند

جب آگرے کی خلق کا ہو روزگار بند

بے روزگاری نے یہ دکھائی ہے مفلسی ۔ کوٹھے کی چھت نہیں ہے یہ چھائی ہے مفلسی

دیوار و در کے بیچ سمائی ہے مفلسی ۔ ہر گھر میں اس طرح سے بھر آئی ہے مفلسی

پانی کا ٹوٹ جاوے ہے جوں ایک بار بند

کڑیاں جو سال کی تھیں بکیں وہ تو لگ کے سال ۔ ناچار(۲) قرض و دام سے چھپر لیے ہیں ڈال

پھوس اور بھڑے(۳) اس کے ہیں جوں سر کے بکھرے بال ۔ اُن بکھرے پھوس سے ہے یہ اُن چھپروں کا حال

گویا کہ ان کے بھول گئے ہیں چمار، بند

دنیا میں اب قدیم سے ہے زر کا بندوبست ۔ اور بے زری میں گھر کا نہ باہر کا بندوبست

آقا کا انتظام نہ نوکر کا بندوبست ۔ مفلس جو مفلسی میں کرے گھر کا بندوبست

مکڑی کے تار کا ہے وہ نا استوار بند

ن۱۔ اختیار۔ ن۲۔ ناچار۔ ن۳۔ بھڑے۔

کپڑا نہ گٹھڑی بیچ، نہ تھیلی میں زر رہا — خطرہ نہ چور کا، نہ اُچکے کا ڈر رہا
رہنے کو بن کواڑ کا پھوٹا کھنڈر رہا — کھنکھار، جاگنے کا، نہ مطلق اثر رہا
آنے سے بھی جو ہو گئے چور و چکار بند

اب آگرے میں جتنے ہیں سب لوگ ہیں تباہ — آتا نظر کسی کا نہیں ایک دم نباہ
مانگو عزیزو ایسے بُرے وقت سے پناہ — وہ لوگ ایک کوڑی کے محتاج اب ہیں آہ
کسب و ہنر کے یاد ہیں جن کو ہزار بند

صراف، بنیے، جوہری، اور سیٹھ، ساہوکار — دیتے تھے سب کو نقد، سو کھاتے ہیں اب اُدھار
بازار میں اُڑے ہے پڑی خاک بے شمار — بیٹھے ہیں یوں دُکانوں پہ اپنی دُکان دار
جیسے کہ چور بیٹھے ہوں قیدی، قطار بند

سوداگروں کو سود، نہ بیوپاری کو فلاح — بزاز کو ہے نفع نہ پنساری کو فلاح
دلال کو ہے بافت، نہ بازاری کو فلاح — دُکھیا کو فائدہ نہ پنہاری کو فلاح
یاں تک ہوا ہے آن کے لوگوں کا کار بند

مارے ہیں ہاتھ ہاتھ پہ سب یاں کے دست کار — اور جتنے پیشہ ور ہیں سو روتے ہیں زار زار
کوٹے ہے تن لوہار، تو پیٹے ہے سر سنار — کچھ ایک دو کے کام کا رونا نہیں ہے یار
چھتیس[۳۶] پیشے والوں کے ہیں کاروبار بند

زر کے بھی جتنے کام تھے وہ سب دبک گئے — اور ریشمی قوام بھی یک سر چٹک گئے
زردار اُٹھ گئے تو بٹیے سرک گئے — چلنے سے کام تار کشوں کے بھی تھک گئے
کیا حال بال کھینچے جو ہو جاوے تار بند

بیٹھے بساطی راہ میں تنکے سے چنتے ہیں — جلتے ہیں تان بائی تو بھڑ بھونجے بھُنتے ہیں
دھنیے بھی ہاتھ ملتے ہیں اور سر کو دھنتے ہیں — روتے ہیں وہ جو مشروعِ دارائی بنتے ہیں
اور وہ تو مر گئے جو بُنیں تھے اِزار بند

گر کاغذی کے حال کے کاغذ کو دیکھیے — مطلق اُسے خبر نہیں کاغذ کے بھاؤ سے
ردی قلم دکاں میں، نہ ٹکڑے ہیں ٹاٹ کے — یاں تک کہ اپنی چھٹی کے لکھنے کے واسطے

کاغذ کا مانگتا ہے ہر اک سے اُدھار، بند

لوٹیں ہیں گرد و پیش جو قزّاق، راہ مار بیوپاری آتے جاتے نہیں ڈر سے زینہار
کُتوال رو ئیں، خاک اُڑاتے ہیں چوکی دار ملّاحوں کا بھی کام نہیں چلتا میرے یار
ناویں ہیں گھاٹ گھاٹ کی سب وار پار، بند

ہر دم کماں گروں کے اُپر پیچ و تاب ہیں صحّاف اپنے حال میں غم کی کتاب ہیں
مرتے ہیں مینا گار مصوّر کباب ہیں نقّاش اِن سبھوں سے زیادہ خراب ہیں
رنگ و قلم کے ہو گئے نقش و نگار، بند

ع۵
بے چین تھے وہ جو کہ گوندھ کے پھولوں کے بدھی ہار مرجھا رہی ہے دل کی کلی جی ہے داغ دار
جب آدھی رات تک نہ بکی جنسِ آب دار لاچار پھر وہ ٹوکری اپنی زمیں پہ مار
جاتے ہیں کر دُکان کو آخر وہ ہار، بند

حجام پر بھی یاں تئیں ہے مفلسی کا زور پیسا کہاں جو سان پہ ہو اُستروں کا شور
کاپنے ہے سر بھگوتے ہوئے اس کی پور پور کیا بات ایک بال کٹے یا تراشے کور
یاں تک ہے اُسترے و نہرنی کی دھار، بند

ڈمرو بجا کے وہ جو اتارے ہیں زہر مار آپ ہی وہ کھیلتے ہیں، ہلا سر زمیں پہ مار
منتر تو جب چلے کہ جو ہو پیٹ کا اُدھار جب مفلسی کا سانپ ہو اُن کے گلے کا ہار
کیا خاک پھر وہ باندھیں کہیں جا کے مار، بند

لذّت ہے جن کو حُسن کے نقش و نگار سے محبوب ہیں جو غنچہ دہن گل عذار سے
آدیں اگر وہ لاکھ طرح کی بہار سے کوئی نہ دیکھے اُن کو نظر بھر کے پیار سے
ایسے دلوں کے ہو گئے آپس میں کار، بند

پھرتے ہیں نوکری کو جو بن کر رسالہ دار گھوڑوں کے ہے لگام نہ اونٹوں کے ہے مہار
کپڑا نہ لتّا، پال، نہ پرتل، نہ بوجھ بھار یوں ہر مکاں میں آکے اُترتے ہیں سوگ وار
جنگل میں جیسے دیتے ہیں لا کر اُتار، بند

ع۵ جن بندوں پر یہ نشان (ع۵) بنا ہے وہ کلیات نظیر مرتبہ مولوی سید محمد عبدالغفور شہباز سے نقل کئے گئے ہیں۔
(۱) شبیہ ساز۔

کوئی پکارتا ہے پڑا "بھیج، یا خدا" — اب تو ہمارا کام تھکا، بھیج، یا خدا
کوئی کہے ہے ہاتھ اُٹھا "بھیج، یا خدا" — لے جان اب ہماری تو، یا بھیج، یا خدا
"کیوں روزی یوہیں کی مرے پروردگار بند"

محنت سے ہاتھ پانوں کے کوڑی نہ ہاتھ آئے — بیکار کب تلک کوئی قرض و اُدھار کھائے
دیکھو جسے وہ کرتا ہے رو رو کے ہائے ہائے — آتا ہے ایسے حال پہ رونا ہمیں تو، ہائے
دشمن کا بھی خدا نہ کرے، کاروبار، بند

آمد نہ خادموں کے تئیں مقبروں کے بیچ — باہمن بھی سر پٹکتے ہیں سب مندروں کے بیچ
عاجز ہیں علم والے بھی سب مدرسوں کے بیچ — حیراں ہیں پیرزادے بھی اپنے گھروں کے بیچ
نذر و نیاز ہو گئی سب ایک بار، بند

اِس شہر کے فقیر بھکاری جو ہیں تباہ — جس گھر پہ جا سوال وہ کرتے ہیں خواہ مخواہ
"بھوکے ہیں کچھ بھجائیو بابا خدا کی راہ" — واں سے صدا یہ آتی ہے "پھر مانگو" جب تو آہ
کرتے ہیں ہونٹ اپنے وہ ہو شرمسار، بند

کیا چھوٹے کام والے، وہ کیا پیشہ ور نجیب — روزی کے آج ہاتھ سے عاجز ہیں سب غریب
ہوتی ہے بیٹھے بیٹھے جب آ شام عن قریب — اُٹھتے ہیں سب دُکان سے کہہ کر کہ "یا نصیب"
"قسمت ہماری ہو گئی بے اختیار، بند"

قسمت سے چار پیسے جنھیں ہاتھ آتے ہیں — البتہ روکھی سوکھی وہ روٹی پکاتے ہیں
جو خالی آتے ہیں وہ قرض لیتے جاتے ہیں — یوں بھی نہ پایا کچھ تو فقط غم کو کھاتے ہیں
سوتے ہیں کر کواڑ کو، اِک آہ مار، بند

کیوں کر بھلا نہ مانگیے اِس وقت سے پناہ — محتاج ہو جو پھرنے لگی در بہ در سپاہ
یاں تک امیر زادے سپاہی ہوئے تباہ — جن کی جلو میں چلتے تھے ہاتھی و گھوڑے آہ
وہ دوڑتے ہیں اور کے پکڑے شکار بند

ہے جن سپاہیوں کنے بندوق اور سناں — کندے کے اُن کے نام نہ چلّے کا ہے نشاں

---

(۱) ا۔ سہ (۲) ہے۔

چاندی کے بند تار تو پیتل کے ہیں کہاں — ناچار اپنی روزی کا باعث سمجھ کے ہار
رسّی کے اُن میں باندھے ہیں پیادے سوار، بند

جو گھوڑا اپنا بیچ کے زیں کو گرو رکھیں — یا تیغ اور سپر کو لیے چوک میں پھریں
پٹکا جو بکتا آوے تو کیا خاک دے کے لیں — وہ[ن۱] پیش قبض بِک کے پڑے روٹی پیٹ میں
پھر اُس کا کون مول لے وہ پچھّے دار، بند

جتنے سپاہی یاں تھے نہ جانے کدھر گئے — دکھّن کے تئیں نکل گئے یا پیشتر[ن۲] گئے
ہتھیار بیچ ہو کے گدا گھر بہ گھر گئے — جب گھوڑے بھالے والے بھی یوں در بہ در گئے
پھر کون پوچھے ان کو جواب ہیں کٹار بند

ایسا سپاہ مرد کا دشمن زمانہ ہے — روٹی سوار کو ہے نہ گھوڑے کو دانہ ہے
تنخواہ، نے طلب ہے نہ پینا نہ کھانا ہے — پیادے دوال بند کا پھر کیا ٹھکانا ہے
دَر دَر خراب پھرنے لگے جب اُلقار بند

جتنے ہیں آج آگرے میں کارخانجات — سب پر پڑی ہے آن کے روزی کی مشکلات
کِس کِس کے دُکھ کو رویئے اور کِس کی کہیے بات — روزی کے اب درخت کا ملتا نہیں ہے پات
ایسی ہوا کچھ آکے ہوئی ایک بار، بند

ہے کون سا وہ دل جسے فرسودگی نہیں — وہ گھر نہیں کہ روزی کی نابودگی نہیں
ہرگز کسی کے حال میں بہبودگی نہیں — اب آگرے میں نام کو آسودگی نہیں
کوڑی کی آکے ایسی ہوئی رہ گذار، بند

ہیں باغ جتنے یاں کے سو ایسے پڑے ہیں خوار — کانٹے کا نام اُن میں نہیں پھول در کنار
سوکھے ہوئے کھڑے ہیں درختانِ میوہ دار — کیاری میں خاک، دھول، روش پر اُڑے غبار
ایسی خزاں کے ہاتھوں ہوئی ہے بہار، بند

دیکھے کوئی چمن تو پڑا ہے اُجاڑ سا — غنچہ، نہ پھل، نہ پھول، نہ سبزہ ہرا بھرا
آواز قمریوں کی، نہ بلبل کی ہے صدا — نے حوض میں ہے آب نہ پانی ہے نہر کا

ن۱ - جب - ن۲ - بیشتر -

چادر پڑی ہے خشک تو ہے آبشار، بند

بے وارثی سے آگرہ ایسا ہوا تباہ ٹوٹی حویلیاں ہیں، تو ٹوٹی شہر پناہ
ہوتا ہے باغباں سے، ہراک باغ کا نباہ وہ باغ کس طرح نہ لٹے اور اُجڑے، آہ

جس کا نہ باغباں ہو، نہ مالک، نہ خار بند

کیوں یارو اس مکاں میں یہ کیسی چلی ہوا جو مفلسی سے ہوش کسی کا نہیں بجا
جو ہے سو اِس ہوا میں دوانا سا ہو رہا سودا ہوا مزاجِ زمانہ کو یا خدا

تو ہی حکیم کھول دے اب اس کے چار بند

ہے میری حق سے اب یہ دعا شام اور سحر کر آگرے کی خلق یہ اب مہر کی نظر
سب کھاویں پیویں، یاد رکھیں اپنے اپنے گھر اس ٹوٹے شہر پر بھی الٰہی تو فضل کر

"کھل جاویں ایک بار تو سب کاروبار بند"

عاشق کہو، اسیر کہو، آگرے کا ہے مُلا کہو، دبیر کہو، آگرے کا ہے
مفلس کہو، فقیر کہو، آگرے کا ہے شاعر کہو، نظیر کہو، آگرے کا ہے

اِس واسطے یہ اُس نے لکھے پانچ چار بند

طفلی

کیا دن تھے، یارو وہ بھی تھے جب کہ بھولے بھالے نکلے تھی دائی لے کر پھرتی کبھی دوا لے
چوٹی کوئی رکھالے بدھی کوئی پنھالے ہنسلی گلے میں ڈالے منّت کوئی بڑھالے

موٹے ہوں یا کہ دُبلے گورے ہوں یا کہ کالے

کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

دل میں کسی کے ہرگز نے شرم نے حیا ہے آگا بھی کھل رہا ہے پیچھا بھی کھل رہا ہے
پہنے پھرے تو کیا ہے ننگے پھرے تو کب ہے یاں یوں بھی واہ وا ہے اور وُوں بھی واہ وا ہے

فدا ۔ اے ۔ ذ ۔ ہو ۔ ذ ۔ شاد رہیں ۔

کچھ کھالے اِس طرح سے کچھ اُس طرح سے کھالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

مرجاوے کوئی تو بھی کچھ اُن[ن۱] کا غم نہ کرنا
نے جانے کچھ بگڑنا نے جانے کچھ سنورنا
اُن کی بلا سے گھر میں ہو قید یا کہ گھرنا[ن۲]
جس بات پر یہ مچلے پھر وہی کر گزرنا
ماں اوڑھنی کو، بابا پگڑی کو بیچ ڈالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

جو کوئی چیز دیوے نت ہاتھ اوٹتے ہیں
گڑ، بیر، مولی، گاجر، سب منہ میں گھونٹتے ہیں
بابا کی مونچھ ماں کی چوٹی[ن۳] کھسوٹتے ہیں
گردوں میں اٹ رہے ہیں خاکوں میں لوٹتے ہیں
کچھ مل گیا سو پی لے کچھ بن گیا تو کھالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

جو اُن کو دو سو کھالیں، پھیکا ہو یا سلونا
ہیں بادشہ سے بہتر جب مل گیا کھلونا
جس جا پہ نیند آئی پھر واں ہی اُن کو سونا
پروانہ کچھ پلنگ کی، نے چاہیے بچھونا
بھونپو کوئی بجالے، پھرکی کوئی پھرا لے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

یہ بالے پن کا، یارو، عالم عجب بنا ہے
یہ عمر وہ ہے اس میں جو ہے سو بادشاہ ہے
اور سچ اگرچہ[ن۴] پوچھو تو بادشاہی کیا ہے
اب تو نظیرؔ میری سب کو یہی دعا ہے
جیتے رہیں سبھوں کے آس[ن۵] و مراد والے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

عشرتِ ایّامِ طفلی

کیا وقت تھا وہ ہم تھے جب دودھ کے چھوڑے
ہر آن آنچلوں کے معمور تھے کٹورے
پاؤں میں کالے ٹیکے ہاتھوں میں نیلے ڈورے
یا چاند سی ہو صورت، یا سانورے و گورے

ن۱ - ان کو - ن۲ - قید یا کہ دھرنا - تند یا سنگرنا ن۳ - جھونٹی - ن۴ - یہ ن۵ - اور

کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

گل کی طرح سے ہر دم سینے پہ پھولتے تھے
پی پی کے دودھ ماں کا خوش ہو کے پھولتے تھے

ماں باپ اُن کی خدمت سر پر قبولتے تھے
ہاتھوں میں کھیلتے تھے جھولوں میں جھولتے تھے

کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

نے دوستی کسی سے نے دل میں اُن کے کینا
جانیں نہ بے قرینا، نے سمجھیں کچھ قرینا

نے گرمیوں سے واقف، نے جانتے پسینا
چھاتی سے ماں کی لپٹے خوش اُن کو دودھ پینا

کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

جو دیکھے اُن کی صورت، لے پیار سے کھلاوے
ہاتھوں اُپر اچھالے اور چھیڑ کر ہنساوے

چومے کبھی دہن کو، چھاتی کبھی لگاوے
کوئی چُسنی منہ میں دیوے کوئی جھنجھنا لگاوے

کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

چھوٹا سا کوئی کُرتا اُن کا نکالتا ہے
یا چھوٹی چھوٹی ٹوپی سر پر سنبھالتا ہے

ماں دودھ ہے پلاتی اور باپ پالتا ہے
نانا گلے لگاوے دادا اُچھالتا ہے

کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

کیا عمر ہے عزیزو اور کیا یہ وقت ہے گا
جب گھٹنیوں پہ آئے پھر اور کچھ تماشا

پانوں چلے تو واں سے پھر اور پیار ٹھہرا
سب زندگی کا حظ ہے اُن کو نظیر آہا ہا

کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

جوانی

کیا عیش کی رکھتی ہے سب آہنگ جوانی
کرتی ہے بہاروں کے تئیں دنگ جوانی

ہر آن پلاتی ہے مے اور بھنگ جوانی
کرتی ہے کہیں صلح کہیں جنگ جوانی

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی

عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

اللہ نے جوانی کا وہ عالم ہے بنایا
جو ہر کہیں عاشق کہیں رسوا، کہیں شیدا

پھندے میں کہیں جی ہے کہیں دل ہے تڑپتا | مرتے ہیں، سسکتے ہیں، بلکتے ہیں، اہاہا!

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی ؏

نے مے کا، نہ معجون کے منگوانے کا کچھ غم | نے دل کے لگانے کا نہ گل کھانے کا کچھ غم
گالی کا، نہ آنکھوں کے لڑ آنے کا کچھ غم | ہنسنے کا، نہ چھاتی سے لپٹ جانے کا کچھ غم

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

لڑتی ہے کہیں آنکھ، کہیں دشت کہیں سین | جھوٹا ہے کہیں پیار، کسی سے ہے لگے نین
وعدہ کہیں اقرار کہیں سین، کہیں نین | نے جی کو فراغت ہے، نہ آنکھوں کے تئیں چین

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

اُلفت ہے کہیں مہر و محبت ہے، کہیں چاہ | کرتا ہے کوئی چاہ، کوئی دیکھ رہا راہ
ساقی ہے، صراحی ہے، پری زاد ہیں ہم راہ | کیا عیش ہیں! کیا عیش ہیں! کیا عیش ہیں، واللہ

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

گر رات کسی پاس رہے عیش میں غلطاں | اور واں سے کسی اور کے ملنے کا ہو دھیان
گھر آکے اُٹھے جب تو گرے پانوں پر ہر آن | "کہتی ہے ہمیں چھوڑ کے جاتے ہو کدھر جان"

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

رستے میں نکلتے ہیں، تو ہوتی ہیں یہ چاہیں | وہ شوخ کہ ہوں بند جنھیں دیکھ کے راہیں
کھانسے ہے کوئی ہنس کے کوئی بھرتی ہے آہیں | پڑتی ہیں ہر اک جا سے نگاہوں پہ نگاہیں

[illegible]

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

جاتے ہیں طوائف میں تو واں ہوتی ہے یہ چاؤ | کہتی ہے کوئی اُن کے لیے پان بنا لاؤ"
کوئی کہتی ہے "یاں بیٹھو" کوئی کہتی ہے "یاں آؤ" | ناچے ہے کوئی شوخ، بتاتی ہے کوئی بھاؤ

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

ہنس ہنس کے کوئی حسن کی چھل بل ہے دکھاتی | مسّی کوئی سرمہ، کوئی کاجل ہے دکھاتی
چتون کی لگاوٹ، کوئی چنچل ہے دکھاتی | کُرتی، کوئی انگیا، کوئی آنچل ہے دکھاتی

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

کہتی ہے کوئی "رات مرے پاس نہ آئے" | کہتی ہے کوئی "ہم کو بھی خاطر میں نہ لائے"
کہتی ہے کوئی "کس نے تمھیں پان کھلائے" | کہتی ہے کوئی "گھر کو جو جائے ہمیں کھائے"

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

کیا تجھ سے نظیرؔ اب میں جوانی کی کہوں بات | اس سن میں گذرتی[1] ہے عجب عیش سے اوقات
محبوب پری زاد چلے آتے ہیں دن رات | سیریں ہیں، بہاریں ہیں، تواضع ہے، مدارات

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

بڑھاپا

کیا قہر ہے یارو جسے آجائے بڑھاپا | اور عیشِ جوانی کے تئیں کھائے بڑھاپا
عشرت کو ملا خاک میں غم لائے بڑھاپا | ہر کام کو ہر بات کو ترسائے بڑھاپا

---

[1] گذ۔ رتے ہیں۔

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

جو لوگ خوشامد سے بٹھاتے تھے گھڑی پہر　　چھاتی سے لپٹتے تھے محبت کی جتا لہر
سو آکے بڑھاپے نے کیا، ہائے، یہ کچھ قہر　　اب جن کے گنے[ن۱] جاتے ہیں لگتے ہیں اُنھیں زہر

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

آگے تو پری زاد یہ کہتے تھے ہمیں گھیر　　آتے تھے چلے آپ جو لگتی تھی ذرا دیر
سو آکے بڑھاپے نے کیا، ہائے، یہ اندھیر　　جو دوڑ کے ملتے تھے وہ اب لیتے ہیں منہ پھیر

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

تھے جب تلک ایام جوانی کے ہرے رُکھ　　محبوب وہ ملتے تھے نہ ہو دیکھ جنھیں بھوکھ
بیٹھیں تھے پرند آن کے جب تک تھے ہرے رُکھ　　اب کیا ہے جو پت جھڑ[عہ] ہوا اور جڑ[ن۲] بھی گئی سوکھ

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

آگے تھے جہاں گل بدن اور یوسف ثانی　　دیتے تھے ہمیں پیار سے چھلّوں کی نشانی
مر جائیں تو اب مُنہ میں نہ ڈالے کوئی پانی　　کس دُکھ میں ہمیں چھوڑ گئی، ہائے جوانی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

یاد آتے ہیں ہم کو وہ جوانی کے جو ہنگام　　اور جام، دل آرام مزے عیش، اور آرام
اُن سب میں جو دیکھو تو نہیں ایک کا اب نام　　کیا ہم پہ ستم کر گئی یہ گردشِ ایام

عہ "پت جھڑ" کو "فرہنگ آصفیہ" میں مونث لکھا ہے، گو کوئی سند نہیں دی۔ فاربس بھی مونث لکھتا ہے (شہباز) اور فیلن بھی۔ مگر نظیر نے اسے بہ طور اسم صفت استعمال کیا ہے نہ کہ اسم ذات یعنی "جب۔ دکھ پت جھڑ ہوا"۔ اس کے علاوہ اس وقت تک بعض لفظوں کی تذکیر و تانیث معین نہ ہوئی تھی۔ فاربز بہت عرصہ بعد کا مصنف ہے۔

ن۱۔ اُن پر گنے مرہمیں۔ ن۳۔ بی۔ ن۴۔ دیکھوں۔

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہاے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلاے بڑھاپا

مجلس میں جوانوں کی تو ساغر ہیں چھلکتے   چہلیں ہیں، بہاریں ہیں، پری رو ہیں جھمکتے
ہم اُن کے تئیں دُور سے ہیں رشک سے تکتے   وہ عیش و طرب کرتے ہیں، ہم سر ہیں پٹکتے

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہاے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلاے بڑھاپا

اب پاؤں پڑیں اُن کے تو ہرگز نہ بلاویں   جا بیٹھیں تو اک دم میں خفا ہو کے اٹھاویں
اتنا تو کہاں اب، جو کوئی جام پلادیں   گر جان نکلتی ہو تو پانی نہ چوادیں

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہاے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلاے بڑھاپا

جب عیش کے مہمان تھے، اب غم کے ہوئے ضیف   اب خون جگر کھاتے ہیں، جب پیتے تھے سو کیف
جب اینٹھ کے چلتے تھے سپر باندھ اٹھا سیف   اب ٹیک کے لاٹھی کے تئیں چلتے ہیں، صد حیف

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہاے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلاے بڑھاپا

تھے ہم بھی جوانی میں بہت عشق کے پورے   وہ کون سے گل رو ہیں جو ہم نے نہیں گھورے
اب آکے بڑھاپے نے کیے ایسے ادھورے   پر جھڑ گئے، دُم اُڑ گئی، پھرتے ہیں لنڈورے

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہاے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلاے بڑھاپا

کیا یار! واُلٹ ہم سے گیا، ہاے، زمانا   جو شخص کہ تھے اپنی نگاہوں کے لبھانا[1]
چھیڑے ہے کوئی ڈال کے داداکا بہانا   ہنس کر کوئی کہتا ہے "کہاں جاتے ہو، نانا"

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہاے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلاے بڑھاپا

---

[1] لبھانا - شوخ۔

پوچھیں جسے کہتا ہے وہ "کیا پوچھے ہے بڈھے؟" آویں تو یہ غل ہو کہ "کہاں آوے ہے بڈھے؟"
بیٹھیں تو یہ ہو دھوم "کہاں بیٹھے ہے بڈھے؟" دیکھیں جسے کہتا ہے "وہ کیا دیکھے ہے بڈھے؟"

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کیا یارو کہیں گو کہ بڑھاپا ہے ہمارا پر بوڑھے کہانے کا نہیں تو بھی سہارا
جب بوڑھا ہمیں کہہ کے جہاں ہائے پکارا[1] کافر نے کلیجے میں گویا تیر سا مارا

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

خوباں میں اگر جاویں تو ہوتی ہے یہ پھکڑی کھینچے ہے کوئی ہاتھ کوئی پکڑے ہے لکڑی
پٹے کہیں اور مونچھیں کہیں جاتی ہیں پکڑی[2] ڈاڑھی کو پکڑ کھینچ کوئی جھاڑے ہے مکڑی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کہتا ہے کوئی چھین لو اس بڈھے کی لاٹھی کہتا ہے کوئی شوخ کہ ہاں کھینچ لو ڈاڑھی
اتنی کسی کافر کو سمجھ اب نہیں آتی کیا بوڑھے جو ہوتے ہیں تو کیا اُن کے نہیں جی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

اک وقت وہ تھا ہم بھی مزے کرتے تھے گن گن محبوب پری زاد نہ رہتے تھے سلے بن
اک وقت یہ ہے ہائے جو سب کرتے ہیں اب گھن یا ایک وہ ایام تھے یا ایک ہیں یہ دن

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

بوڑھوں میں اگر جاویں تو لگتا نہیں واں دل واں[3] کیوں کے لگے دل تو ہے محبوبوں کا مائل
محبوبوں میں جاویں ہیں تو سب چھیڑیں ہیں مل مل کیا سخت مصیبت ہے پڑی آن کے مشکل

---

(۱) ہائے، جہاں کہہ کے۔ ن (۲) مونچھیں کہیں بتی کے لئے جاتی ہیں پکڑی۔ ن (۳) وہاں۔

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

پنگھٹ کو ہماری اگر اسواری گئی ہے — تو واں بھی لگی ساتھ ہی خواری گئی ہے
سنتے ہیں کہ کہتی ہوئی پنہاری گئی ہے — "لو دیکھو بڑھاپے میں یہ مت ماری گئی ہے"

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

پگڑی ہو اگر لال گلابی تو یہ آفت — کہتا ہے ہر اک دیکھ کے "کیا خوب ہے رنگت"
ٹھٹھے سے کوئی کہتا ہے کہ شکل پہ رحمت — "لاحول ولا، دیکھیے بوڑھے کی حماقت"

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر بیاہ میں جاویں تو یہ ذلت ہے اُٹھانا — چھٹتے ہی بنے باپ نکاحی کا نشانا
رندوں میں اگر جاویں تو مشکل ہے پھر آنا — افسوس کسی جا نہیں بوڑھے کا ٹھکانا

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

ہے جھانولی تالی کا زنانوں میں یہ چرچا — گر اُن میں کبھی جاویں تو ہے یہ ستم آتا
داڑھی کو جگت بولے کوئی آنکھ کو مٹکا — ٹھٹھے سے کوئی کہتا ہے "آ آ مرے دادا"

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

دریا کے تماشے کو اگر جائیں تو، یارو — کہتا ہے ہر اک دیکھ کے "جاتے ہو کہاں کو؟"
اور ہنس کے شرارت سے کوئی پوچھے ہے بدخو — "کیوں خیر ہے، کیا خضر سے ملنے کو چلے ہو؟"

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر آج کو ہوتے وہ جوانی کے زمانے — قدرت تھی جو یوں چھیڑتے بھڑوے و زنانے

مشکل ابھی پڑ جاتی اُنھیں پیچھے چھڑانے
اک دم میں ابھی لگتے، اوہی ہائے مچانے

سب چیز کو ہوتا ہی بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر ناچ میں جاویں تو یہ حسرت ہی ستاتی
جو ناچے ہی کافر وہ نہیں دھیان میں لاتی
اوروں کی طرف جاوے تو آنکھیں ہی لڑاتی
پر ہم کو تو کافر وہ انگوٹھا ہی دکھاتی

سب چیز کو ہوتا ہی بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر نائکہ ان میں کوئی بوڑھی ہی کہلاتی
البتہ بڑھاپے پہ وہ ٹک رحم ہی کھاتی
پھیکی سی، پُرانی سی، لگاوٹ ہی جتاتی
پر پھر ہی وہ ہم کو ذرا خوش نہیں آتی

سب چیز کو ہوتا ہی بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

چکلے کے جو اندر کی وہ کہلاتی ہیں کسبی
گر اُن میں کبھی جاویں تو ہوتی ہی خرابی
منہ دیکھتے ہی کہتی ہیں سب "آؤ بڑے جی
کیا آئے ہو یاں کرنے کو پیری و مریدی"

سب چیز کو ہوتا ہی بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر جاویں طوائف میں تو لگتی ہیں ستانے
"کیا آئے ہو حضرت ہمیں قرآن پڑھانے"
ہنس ہنس کوئی پوچھے ہی نمازوں کے دُگانے
ٹھٹھے سے کوئی پھینکے ہی تسبیح کے دانے

سب چیز کو ہوتا ہی بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گو جھک کے کمر پاؤں سے سر آن لگا ہی
پر دل میں تو خوباں کا وہی دھیان لگا ہی
کہتے ہیں جسے ہم کو یہ ارمان لگا ہے"
کہتا ہی وہ "کیا بوڑھے کو شیطان لگا ہی"

سب چیز کو ہوتا ہی بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

نقلیں کوئی اِن پوپلے ہونٹوں کی بناوے ۔ چل کر کوئی کُبڑے کی طرح قد کو جھکاوے
ڈاڑھی کے کُنّے اُنگلی کو لا لا کے نچاوے ۔ یہ خواری تو اللہ کسی کو نہ دکھاوے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

تھے جیسے جوانی میں کیے دھوم دھڑکّے ۔ ویسے ہی بڑھاپے میں چھُٹے آن کے چھکّے
سب اُڑ گئے کافور وہ نظارے وہ جھمکے ۔ اب عیش جوانوں کو ہیں اور بوڑھوں کو دھکّے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر حرص سے ڈاڑھی کو خضاب اپنی لگاویں ۔ جُھرّی جو پڑی مُنہ پہ اُسے کیوں کے مٹا دیں
گو مکر سے ہنسنے کے تئیں دانت بندھا دیں ۔ گردن تو پڑی ہلتی ہے کیا خاک چھپا دیں

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

آنکھوں سے یہ دیدار کی لذّت نہیں چھٹتی ۔ اور دل سے کبھی محبوب کی اُلفت نہیں چھٹتی
سب چھٹ گیا پر دید کی یہ لت نہیں چھٹتی ۔ بوڑھے ہوئے پر حسن کی چاہت نہیں چھٹتی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

سنتے ہو، جوانو، یہ سخن کہتے ہیں تم سے ۔ ”کرنے ہوں جو کر لو وہ مزے عیش و طرب کے
جا دے گی جوانی تو پھر افسوس کرو گے ۔ تم جیسے ہو ویسے تو کبھی ہم بھی جواں تھے“

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

اب جتنے ہو معشوق یہ سب یاد رکھو بات ۔ جو ہو سو کرو چاہنے والوں کی مدارات
محبوبو، غنیمت ہے جوانی کی یہ اوقات ۔ جب بوڑھے ہوئے پھر تو ہوئے ڈھاک کے[ع] دو پات

ع محاورہ ہے۔ ڈھاک کے تین پات۔ مگر نظیرؔ نے یہاں بہ ضرورت شعری تصرّف کر لیا ہے اور بُرا نہیں معلوم ہوتا (شہباز)

سب چیز کو ہوتا ہی بُرا ہاے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

اب جس سے رہیں صاف تو ہوتا ہی وہ گدلا — اللہ نہ دکھلائے کسی کو یہ ملولا[ن۱]
اس چرخ ستمگار نے سینے میں حسد لا — کیا ہم سے جوانی کا لیا آہ یہ بدلا

سب چیز کو ہوتا ہی بُرا ہاے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

تھے جیسے جوانی میں پئے جام سبو کے — ویسے ہی بڑھاپے میں پیے گھونٹ لہو کے
جب آکے گلے لگتے تھے محبوب بھبو کے — اب کیسے تو بڑھیا بھی کوئی مُنہ پہ نہ تھوکے

سب چیز کو ہوتا ہی بُرا ہاے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

یہ ہونٹھ جواب پوپلے یار رہیں ہمارے — ان ہونٹوں نے بوسوں کے بڑے رنگ[ع۵] ہیں مارے
ہوتے تھے جوانی میں تو پریوں کے گذارے — اور اب تو چڑیل[ن۲] آکے بھی اک لات نہ مارے

سب چیز کو ہوتا ہی بُرا ہاے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

تھے جیسے جوانی کے چڑھے زور میں سرشنج — ویسے ہی بڑھاپے کی پڑی آن کے اب بنج[ن۳] *
نکلا ہو اتن سوکھ، روئی بال رگیں نخ — حلوا ہوئے چرخا ہوئے، لیسی ہوئے جنج[ن۴]

سب چیز کو ہوتا ہی بُرا ہاے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

محفل ہیں وہ مستی سے بگڑنا نہیں بھولے — ساقی سے پیالوں پہ جھگڑنا نہیں بھولے

---

* جن بندوں کے سامنے یہ نشان (*) ہے وہ کلیات نظیر مرتبہ مولوی سید عبدالغفور شہباز سے نقل کئے گئے ہیں۔ مرحوم فرماتے ہیں کہ یہ متداول نسخوں میں مفقود ہیں۔ واقعی مطبع نول کشور نے ۱۸۸۳ء میں جو کلیات شایع کیا اس میں یہ بند نہیں ہیں لیکن اسی مطبع نے ۱۹۲۲ء میں کلیات لکھنؤ سے نکالا اُس میں شاید کلیات مرتبہ شہباز سے لے کر داخل کر دیے گئے۔

ن۱۔ بلد لا۔ ن۲۔ آن کے۔ ن۳۔ تج۔ ن۴۔ چرخ۔ ع۵ روگ۔

ہنس ہنس کے پری زادوں سے لڑنا نہیں بھولے — وہ گالیاں وہ بوسوں پہ اڑنا نہیں بھولے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہاے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلاے بڑھاپا

کیا دور تھا سر دیکھنے کا ہوتا تھا جد افسوس — ہر غنچہ دہن دیکھ کے کرتا تھا حد افسوس
اب مر بھی اگر جاویں تو ہوتا ہے کہ افسوس — افسوس، صد افسوس، صد افسوس، صد افسوس

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہاے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

جب جان کے بوڑھا ہمیں چھیڑیں ہیں یہ دلخواہ — اور چھیڑ کے مجلس سے اُٹھاتے ہیں بہ اکراہ
اُس وقت تو ہم یارو، دم سرد سے بھر آہ — رو رو کے یہی کہتے ہیں "اب کیوں مرے اللہ"

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہاے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

وہ جوش نہیں جس کے کوئی خوف سے دہلے — وہ زعم نہیں جس سے کوئی بات کو سہلے
جب ٹھوس ہوئے ہاتھ تھکے، پاؤں بھی پھیلے — پھر جس کے جو کچھ شوق میں آوے وہی کہہ لے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہاے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کرتے تھے جوانی میں تو سب آپ سے آ چاہ — اور حسن دکھاتے تھے وہ سب آن کے دلخواہ
یہ قہر بڑھاپے نے کیا آہ نظیرؔ آہ — اب کوئی نہیں پوچھتا اللہ ہی اللہ

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہاے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلاے بڑھاپا

بڑھاپے کی تعلّیاں

جو نوجواں ہیں اُن کے دل میں گمان کیا ہے — جو ہم میں کس ہے اُن میں تاب و توان کیا ہے
بوڑھا اُدھیڑ اُمکا ڈھمکا فلان کیا ہے — ہم سے جو ہو مقابل پٹھے میں جان کیا ہے

اب بھی ہمارے آگے یارو جوان کیا ہی

ہر وقت دل ہمارا مگدر ہی بھانتا ہی
نیز اب تلک ہمارا تودے ہی چھانتا ہی
ہر شوخ گل بدن سے گہری ہی چھانتا ہی
اس بات کو ہماری اللہ ہی جانتا ہی

اب بھی ہمارے آگے یارو جوان کیا ہی

چاہیں تو گھوڑ ڈالیں سو خوب رو کو دم میں
اور میلے چھان ماریں وہ زور ہی قدم میں
سینہ بھڑک رہا ہی خوباں کے درد و غم میں
پٹھوں میں وہ کہاں ہیں جو گرمیاں ہیں ہم میں

اب بھی ہمارے آگے یارو جوان کیا ہی

دُبلے ہوئے ہیں ہم تو خوباں کے درد و غم سے
اور جھرّیاں پڑی ہیں اُن کے غم و الم سے
مونچھیں سفید کی ہیں اس ہجر کے ستم سے
بوڑھا ہمیں نہ جانو اللہ کے کرم سے

اب بھی ہمارے آگے یارو جوان کیا ہی

کوئی بھی بال تن پر میرے نہیں ہی کالا
خوباں کے درد و غم کا اُن پر پڑا ہی پالا
آکر جواں مقابل ہووے کوئی ہمارا
خالق سے ہی یقین یہ دکھلائے وہ بھی پچھاڑا

اب بھی ہمارے آگے یارو جوان کیا ہی

اے یار سو برس کی ہوئی اپنی عمر آکر
اور جُھرّیاں پڑی ہیں سارے بدن کے اوپر
دکھلاتے جس گھڑی ہیں میداں میں زور جاکر
رستم کو بھی سمجھتے اپنے نہیں برابر

اب بھی ہمارے آگے یارو جوان کیا ہی

ہم اور جوان مل کر دل کے تئیں لگاویں
اور اپنے اپنے گُل سے ملنے کی دل میں لاویں
جاکر اُنھوں کے گھر پر جب زور آزماویں
وہ گرد وال کو دیں ہم کوٹھا پھاند جاویں

اب بھی ہمارے آگے یارو جوان کیا ہی

جاتے ہیں روز جتنی خوباں کی بستیاں ہیں
ہر آن دید بازی اور بُت پرستیاں ہیں
سو سو طرح کی چہلیں جی میں اُکستیاں ہیں
کیا جوش بھر رہے ہیں کیا جوش مستیاں ہیں

اب بھی ہمارے آگے یارو جوان کیا ہی

جو ہم کو جانے بوڑھا سو وہ ہے شیخ چلّی
ہم چھیڑ ڈالیں اب بھی خوباں کو کر کے کھلّی
ہاتھی کو داب بیٹھیں جیسے چوہے کو بلّی
رستم سے اک گھڑی میں مچوا دیں توبہ تلّی
اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہے

دنیا میں طاقت اپنی مشہور اس قدر ہے
کوچوں میں اور مکاں میں دیکھو جدھر اُدھر ہے
جنگل میں ہاتھی چیتا یا کوئی شیر نر ہے
ہر اک کے دل میں اپنا ہی خوف اور خطر ہے
اب بھی ہمارے آگے، یارو جوان کیا ہے

کرتے ہیں ہم جو یارو، اب دھوم اور دھڑکّے
دیکھے جواں تو اُس کے چھٹ جائیں دم میں چھکّے
پیتے ہیں مے کے پیالے چلتے ہیں، یارو، مکّے [1]
کیا کیا نظیرؔ ہم بھی کرتے ہیں اب بہ جھکّے
اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہے

بڑھاپے کی عاشقی

قائم ہے جسم گو کہ نہیں کس، غنیمت است
جیتے تو ہیں اگرچہ نہیں لبس غنیمت است
سو عیش ہم کو گر نہ ملے دس، غنیمت است
وقتِ خزاں چو گل نبود خس غنیمت است
پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
از شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

کرتے ہیں اس بڑھاپے میں خوباں کی ہم تو چاہ
احمق ہیں خوب رو جو وہ سنتے ہیں ہم پہ آہ
اور وہ جو کچھ شعور سے رکھتے ہیں دستگاہ [2]
سو وہ تو ہم کو دیکھ یہ کہتے ہیں "واہ، واہ
"پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
"از شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است"

جن دل بروں سے یار، ہم اب دل لگاتے ہیں
وہ سب ترس ہمارے بڑھاپے پہ کھاتے ہیں
بوسہ بھی ہم کو دیتے ہیں مے بھی پلاتے ہیں
اور راہ منصفی سے یہ کہتے بھی جاتے ہیں
"پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
از شاخِ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است"

---

(۱) - مار دھکّے - (۲) - رسم و راہ -

نے تن میں اب ہو زور نہ چلتے ہیں دست و پا — اور جھکتے جھکتے سر سے قدم ساتھ آ لگا
اس وقت میں بھی عشق کو رکھتے ہیں جا بجا — کیوں، یارو، سچ ہی کہیو یہ انصاف کی ہو جا

پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
از شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

روئے جو ہم چمن میں سحر بیٹھ کر ذرا — بلبل سے پوچھا گل نے کہ "بوڑھا یہ کیوں رو دیا"
اس نے کہا کہ اس کا کسی سے ہو دل لگا — جب گل نے ہم کو دیکھ کے ہنس کر یہی کہا

"پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
از شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است"

طاقت بدن میں کہیے تو اب نام کو نہیں — ہوتا ہو اب بھی سیر و تماشا اگر کہیں
جاتے ہیں لاٹھی ٹیک کے دل شاد ہم وہیں — جو ہم کو دیکھتا ہو وہ کہتا ہو "آفریں!

"پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
از شاخِ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است"

کل مے کدے میں ہم جو گئے باقدِ دوتا — اور پی شراب لوٹ گئے شور و غل مچا
اس دم ہمارے دیکھ بڑھاپے کا حوصلا — ہنس ہنس کے جب تو پیر مغاں نے یہی کہا

"پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
از شاخِ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است"

پیارے تمھارے اور تو عاشق ہیں نوجواں — اک ہم ہی سب سے بوڑھے ہیں اور پیر ناتواں
وہ تو رہیں گے ہم ہیں کئی[1] دن کے میہماں — بس سب کو چھوڑ ہم سے ملو کس لیے کہ جاں

پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
از شاخِ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

جو ہیں جوان انھوں کے تو الفت ہیں کاروبار — ہم بوڑھے ہو کے عشق کو رکھتے ہیں برقرار
ملتے ہیں، دل لگاتے ہیں، پھرتے ہیں خوار و زار — جو ہم سے ہو سکے وہ غنیمت ہو میرے یار

۱۔ کوئی۔

پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
از شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

دانتوں کا گرچہ مُنہ میں ہمارے نہیں نشاں
بوسے پہ آن اُڑتے ہیں تو بھی ہر ایک آں
اِن شوخیوں کا وقت ہمارے بھلا کہاں
پر دل میں اپنے ہم بھی یہ کہتے ہیں میری جاں

”پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
از شاخِ کُہنہ میوۂ نورس غنیمت است“

جن کو خدا نے دی ہے جوانی کی دست گاہ
وہ تو ہمیشہ دل کو لگا دیں گے تم سے آہ
اور ہم کہاں پھر آدیں گے کرنے تمھاری چاہ
بس تم اب اپنے دل میں اسی پر کرو نگاہ

پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
از شاخِ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

گو تن تمام کانپے ہے اور ہیں سفید بال
تو بھی بناتے ہیں محبت کی چال ڈھال
پیارے ہمارے ملنے سے لاؤ نہ کچھ خیال
کس واسطے کرو تم اب اس بات پر خیال

پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
از شاخِ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

ہوتے ہیں اُلفتوں سے جوانی میں سب اسیر
ہم عشق سے بڑھاپے میں نکلے ہیں بن فقیر
جو ہم کو دیکھتا ہے اب اس حال میں نظیرؔ
پڑھتا ہے شاد ہو کے یہی بیت دل پذیر

”پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
از شاخِ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است“

موت کا دَھڑکا

دنیا کے بیچ یارو، سب زیست کا مزا ہے
جیتوں کے واسطے ہی یہ ٹھاٹھ سب ٹھٹھا ہے
جب مر گئے تو آخر پھر عمر خاک پا ہے
نے باپ ہے نہ بیٹا، نے یار نہ آشنا ہے
ڈرتی ہے روح یارو، اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہے

جیتوں کے دل کو ہردم، کیا عیش پے بہ پے ہی — گل زار، ناچ، سیریں، ساقی صراحی مے ہی
جب مر گئے تو ہرگز مے ہی نہ کوئی شے ہی — اِس مرگ کے ستم کو کیا کیا کہوں میں ہے ہے

ڈرتی ہی روح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہی
مرنے کا نام مت لو، مرنا بری بلا ہی

ہر دم کی بات جو تھے، مالک یہ اپنے گھر کے — جب مر گئے تو ہرگز گھر کے رہے نہ در کے
یوں مٹ گئے کہ گویا تھے نقش رہ گذر کے — پوچھا نہ پھر کسی نے، یہ تھے میاں کدھر کے

ڈرتی ہی روح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہی
مرنے کا نام مت لو، مرنا بری بلا ہی

مرنے کے بعد کوئی الفت نہ پھر جتاوے — نے بیٹا پاس آوے، نے بھائی مُنہ لگاوے
جو دیکھے اُن کی صورت، وحشت سے بھاگ جاوے — اس مرگ کی جفائیں، کیا کیا نہیں بناوے[1]

ڈرتی ہی روح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہی
مرنے کا نام مت لو، مرنا بری بلا ہی

پیتے تھے دودھ شربت اور چابتے تھے میوہ — مرتے ہی پھر کچھ اُن کا، سکہ رہا نہ تھیوا
بچے یتیم ہو گئے، بی بی کہائی بیوا — اِس مرگ نے اکھاڑا کس کس بدن کا لیوا

ڈرتی ہی روح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہی
مرنے کا نام مت لو، مرنا بری بلا ہی

جب روح تن سے نکلی آنا نہیں یہاں پھر — کاہے کو دیکھنے ہیں، یہ باغ و بوستاں پھر
ہاتھی پہ چڑھ کے یا پھر گھوڑے پہ چڑھ کے واں پھر — جب مر گئے تو لوگو، یہ عشرتیں کہاں پھر

ڈرتی ہی روح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہی
مرنے کا نام مت لو، مرنا بری بلا ہی

گھر ہو بہشت جس کا، اور بھر رہی ہو دولت — اسباب عشرتوں کے محبوب خوب صورت
پھر مرتے وقت اُن کو کیوں کر نہ ہووے حسرت — کیا سخت بے بسی ہی، کیا سخت ہی مصیبت

---

[1] نسخہ۔ کوئی سناوے۔

ڈرتی ہے روح یارو، اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہے

کھانے کو اُن کے نعمت سو سو طرح کی آتی | اور وہ نہ پاویں ٹکڑا دیکھو ٹک اُن کی چھاتی
کوڑی کی جھونپڑی بھی چھوڑی نہیں ہے جاتی | لیکن نظیرؔ سب کچھ یہ موت ہی چھڑاتی

ڈرتی ہے روح یارو، اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہے

بہار

شب کو چمن میں، واہ، کیا ہی بہار تھی مچی | پھول کھلے تھے پھول پھول، غنچے کھلے کلی کلی
بیلا، چنبیلی، رائے بیل، موتیا، جوہی، سیوتی | بادِ صبا بھی چلتی تھی، عطر و گلاب میں بسی
حوض پڑے چھلکتے تھے، نہر ہلوریں لیتی تھی | شوخ بغل میں غنچہ لب، مے کے نشوں کی تازگی
عیش و طرب کی لہر میں، رات جب آدھی ڈھل گئی | اس میں کہیں سے [۱]ہے غضب نکلی جو مکر چاندنی

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا، یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

رات تو کیا ہی عیش کی ٹھہری تھی آ کے انجمن | تارے کھلے تھے مہ رتن، پھول کھلے چمن چمن
نرگس و نار و یاسمن، سوسن و طرہ، نسترن | کبک و تدرو خندہ زن، بلبل و قمری نعرہ زن
یار بغل میں گل بدن، سرخ گلے میں پیرہن | سینہ بہ سینہ تن بہ تن، عیش و طرب کے سب [۲]برن
اس میں رقیب دل شکن، آیا گجر کا کر کے فن | تھالی کہیں سے لا شتاب، دی ہے بجا ٹھنن ٹھنن

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا، یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے مفت بہار لٹ گئی

باغ میں شب کو، واہ، کیا ہی مزوں کے گھور تھے | طوطی و بگلے، مور تھے، فاختوں کے بھی شور تھے
شوخ پر اپنے زور تھے [۳]اُس کے بھی ہم پہ زور تھے | توڑے، کڑے و بور تھے، چھلّے بھی پور پور تھے

نسخہ ۱۔ ہائے نسخہ ۲۔ اس کے برن بھی۔

یار ہمارا چاند تھا، چاند کے ہم چکور تھے — دونوں چکئی[1] چکوا تھے، دونوں پتنگ وڈور تھے
مے کے نشوں سے شور تھے کپڑے بھی شور بور تھے — بولا رقیب دن دیئے، دوڑیو یارو چور تھے

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا، یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آگئے، مفت بہار لٹ گئی

کیا ہی مزے تھے رات کو، یارو میں تم سے کیا کہوں — صحن چمن ارم نموں، ڈالیاں جھومیں سرنگوں
شوخ بغل میں ذوفنوں، عیش و طرب فزوں فزوں — مے کے بہے تھے آگے خوں، چہرے نشوں میں لالہ گوں
یار کے ناز اور فسوں، اپنے بھی عشق اور جنوں — جام پکارے منہ لگوں، عیش پکارے دم نہ لوں
اس میں رقیب بدشگوں، کچھ نہ بنا تو وہ زبوں — پچھلے ہی پہرے بن کے مرغ، بولا ہی آکے ککڑوں کوں

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا، یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آگئے، مفت بہار لٹ گئی

لوٹے ہیں کیا ہی ہم نے واہ، رات مزے بہار کے — انکھڑیوں سرمہ دار کے، لعل مسی نگار کے
کاکل مشک بار کے، طرۂ آب دار کے — مے کے نشوں کے تار کے، پھولوں کے شاخسار کے
باہیں گلے میں یار کے، بوس و کنار پیار کے — ہاتھوں میں گجرے تار کے، تکیے گلوں میں ہار کے
بھاگا رقیب یار کے، ہاتھوں پہ ہاتھ مار کے — کچھ نہ بنا تو دی اذاں، کوٹھے پہ جا پکار کے[2]

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا، یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آگئے، مفت بہار لٹ گئی

رات ہوئی تھے واہ واہ، کیا ہی نشے رسا رسا — پیتے تھے مے لبا لبا، پھولوں میں ہم بسا بسا
شوخ بغل میں چاند سا، دیتا تھا بوسے ہنس ہنسا — زلفوں میں اس کی دل پھنسا، آن و ادا میں جی بسا
جامہ بدن میں چست سا، پھول ہوا تھا لس لسا — نیندوں میں یار رسمسائے تھا جماہی کسمسا
اس میں رقیب گرگ سا[3]، آکے سحر کا وسوسا — لاکے نقارہ یا دہل، دھوں دھوں بجایا کس کسا

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا، یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آگئے، مفت بہار لٹ گئی

ن(۱) - چکئی وڈور - ن(۲) - کے یار کے - ن(۳) - کرکسا

کیا ہی نظر رات کو عیش کے بھئے مقابلے — مے کے نشے اُبل چلے دل کے فراخ حوصلے
جی پہ خوشی کے در کھلے، رنج و تعب کے حوصلے — شوخ کے ناز چلبلے، بوسوں کے بھئے معاملے
ناز و ادا کے چوچلے، عیش و طرب کے غلغلے — یار لپیٹ رہا گلے، دل میں خوشی کے ولولے
اس میں رقیب دم نہ لے، بولا ہی کر کے اُشغلے — باندھو کمر، مسافرو، کوچ کریں ہیں قافلے

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا، یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دعا میں آ گئے مفت بہار لٹ گئی

چاندنی

صحن چمن میں واہ، واہ، زور کھلی تھی چاندنی (۱) — چاند ہلوریں لیتا تھا، اور کھلی تھی چاندنی
آیا تھا یار گل بدن، پہن کے بادلا زری — چمکے تھی تار تار میں، مہ کی جھلک ذری ذری
بوس و کنار جام و مے عیش و طرب ہنسی خوشی — اس میں کہیں سے یک بہ یک مرغِ سحر نے بانگ دی

صبح ہوئی گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا، جی ہی میں جی کی رہ گئی

کیا ہی مزے (۲) سے عیش کی رات تھیں کامیابیاں — چھوٹیں تھیں ماہتاب کی نہروں میں ماہتابیاں
آگے چُنی تھیں صف بہ صف مے کی کئی گلابیاں — ہم کو نشوں کی مستیاں، یار کو نیم خوابیاں
سینوں میں اضطرابیاں آنکھوں میں بے حجابیاں — اس میں فلک نے رشک سے ڈالیں یہ کچھ خرابیاں

صبح ہوئی گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا، جی ہی میں جی کی رہ گئی

شب کو دلوں میں واہ، واہ زور مزوں کے تار تھے — ہم سے دو چار یار تھا، یار سے ہم دو چار تھے
دونوں دلوں میں پیار تھا (۳) دونوں گلوں میں ہار تھے — وصل سے بے قرار تھے عیش کے کاروبار تھے
سینے میں آسمان کے تیر حسد کے پار تھے — ایک پلک میں ناگہاں سب وہ مزے ترار (۴) تھے
صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی — یار بغل سے اُٹھ گیا جی ہی میں جی کی رہ گئی

ن۱ - بچھی - ن۲ - مزوں - ن۳ - تھے - ن۴ - فرار -

چاندنی، واہ چاندنی، کرتی تھی کیا جھلک جھلک　　چہک رہی تھیں بلبلیں، باغ رہا تھا سب مہک
جام کے لب سے ہر گھڑی نکلے تھی مے چھلک چھلک　　یار بغل میں غنچہ لب، بوسوں کی سو لپک لپک
عیش و طرب کی لذتیں ہونے لگیں جو یک بہ یک　　ایسے مزے میں عیش میں آہ کہیں سے ہک نہ دھک

صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا جی ہی میں جی کی رہ گئی

باغ تھا یا کہ خلد وہ، یا کہ بہشت، یا ارم　　یار تھا یا کہ حور وہ، یا کہ پری وہ، یا صنم
چاندنی تھی وہ چاندنی، چاندی کا رنگ جس سے کم　　پیتے تھے مے گھڑی گھڑی، لیتے تھے بوسے دم بہ دم
دونوں نشوں میں مست ہو، سوئے پلنگ پہ جب کہ ہم　　عیش مزا تھا وصل کا اس میں نظیرؔ ہے ستم

صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

جھڑی

رات لگی تھی، واہ، واہ کیا ہی بہار کی جھڑی　　موسم خوش بہار تھا ابر و ہوا کی دھوم تھی
شمع و چراغ، گل بدن، بارہ دری تھی باغ کی　　یار بغل میں غنچہ لب، رات اندھیری جھک رہی
مینہ کے مزے، ہوا کے غل، مے کے نشے گھڑی گھڑی　　اس میں کہیں سے ہے ستم، ایسی اک آ پَون چلی

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

شب کو ہوئیں اہا اہا زور مزوں کی مستیاں　　بجلی کی تسکلیں نبتیاں، بوندیں پڑی برستیاں
سبز دلوں کی بستیاں جنس خوشی کی سستیاں　　دھوم جیوں میں بنیاں چہلیں نرالی اُکستیاں
اس میں فلک نے یک بہ یک لوٹیں دلوں کی بستیاں　　سارے نشے وہ لٹ گئے کھو گئیں مے پرستیاں

ابر کھلا ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

برسے تھیں کیا ہی جھوم جھوم رات گھٹائیں کالیاں — کوئلیں بولیں کالیاں، بہ چلے نالے نالیاں
بجلیوں کی اُجالیاں، بارہ دری کی جالیاں — عیش کی جھومیں ڈالیاں باہیں گلوں میں ڈالیاں
چلتی تھیں مے کی پیالیاں مُنہ پہ نشوں کی لالیاں — اس میں فلک نے دوڑ کر سب وہ ہوائیں کھالیاں

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

ابر و ہوا کے واہ، واہ، شب کو عجب ہی زور تھے — بھیگ رہا تھا سب چمن مینہ کے جھڑاکے زور تھے
غوک، پپیہے، مور تھے، جھینگروں کے بھی شور تھے — بادہ کشی کے دور[1] تھے، عیش و طرب کے جھور[2] تھے
باغ سے تا بہ باغباں، جتنے تھے شور بور تھے — آ پڑے اس میں ناگہاں، یہ جو خوشی کے چور تھے

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

چار طرف سے ابر کی واہ، اُٹھی تھی کیا گھٹا — بجلی کی جگمگاہٹیں، رعد رہا تھا گڑگڑا
برسے تھا مینہ بھی جھوم جھوم چھاجوں اُمنڈ اُمنڈ پڑا — جھوکے ہوا کے چل رہے، یار بغل میں لوٹتا
ہم بھی ہوا کی لہر میں پیتے تھے مے بڑھا بڑھا — دیکھ ہمیں اس عیش میں، سینہ فلک کا پھٹ گیا

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

زور مزوں سے رات کو، برسے تھا مینہ جھمک جھمک — بوندیں پڑیں ٹپک ٹپک، پانی پڑے جھپک جھپک
جام رہے چھلک چھلک، شیشہ رہے بھبک بھبک — یار بغل میں بانکا، عیش و طرب تھے بے دھڑک
ہم بھی نشوں میں خوب چھک، لوٹتے تھے بہک بہک — کیا ہی سماں تھا عیش کا، اتنے میں آہ یک بہ یک

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

کیا ہی مزا تھا، واہ، واہ ابر و ہوا کا یار دکل — برسے تھا مینہ سنبھل سنبھل، آگے رہی تھی شمع جل
عیش و نشاط برمحل، بارہ دری کا تھا محل — شوخ سے بھر رہی بغل، دل میں قرار، جی میں کل

ن۱۔ اُور۔ ن۲۔ دور۔

پیتے تھے مے مچل مچل، لیتے تھے بوسے پل بہ پل　　اس میں نظیرؔ یک بہ یک آکے یہ مچ گئے خلل
ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

برسات اور پھسلن

برسات کا جہان میں لشکر پھسل پڑا　　بادل بھی ہر طرف سے ہوا پر پھسل پڑا
جھڑیوں کا مینہ بھی آکے سراسر پھسل پڑا　　چھتّا کسی کا شور مچا کر پھسل پڑا
کوٹھا جھکا اٹاری جھکی در پھسل پڑا

جن کے نئے نئے تھے مکاں اور محل سرا　　اُن کی چھتیں ٹپکتی ہیں چھلنی ہو جا بہ جا
دیواریں بیٹھتی ہیں چھلوں کا غُل مچا　　لاٹھی کو ٹیک کر جو ستوں ہے کھڑا کیا
چھجّا گرا، منڈیری کا پتھر پھسل پڑا

جھڑیوں نے اس طرح کا دیا آکے جھڑ لگا　　سُنیے جدھر اُدھر ہے دھڑا کے ہی کی صدا
کوئی پکارے ہے "مرا دروازہ گر چلا"　　کوئی کہے ہے "ہائے کہوں میں بتاؤں کیا
"تم در کو جھیکتے ہو، مرا گھر پھسل پڑا"

باراں جب آکے پختہ مکاں کے تئیں ہلائے　　کچّا مکاں پھر اُس کی بھلا کیوں کے تاب لائے
ہر جھونپڑے میں شور ہے ہر گھر میں ہائے ہائے　　کہتے ہیں "یار دوڑیو، جلدی سے" "وائے وائے
پاکھے پچھیت سو گئے، چھپّر پھسل پڑا"

آگر گرا ہے کسی جورنڈی کا اب مکان　　اور اُس کے آشنا کی بھی چھت گرتی ہے جہاں
کتنا ہی ٹھٹھے باز ہر اک اُن سے آکے واں　　کیا بیٹھے چھت کو روتے ہو تم اے میاں یہاں
"واں چت لگن کا آپ کے سب گھر پھسل پڑا"

یاں تک ہر اک مکان کے کھسلنے کی ہے زمیں　　نکلے جو گھر سے اُس کو پھسلنے کا ہے یقیں
مفلس غریب پر ہی یہ موقوف کچھ نہیں　　کیا فیل کا سوار ہے کیا پالکی نشیں

آیا جو اس زمین کے اوپر پھسل پڑا

دیکھو جدھر اُدھر کو یہی غُل پکار ہے — کوئی پھنسا ہے اور کوئی کیچڑ میں خوار ہے
پیادہ اُٹھا جو مر کے، تو پھر چڑا سوار ہے — گرنے کی دھوم دھام یہ کچھ بے شمار ہے
جو ہاتھی رپٹا، اونٹ گرا، خر پھسل پڑا

کوچے میں کوئی اور کوئی بازار میں گرا — کوئی گلی میں گر کے ہے کیچڑ میں لوٹتا
رستے کے بیچ پاؤں کسی کا رپٹ گیا — اُس سب جگہ کے گرنے سے آیا جو بچ بچا
وہ اپنے گھر کے صحن میں آکر پھسل پڑا

کرتی ہے گرچہ سب کو پھسلنی زمین خوار — عاشق کو پر دکھاتی ہے کچھ اور ہی بہار
آیا جو سامنے کوئی محبوب گل عذار — گرنے کا مکر کر کے اُچھل کود ایک بار
اُس شوخ گل بدن سے لپٹ کر پھسل پڑا

کیچڑ[ن۱] کے ہر مکان سے[ن۲] تو بچتا بہت پھرا — پر جب دکھائی دی کھلے بالوں کی اک گھٹا
بجلی بھی چمکی حُسن کی مینہ برسا ناز کا — پھسلن جب ایسی آئی تو پھر کچھ نہ بس چلا
آخر وہاں، نظیر، بھی آکر پھسل پڑا

برسات کا تماشا

اہل سخن کو ہے گا، اک بات کا تماشا — اور عارفوں کی خاطر ہے ذات کا تماشا
دنیا کے صاحبوں کو دن رات کا تماشا — ہم عاشقوں کو ہے گا، سب گھات کا تماشا
آ یار چل کے دیکھیں، برسات کا تماشا

خورشید گرم ہو کر، نکلا ہے اپنے گھر سے — لیتا ہے مول بادل، گر، گز، لاشش، زر سے
آئی ہوا بھی لے کر، بادل کو ہر نگر سے — آدھے[ع۵] اساڑھ تو اب، دشمن کے گھر سے برسے
آ یار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ع۵ - ضرب المثل - آدھے اساڑھ تو بیری کے بھی برسے۔

ن۱ - سے - ن۲ - کی -

قاصد صبا کے دوڑے، ہر طرف مُنہ اُٹھا کر — ہر کوہ و دشت کو بھی، کہتے ہیں یوں سُنا کر
ہاں سبز جوڑے پہنو، ہر دم نہا نہا کر — کوئی دم کو میگھ راجا، دیکھے گا سب کو آ کر
"آیار چل کے دیکھیں، برسات کا تماشا"

جب یہ نوید پہونچی، صحرا میں ایک باری — ہونے لگی وہاں پھر، برسات کی تیاری
چشموں میں کوہ کے بھی، ہوئی سب کی انتظاری — موسم کے جانور بھی، آتے ہیں باری باری
آیار چل کے دیکھیں، برسات کا تماشا

ساون لئے بادلوں سے پھر آ گھٹا جو چھائی — بجلی نے اپنی صورت، پھر آن کر دکھائی
ہو مست رعد گرجا، کوئل کی کوک آئی — بدلی نے کیا مزے کی، رم جھم جھڑی لگائی
آیار چل کے دیکھیں، برسات کا تماشا

جن صاحبوں کے دل کو، کچھ عیش سے ہے بہرا — وہ اس ہوا میں جا کر دیکھیں ہیں کوہ صحرا
ہر طرف آب سبزہ، اور گل بدن سنہرا — جنگل میں آج منگل، کس کس طرح کا لہرا
آیار چل کے دیکھیں، برسات کا تماشا

کوئی اپنے دل رُبا سے کہتا ہے "دیکھیں جنگلا — چِہرے کو تو گلابی، یا گل انار رنگ لا
اُور ساغر و صراحی مے کی تو اپنے سنگ لا — پی پی لنتوں میں سیریں، دیکھیں بنا کے بنگلا
"آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا"

ہر گُل بدن کے تن میں پوشاک ہے اکہری — پگڑی گلابی، ہلکی، یا گل انار، گہری
صحن چمن میں ہے جو، بارہ دری سنہری — اُس میں سبھوں کی آکر ہے بزم عیش ٹھہری
"آیار چل کے دیکھیں، برسات کا تماشا"

معشوق عاشقوں میں کیا بزم با نمک ہے — شیشہ، گلابی، ساقی اور جام اور گزک ہے
جھنکار تال کی ہے اور طبلے کی کھڑک ہے — گوری ملار کے ساتھ آواز کی گمک ہے
"آیار چل کے دیکھیں، برسات کا تماشا"

اگر کہیں مزے کی ننھی پھوہار برسے — چہروں کا رنگ چھٹ کر حُسن نگار برسے

اک طرف اُولتی کی، باہم قطار برسے چھاجوں اُمنڈ کے پانی موسل کی دھار برسے
"آیار چل کے دیکھیں، برسات کا تماشا"

ہر کوہ کی کمر تک سبزہ ہے لہلہاتا برسے ہے مینہ جھڑا جھڑ، پانی بہا ہے جاتا
وحش و طیور ہر اک مل مل کے ہے نہاتا غوغا کریں ہیں مینڈک جھینگر ہے غل مچاتا
"آیار چل کے دیکھیں، برسات کا تماشا"

گلشن میں آ پھریں ہیں سب گُل بدن نکیلے ساتھ اُن کے لگ رہے ہیں عاشق جو ہیں رنگیلے
کہتا کوئی کسی سے "اے دلربا ہٹیلے "ایک ہی گلابی مو کی ہاتھوں سے میرے پی لے"
"آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا"

کالی گھٹا ہے ہر دم، برسیں ہیں مینہ کی دھاریں اور جس میں اڑ رہی ہیں بگلوں کی سو قطاریں
کوئل پپیہے کوکیں، اور کوک کر پکاریں اور مور مست ہو کر، جوں کوکلا جھنگاریں
"آیار چل کے دیکھیں، برسات کا تماشا"

کالی گھٹائیں آ کر، ہو مست تُل رہی ہیں دستاریں سُرخ اُس میں کیا خوب کھُل رہی ہیں
رخساروں پر بہاریں[1] ہر اک کے ڈُھل رہی ہیں شبنم کی بوندیں جیسے، ہر گل پہ تُل رہی ہیں
"آیار چل کے دیکھیں، برسات کا تماشا"

ساون کی کالی راتیں اور برق کے اشارے جگنو چمکتے پھرتے، جوں آسماں پہ تارے
لپٹے گلے سے سوتے، معشوق ماہ پارے گرتی ہے چھت کسی کی کوئی کھڑا پکارے
"آیار چل کے دیکھیں، برسات کا تماشا"

ہاتھوں میں ہیں ہر اک کے پھولوں کی لال چھڑیاں بجلی چمکتی پھرتی، اور لگ رہی ہیں جھڑیاں
گل بوندوں کے جو اوپر بوندیں ہیں مینہ کی پڑیاں برسیں گویا ہزاروں، اب موتیوں کی لڑیاں
"آیار چل کے دیکھیں، برسات کا تماشا"

ہر ایک اُن میں بہتر محبوب گل بدن ہے خوبی میں برگ گل سے بہتر ہر اک کا تن ہے
تس پر یہ ابر باراں، اور گل ہے اور چمن ہے عاشق کے دل سے پوچھو کیا عیش کا چلن ہے

---

(۱) پھواریں۔

آیار چل کے دیکھیں، برسات کا تماشا

شہروں کے بیچ ہر جا، عمدوں کے جو مکاں ہیں
باراں کے دیکھنے کی، بام و اٹاریاں ہیں
بیٹھے ہوئے بغل میں، معشوق دل ستاں ہیں
ہر رنگ و ہر طرح کی مے کی گلابیاں ہیں

آیار چل کے دیکھیں، برسات کا تماشا

بنگلے سبھوں کے ہر جا، اونچے چھوائے زردے
میوے، مٹھائی، انبہ، انگور اور سردے
پکوان تازے تازے، خاصے پلاؤ زردے
برسے ہے ابر باراں کھلوا دیے ہیں پردے

آیار چل کے دیکھیں، برسات کا تماشا

اب شہر میں جہاں تک اوباش پیشہ ور ہیں
بیٹھے دکان اوپر، بے خوف و بے خطر ہیں
معشوق ہیں بغل میں، محبوب سیم بر ہیں
اور سب غریب و غربا، دل شاد اپنے گھر ہیں

آیار چل کے دیکھیں، برسات کا تماشا

آگے دکاں کے نالا ہے موج مار چلتا
عالم طرح طرح کا آگے سے ہے نکلتا
کوئی چھپکتا پانی اور کوئی ہے پھسلتا
ٹھٹھا ہے اور مزا ہے، آب عنب ہے ڈھلتا

آیار چل کے دیکھیں، برسات کا تماشا

معمور ہیں جہاں کی سب تال اور تلیاں
سب بھر رہا ہے پانی ہوئیں نہر یا نہریاں
اور ڈالیاں چمن کی، بوندوں سے جھک رہی ہیں
بادل بھرے ہیں جیسے، معشوق میں دوگنیاں

آیار چل کے دیکھیں، برسات کا تماشا

ہے جو نظیر جی ہیں، دھومیں اکستیاں ہیں
سب سے زیادہ اس کو اب عیش مستیاں ہیں
معشوق ہیں بغل میں، اور مے پرستیاں ہیں
شعروں سے، موتیوں کی بوندیں برستیاں ہیں

آیار چل کے دیکھیں، برسات کا تماشا

برسات کی بہاریں

ہیں اس ہوا میں کیا کیا، برسات کی بہاریں
سبزوں کی لہلہاہٹ، باغات کی بہاریں

بوندوں کی جھمجھاہٹ[1] قطرات کی بہاریں   ہر بات کے تماشے، ہر گھات کی بہاریں

کیا کیا مچی ہیں، یارو برسات کی بہاریں

بادل ہوا کے اوپر، ہو مست چھا رہے ہیں   جھڑیوں کی مستیوں سے دھومیں مچا رہے ہیں

پڑتے ہیں پانی ہر جا، جل تھل بنا رہے ہیں   گل زار بھیگتے ہیں، سبزے نہا رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

مارے ہیں موج ڈابر، دریا اُمنڈ[ع] رہے ہیں   مور و پپیہے کوئل کیا کیا اُمنڈ[3] رہے ہیں

جھڑ کر رہی ہیں جھڑیاں نالے اُمنڈ رہے ہیں   برسے ہے مینہ جھڑا جھڑ بادل گھمنڈ رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

جنگل سب اپنے تن پر، ہریالی سج رہے ہیں   گل پھول جھاڑ بوٹے کر اپنی دھج رہے ہیں

بجلی چمک رہی ہے بادل گرج رہے ہیں   اللہ کے نقارے، نوبت کے بج رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

بادل لگا ٹکوریں، نوبت کی گت لگاویں   جھینگر جھنگار اپنی سُرنائیاں بجاویں

کر شور مور بگلے، جھڑیوں کا مُنہ بلاویں   پی پی کریں پپیہے، مینڈک ملاریں[4] گاویں

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

ہر جا بچھا رہا ہے سبزا ہرے بچھونے   قدرت کے بچھ رہے ہیں، ہر جا ہرے بچھونے

جنگلوں میں ہو رہے ہیں پیدا ہرے بچھونے   بچھوا دیے ہیں حق نے کیا کیا ہرے بچھونے

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

ع۔ کلیاتِ نظیر، مطبوعہ منشی نول کشور کان پور (۱۸۸۳ء) میں پہلے مصرع کا قافیہ "ڈونڈ" اور دوسرے کا "رمنڈ" ہے۔ شہباز مرحوم نے اس کی نقل کی اور علامت استفہام لگا کر ظاہر کیا کہ صحت میں انھیں شک ہے لیکن "ڈونڈ" کے معنی "جوش مارنا" اور "رمنڈنا" کے معنی "غل کرنا" لکھے ہیں۔ یہ دونوں لفظ لغات میں نہیں ملتے۔ "گھمنڈنا" کے معنی "گرجنا" لکھے ہیں۔ مگر لغات میں اس کے معنی ہیں "چھا جانا"۔ ہندی کا لغت "شبد ساگر" "اُمنڈنا" اور "اُمڑنا" کو ایک ہی مانتا ہے اور تین معنی لکھتا ہے (۱) طغیانی پر آنا۔ (۲) اٹھ کر پھیلنا۔ (۳) جوش میں آنا۔ نظیر نے غالباً یہ لفظ ان تینوں معنی میں استعمال کیا ہے۔ دریا طغیانی پر ہیں۔ مور کوئل وغیرہ جوش میں بھرے ہوئے مست ہیں اور نالوں کا پانی اٹھ کر کنارے کو اپنے دامن میں لیتا ہوا چاروں طرف پھیل گیا ہے۔

ن۱۔ جھماوٹ۔ ن۲۔ ڈونڈ۔ ن۳۔ رمنڈ۔ ف۴۔ ملار۔

سبزوں کی لہلہاہٹ، کچھ ابر کی سیاہی اور چھا رہی گھٹائیں، سُرخ اور سفید، کاہی
سب بھیگتے ہیں گھر گھر، لے ماہ تا بہ ماہی یہ رنگ کون رنگے، تیرے سوا آلہی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیا کیا رکھے ہے، یارب، سامان تیری قدرت بدلے ہے رنگ کیا کیا، ہر آن تیری قدرت
سب مست ہو رہے ہیں، پہچان، تیری قدرت تیتر پکارتے ہیں، سبحان، تیری قدرت
کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

کوئل کی کوک میں بھی، تیرا ہی نام ہوگا اور مور کی زٹل میں تیرا پیام ہوگا
یہ رنگ سو بڑے کا جو صبح و شام ہوگا یہ اور کا نہیں ہو تیرا ہی کام ہوگا
کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

پھولوں کی سیج اُوپر سوتے ہیں کتنے بن بن سوہن گلابی جوڑے، پھولوں کے ہار ابرن
کتنوں کو گھر ہے کھاتا، سونا لگے جو آنگن کونے میں پڑ رہی ہیں، سر مُنہ لپیٹ سوگن
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

بولیں بئے بیٹریں، قمری پکارے کو، کو پی پی کرے پپیہا، بگلے پکاریں تو تو
کیا ہُدہدوں کی حق حق، کیا فاختوں کی ہو ہو سب رٹ رہے ہیں تجھ کو کیا پنکھ کیا پکھیرو
کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

جو مست ہوں اُدھر کے کر شور ناچتے ہیں پیارے کا نام لے کر کیا زور ناچتے ہیں
بادل ہوا سے گر گر، گھنگھور ناچتے ہیں مینڈک اُچھل رہے ہیں، اور مور ناچتے ہیں
کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

جو خوش ہیں وہ خوشی میں کاٹے ہیں رات ساری جو غم میں ہیں اُنھوں پر گزرے ہے رات بھاری
سینوں سے لگ رہی ہیں، جو ہیں پیا کی پیاری چھاتی پھٹے ہے اُن کی جو ہیں برہ کی ماری
کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

جو وصل میں ہیں اُن کے جوڑے مہک رہے ہیں جھولوں میں جھولتے ہیں گہنے چمک رہے ہیں

جو دُکھ میں ہیں سو اُن کے سینے بھڑک رہے ہیں　　آہیں نکل رہی ہیں، آنسو ٹپک رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

اب برہنوں کے اوپر ہے سخت بے قراری　　ہر بوند مارتی ہے سینے اُپر کٹاری

بدلی کی دیکھ صورت، کہتی ہیں باری باری　　ہے ہے نہ لی پیا نے اب کے بھی سُدھ ہماری

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

جب کوئل اپنی اُن کو آواز ہے سُناتی　　سنتے ہی غم کے مارے، چھاتی ہے امڈی جاتی

پی پی کی دھن کو سُن کر بے کل ہیں کہتی جاتی　　مت بول اے پپیہے پھٹتی ہے میری چھاتی

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

ہے جن کی سیج سونی، اور خالی چارپائی　　رو رو انھوں نے ہردم، یہ بات ہے سُنائی

پردیسی نے ہماری اب کے بھی سُدھ بھلائی　　اب کے بھی چھاونی جا، پردیس ہی میں چھائی

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

کتنوں نے اپنی غم سے اب ہے یہ گت بنائی　　میلے کچیلے کپڑے، آنکھیں بھی ڈبڈبائی

نے گھر میں جھولا ڈالا، نے اوڑھنی رنگائی　　چھوٹا پڑا ہے چولھا، ٹوٹی پڑی کڑھائی

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

گاتی ہے گیت کوئی، جھولے پہ کر کے پھیرا　　مارو جی! آج کیجے یاں رین کا بسیرا

ہے خوش کوئی، کسی کو ہے درد و غم نے گھیرا　　مُنہ زرد، بال بکھرے، اور آنکھوں میں اندھیرا

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

اور جن کو اب مہیا حسنوں کی ڈھیریاں ہیں　　سُرخ اور سنہرے کپڑے عشرت کی گھیریاں ہیں

محبوب دلبروں کی زلفیں بکھیریاں ہیں　　جگنو چمک رہے ہیں، راتیں اندھیریاں ہیں

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

کتنے تو بھنگ پی پی کپڑے بھگو رہے ہیں　　باہیں گلوں میں ڈالے جھولوں میں سو رہے ہیں

کتنے برہ کے مارے سُدھ اپنی کھو رہے ہیں　　جھولے کی دیکھ صورت، ہر آن رو رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

بیٹھے ہیں کتنے خوش ہو اونچے چھوا کے بنگلے — پیتے ہیں مے کے پیالے، اور دیکھتے ہیں جنگلے
کتنے پھریں ہیں باہر، خوباں کو اپنے سنگ لے — سب شاد ہو رہے ہیں عمدہ، غریب، کنگلے

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

کتنوں کو محلوں اندر، ہے عیش کا نظارا — یا سائبان ستھرا، یا بانس کا اُسارا
کرتا ہے سیر کوئی کوٹھے کا لے سہارا — مفلس بھی کر رہا ہے، پولے تلے گزارا

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

چھت گرنے کا کسی جا، غل شور ہو رہا ہے — دیوار کا بھی دھڑکا، کچھ ہوش کھو رہا ہے
ڈر ڈر حویلی والا، ہر آن رو رہا ہے — مفلس سو جھوپڑے میں، دل شاد ہو رہا ہے

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

مدت سے ہو رہا ہے جن کا مکاں پرانا — اُٹھ کے ہے اُن کو مینہ میں، ہر آن چھت پہ جانا
کوئی پکارتا ہے "ٹک موری کھول آنا" — کوئی کہے ہے "چل بھی کیوں ہو گیا دوانا"

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

کوئی پکارتا ہے لو، یہ مکان ٹپکا — گرتی ہے چھت کی مٹی اور سائبان ٹپکا
چھلنی ہوئی اٹاری، کوٹھا ندان ٹپکا — باقی تھا اِک اُسارا، سو وہ بھی آن ٹپکا

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

اونچا مکان جس کا ہے بیچ کھنڈا سو آیا — اوپر کا کھن ٹپک کر جب پانی نیچے آیا
اُس نے تو اپنے گھر میں، ہے شور و غل مچایا — مفلس پکارتے ہیں جانے ہمارا جایا

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

سبزوں پہ بیر بہوٹی، ٹیلوں اُپر دھتورے — پسو سے مچھڑوں سے، روئے کوئی بسورے
بچھو کسی کو کاٹے، کیڑا کسی کو گھورے — آنگن میں کنسلائی، کونوں میں کھنکھجورے

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

پھنسی کسی کے تن میں، سر پر کسی کے پھوڑے — چھاتی پہ گرمی دانے اور پیٹھ میں ددوڑے

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

جس گل بدن کے تن میں پوشاک سوسنی ہے — سو وہ پری تو خاصی، کالی گھٹا بنی ہے
اور جس پہ سُرخ جوڑا، یا اُودی اوڑھنی ہے — اُس پر تو سب گھلاوٹ، برسات کی چھنی ہے

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

پتلی جہاں کسی نے دال اور کڑھی پکائی — مکھی نے وُوہیں بولی، آ اونٹ کی بُلائی[ن۱]
کوئی پکارتا ہے "کیوں خیر تو ہے بھائی" — ایسے جو کھانستے ہو، کیا کالی مرچ کھائی"

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

بدنوں میں کھپ رہے ہیں خوبوں کے لال جوڑے — جھمکیں دکھا رہے ہیں، پریوں کے لال جوڑے
لہریں بنا رہے ہیں، لڑکوں کے لال جوڑے — آنکھوں میں چبھ[ن۲] رہے ہیں، یاروں کے لال جوڑے

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

اور جس صنم کے تن میں، جوڑا ہے زعفرانی — گلنار یا گلابی، یا زرد، سُرخ، دھانی
کچھ حسن کی چڑھائی، اور کچھ نئی جوانی — جھولوں میں جھولتے ہیں اوپر پڑے ہے پانی

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

کوئی تو جھولتے ہیں، جھولے کے ڈور چھوڑے — یا ساتھیوں میں اپنے، پانوں سے پانوں جوڑے
بادل کھڑے ہیں سر پہ، برسے ہیں تھوڑے تھوڑے — بوندوں سے بھیگتے ہیں، لال اور گلابی جوڑے

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

کتنے شراب پی کر ہو مست جھک رہے ہیں — مے کی گلابی[ن۳] آگے پیالے چھلک رہے ہیں
ہوتا ہے ناچ گھر گھر، گھنگھرو جھنک رہے ہیں — پڑتا ہے مینہ جھڑا جھڑ، طبلے کھڑک رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

ہیں جن کے تن ملائم، میدے کی جیسے لوئی — وہ اس ہوا میں خاصی، اوڑھے پھریں ہیں لوئی
اور جن کی مفلسی نے، شرم و حیا ہے کھوئی — ہے اُن کے سر پہ سرکی، یا بوریے کی کھوئی

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

ن۱- بولائی - ن۲- کھپ جھپ - ن۳- گلابیاں ہیں پیالے جھلک۔

کتنے پھریں ہیں اوڑھے، پانی میں سُرخ پٹّو　　جو دیکھ سُرخ بدلی، ہوتی ہے اُن پہ لٹّو
کتنوں کے گاڑی رتھ ہیں، کتنوں کے گھوڑے ٹٹّو　　جس پاس کچھ نہیں ہے، وہ ہم سا ہے نکھٹّو
کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

جو اِس ہوا میں، یارو، دولت میں کچھ بڑے ہیں　　ہے اُن کے سر پہ چھتری، ہاتھی اُپر چڑھے ہیں
ہم سے غریب غربا کیچڑ میں گر پڑے ہیں　　ہاتھوں میں جوتیاں ہیں اور پائینچے چڑھے ہیں
کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

ہے جن کنے مہیّا، پکّا پکایا کھانا　　اُن کو پلنگ پہ بیٹھے، جھڑیوں کا حظ اُڑانا
ہے جن کو اپنے گھر کا، یا نون تیل لانا　　ہے سر پہ اُن کے پنکھا، یا چھاج ہے پُرانا
کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

کتنے خوشی سے بیٹھے، کھاتے ہیں خوش محل میں　　کتنے چلے ہیں لینے، بنیے سے قرض پل میں
کاندھے پہ دال آٹا، ہلدی گرہ کی بل میں　　ہاتھوں میں گھی کی پیالی، اور لکڑیاں بغل میں
کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

کوئی رات کو پکارے "پیارے میں بھیگتی ہوں　　کیا تیری الفتوں کی ماری میں بھیگتی ہوں
"آئی ہوں تیری خاطر آرے میں بھیگتی ہوں　　کچھ تو ترس تو میرا کھارے میں بھیگتی ہوں"
کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

کوئی پکارتی ہے "دل سخت بھیگتی ہوں　　کانپے ہے میری چھاتی، یک لخت بھیگتی ہوں
"کپڑے بھی تر بہ تر ہیں، اور سخت بھیگتی ہوں　　جلدی بلالے مجھ کو کم بخت بھیگتی ہوں"
کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

کوئی پکارتی ہے "کیا کیا مجھے بھگویا"　　کوئی پکارتی ہے "کیسا مجھے بھگویا
"ناحق قرار کر کے جھوٹا، مجھے بھگویا　　یوں دُور سے بلا کر، اچھا مجھے بھگویا"
کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

جن دلبروں کی خاطر بھیگے ہیں جن کے جوڑے　　وہ دیکھ اُن کی اُلفت ہوتے ہیں تھوڑے تھوڑے

لے اُن کے بھیگے کپڑے[۱۱] ہاتھوں میں دھر نچوڑے — جیرا کوئی سُکھاوے، جامہ کوئی نچوڑے

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

کیچڑ سے ہو رہی ہے جس جا زمیں پھسلنی — مشکل ہوئی ہے واں سے، ہر اک کو راہ چلنی

پھسلا جو پاؤں پگڑی مشکل ہے پھر سنبھلنی — جوتی گڑی[۱۲] تو اُن سے[۱۳] کیا تاب پھر نکلنی

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

کتنے تو کیچڑوں کی دلدل میں پھنس رہے ہیں — کپڑے تمام گندے دلدل میں بس رہے ہیں

کتنے اُٹھے ہیں مر مر، کتنے اُکس رہے ہیں — وہ دُکھ میں پھنس رہے ہیں، اور لوگ ہنس رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

کہتا ہے کوئی گر کر، "یہ اے خدا، اے لیجو" — کوئی ڈگمگا کے ہر دم، کہتا ہے "واہ، لیجو"

کوئی ہاتھ اُٹھا پکارے "مجھ کو بھی ہاے لیجو" — کوئی شور کر پکارے "گرنے نہ پاے، لیجو"

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

گر کر کسی کے کپڑے دلدل میں ہیں معطّر — پھسلا کوئی کسی کا کیچڑ میں منہ گیا بھر

اک دو نہیں پھسلتے، کچھ اس میں آن اکثر — ہوتے ہیں سیکڑوں کے سر نیچے پاؤں اوپر

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

یہ رُت وہ ہے کہ جس میں خرد و کبیر خوش ہیں — ادنیٰ، غریب، مفلس، شاہ و وزیر خوش ہیں

معشوق شاد و خرم، عاشق، امیر، خوش ہیں — جتنے ہیں اب جہاں میں سب، اے نظیر خوش ہیں

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

اُومس

کیا ابر کی گرمی میں گھڑی پہر ہے اُومس — گرمی کے بڑھانے کی عجب لہر ہے اُومس

پانی سے پسینوں کی بڑی نہر ہے اُومس — ہر باغ میں ہر دشت میں ہر شہر[۵۶] ہے اُومس

---

۵۶ ہر شہر یعنی ہر شہر میں۔

۱۱۔ اُن کی بھیگی پگڑی۔ ۱۲۔ گری ۱۳۔ واں سے۔

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُومس

کہتے تو اس اُومس کے تئیں کہتے ہیں گرماؤ	یعنی کہ گھرا ابر ہو اور آکے رکی باؤ
اُس وقت تو پڑتا ہے غضب جان میں گھبراؤ	دل سینے میں بے کل ہو یہی کہتا ہے کھاناؤ

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُومس

بدلی کے جو گھر آنے سے ہوتی ہے ہوا بند	پھر بند سی گرمی وہ غضب پڑتی ہے یک چند
پنکھے کوئی پکڑے کوئی کھولے ہے کھڑا بند	دم رک کے گھلا جاتا ہے کرنے سے ہر اک بند

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُومس

اِدھر تو پسینوں سے پڑی بھیگیں ہیں کھاٹیں	گرمی سے اُدھر میل کی کچھ چیونٹیاں کاٹیں
کپڑا جو پہنیے تو پسینے اُسے آٹیں	ننگا جو بدن رکھیے تو پھر مکھیاں چاٹیں

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُومس

رکنے سے ہوا کے، جو برا ہوتا ہے احوال	پنکھا کوئی آنچل، کوئی دامن، کوئی رومال
دم دھوکنے لگتا ہے لہاروں کی گویا کھال	کچھ روح کو بیتابیاں کچھ جان کو جنجال

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُومس

گھبرا کے دم آتا ہے کبھی جاتا ہے بھولا	آرام جو دل کا ہے سبھی جاتا ہے بھولا
آتا ہے کبھی ہوش، کبھی جاتا ہے بھولا	کپڑے بھی برے لگتے ہیں، جی جاتا ہے بھولا

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُومس

ہوتی ہے اُمس جو کبھی اک رات کو آکر — کر ڈالتی ہے پھر تو قیامت ہی مقرر
ایدھر تو ہوا بند اُدھر پسّو و مچھّر — پانی کوئی پیوے تو وہ[1] ادہن سے بھی بدتر

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

جس وقت ہوا بند ہو اور آکے گھٹا چھائے — پھر کیسے دل اُس گرمی میں کس طرح نہ گھبرائے
اوڑھو تو پسینا جو نہ اوڑھو تو غضب آئے — پسّو کبھی مچھّر کبھی کھٹمل ہے لپٹ جائے

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھّی ہے پر اک قہر ہے اُمس

گر اس میں ہوا کھل گئی اور پانی بھی لائی — تو جی میں جی اور جان میں کچھ جان سی آئی
اور اس میں جو پھر ہو گئی اُمس کی چڑھائی — تو پھر وہی رونا، وہی غل شور، دُہائی

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھّی ہے پر اک قہر ہے اُمس

اُمس میں تو لازم ہے کہ پنکھا نہ ہوا ہو — اک کوٹھری ہو جس میں دھواں آکے بھرا ہو
اور مکھیوں کے واسطے گڑ تن سے ملا ہو — اُس وقت مزا دیکھیے اُمس کا کہ کیا ہو

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھّی ہے پر اک قہر ہے اُمس

اس رُت میں تو واللہ عجب عیش ہے دل خواہ — مینہ برسے ہے اور سرد ہوا آتی ہے ہر گاہ
جنگل بھی ہرے گل بھی کھلے، سبزہ چراگاہ — اُمس ہی مگر دل کو ستاتی ہے نظیر آہ

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھّی ہے پر اک قہر ہے اُمس

اندھیری رات

لاتی ہے جب اپنا یہ شروعات اندھیری — کرتی ہے اُجالے کے تئیں مات اندھیری

---

(۱) - ادھن سے بھی وہ بدتر۔

دیتی ہی غریبوں کو مُکافات اندھیری دکھلاتی ہی خوباں کی ملاقات اندھیری
ہر عیش کی کرتی ہی عنایات اندھیری
کام آتی ہی عاشق کے بہت رات اندھیری

جس وقت ہوئی رات اندھیرے سے دھواں دھار جو شوخ ملا، شوق سے، جا بھڑ گئے للکار
گر اس میں کہیں شور و یا غل ہوا اک بار ایدھر سے اُدھر ہو گئے دو چار قدم یار
بر لاتی ہی اس ڈھب کی مُہمات اندھیری
کام آتی ہی عاشق کے بہت رات اندھیری

جب یار چلا اوڑھ کے کالا سا دُشالا کمبل کو اِدھر ہم نے بھی کاندھے پہ سنبھالا
جا مل گئے اور دل کا بھی ارمان نکالا مُنہ اُس کے رقیبوں کا کیا خوب سا کالا
کیا وصل کی رکھتی ہی کرامات اندھیری
کام آتی ہی عاشق کے بہت رات اندھیری

کل یار نے اور ہم نے جو پی مے کی گلابی اور عیش لگے کرنے جو ہو ہو کے شرابی
اتنے میں رقیب آ گیا بو سونگھ شتابی گر چاندنی ہوتی تو بڑی ہوتی خرابی
ٹالے ہی سب آئی ہوئی آفات اندھیری
کام آتی ہی عاشق کے بہت رات اندھیری

سوتے تھے جو ہم اِس میں سُنے غیر کے کھٹکے چھُپ چھُپ گئے اُٹھ دونوں وہیں نیچے پلنگ کے
ہم ہلتے رہے اُس نے ڈھبک ڈھوئے جو مارے کتنا ہی ٹٹولا جو اُجالا ہو تو پاوے
چوری کی بھی رکھ لیتی ہی کیا بات اندھیری
کام آتی ہی عاشق کے بہت رات اندھیری

معمول ہی جب چاند کا چھپتا ہی اُجالا ہوتا ہی عجب کھیل پری رو سے دو بالا
محبوب پری شکل صراحی و پیالا نے روکنے والا نہ کوئی ٹوکنے والا
اِس لوٹ کی کرتی ہی مدارات اندھیری
کام آتی ہی عاشق کے بہت رات اندھیری

جس کوچے میں چاہا وہیں کرنے لگے پھیری
بیٹھے کہیں اُٹھے کہیں جلدی کہیں دیری
اور اس میں کہیں مل گئی گر حسن کی ڈھیری
پھر جب تو نہ کہہ میری، نہ میں کچھ کہوں تیری
کام عیش کے لاتی ہے لگا سات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

تھا شوخ سے کل رات عجب سیر کا کھٹکا
بوسوں کی مدارات کا سینوں کی لپٹ کا
آیا جو چغل خور تو بندہ وہیں سٹکا
وہ ٹکریں کھاتا ہوا پھرتا رہا، بھٹکا
رد کرتی ہے سب سر کی بلیات اندھیری.
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

تھی شب کو اندھیری تو عجب ڈھب کی نظر آہ
سو عیش و طرب سے تھے ہم اُس یار کے ہم راہ
نکلے تھے ہمیں ڈھونڈھنے اُس دم کئی بدخواہ
رل مل ہی گئے تو بھی نہ دیکھا ہمیں، واللہ
کیا عیش کی رکھتی ہے طلسمات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

کورا برتن

کورے برتن ہیں کیاری گلشن کی
جس سے کھلتی ہے ہر کلی تن کی
بوند پانی کی ان میں جب کھنکی
کیا وہ پیاری صدا ہے سَن سَن کی
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ، کیا بات کورے برتن کی

پانی کی آب اب بڑی ہے ذات
قطرہ قطرہ ہے جس کا آب حیات
کورے برتن میں جب کہ آیا ہاتھ
پھر تو آب حیات بھی ہے مات
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ، کیا بات کورے برتن کی

وہ جو پانی کی کوری گولی ہے
وہی آنے کی مول، گولی ہے

کیا ہی ٹھنڈی دوا کی گولی ہے
کیا کہوں[٥] گولی گولی گولی ہے
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

یہ جو گولی کی بولیاں باندھیں
ہم نے پانی کی گولیاں باندھیں
سوندھی سوندھی ٹھٹولیاں باندھیں
دل نے پھولوں کی جھولیاں باندھیں
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کورا پنہاری کا جو ہے مٹکا
اس کا جوبن کچھ اور ہی مٹکا
لے گیا جان پائوں کا کھٹکا
دل گھڑے کی طرح سے دے پٹکا
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کوری ٹھلیا یہ دیکھ کر لوٹا
دل لگا ہونے کچھ کھرا کھوٹا
گرچہ لوٹا وہ قد کا ہے چھوٹا
جس نے دیکھا اُسی کا دل لوٹا
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کورے کوزوں کو دیکھ عالم میں
کوزے مصری کے بھر گئے غم میں
یوں وہ رستے ہیں آب کے نم میں
جیسے ڈوبے ہوں پھول شبنم میں
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

وہ جو کورا سفید جھجھر ہے
جس کی جاگیر ملک جھجھر ہے
بیل بوٹے سے اس جھمک پر ہے
تاش، کمخواب، یا مشجر ہے
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

---

٥ دیکھو فرہنگ۔

جس صراحی میں سرد پانی ہے — موتی کی آب پانی پانی ہے
زندگی کی یہی نشانی ہے — دوستو، یہ بھی بات مانی ہے
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جتنے نذر و نیاز کرتے ہیں — اور جو پیروں سے اپنے ڈرتے ہیں
جب کہ لا۱ پھول پان دھرتے ہیں — وہ بھی کوری ہی ٹھلیاں بھرتے ہیں
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

خاک سے جب کہ اُن کو گڑھتے ہیں — بندگی سے یہ اپنی بڑھتے ہیں
کوروں پر پھول ہار چڑھتے ہیں — حور و غلماں درود پڑھتے ہیں
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کوروں پر جو، نظیرؔ، جوبن ہے — جو جرے میں کہاں وہ کھن کھن ہے
جس گھڑونچی پہ کورا باسن ہے — وہ گھڑونچی نہیں ہے، گلشن ہے
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

آگرے کی ککڑی

پہونچے نہ اس کو ہرگز کابل دریے کی ککڑی — نے پورب اور نہ پچھم، خوبی بھرے کی ککڑی
نے چین کے پرے کی اور نے ورے کی ککڑی — دکھن کی اور نہ ہرگز، اُس سے پرے کی ککڑی
کیا خوب نرم و نازک، اِس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر، اِسکندرے کی ککڑی

۱۔ پان، پھول۔

کیا پیاری پیاری میٹھی اور پتلی پتلیاں ہیں
گنّے کی پوریاں ہیں، ریشم کی تکلیاں ہیں
فرہاد کی نگاہیں، شیریں کی ہنسلیاں ہیں
مجنوں کی سرد آہیں لیلیٰ کی انگلیاں ہیں

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

کوئی ہے زردی مائل، کوئی ہری بھری ہے
پکھراج منفعل ہے، پنے کو تھرتھری ہے
ٹیڑھی ہے سو تو، چوڑی وہ ہیرے کی ہری ہے
سیدھی ہے سو وہ، یارو، رانجھا کی بانسری ہے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر، اسکندرے کی ککڑی

میٹھی ہے جس کو برفی کہیے گلابی کہیے
یا حلقے دیکھ اُس کے تار سچ جلیبی کہیے
تل شکریوں کی پھانکیں، اب یا امرتی کہیے
سچ پوچھیے تو اس کو دندان مصری کہیے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر، اسکندرے کی ککڑی

چھونے میں برگ گل ہے کھانے میں کرکری ہے
گرمی کے مارنے کو اک تیر کی سری ہے
آنکھوں میں سکھ کلیجے، ٹھنڈک ہری بھری ہے
ککڑی نہ کہیے اس کو ککڑی نہیں پری ہے

کیا خوب نرم نازک، اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

بیل اُس کی ایسی نازک جوں زلف پیچ کھائی
بیج ایسے چھوٹے چھوٹے خشخاش یا کہ رائی
دیکھ اُس کی ایسی نرمی باریکی اور گلائی
آتی ہے یاد ہم کو محبوب کی کلائی

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

لیتے ہیں مول اُس کو گل کی طرح سے کھل کے
معشوق اور عاشق کھاتے ہیں دونوں مل کے
عاشق تو ہیں بجھاتے شعلوں کو اپنے دل کے
معشوق ہیں لگاتے، ماتھے پہ اپنے چھلکے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

مشہور جیسی ہرجایاں کی جمالیاں ہیں — ویسی ہی ککڑی نے بھی دھومیں یہ ڈالیاں ہیں
میٹھی ہیں سو تو گویا، شکر کی تھالیاں ہیں — کڑوی ہیں سو بھی گویا خوباں کی گالیاں ہیں

کیا خوب نرم و نازک، اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

جو ایک بار یارو اِس جا کی کھائے ککڑی — پھر جا کہیں کی اُس کو ہرگز نہ بھائے ککڑی
دل تو نظیر غش ہے، یعنی منگائے ککڑی — ککڑی ہے یا قیامت، کیا کہیے، ہائے ککڑی

کیا خوب نرم و نازک، اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر، اسکندرے کی ککڑی

تربوز

کیوں نہ ہو سبز زمرد کے برابر تربوز — کرتا ہے خشک کلیجے کے تئیں تر تربوز
دل کی گرمی کو نکالے ہے یہ اکثر تربوز — جس طرف دیکھیے بہتر سے ہے بہتر تربوز

اب تو بازار میں بکتے ہیں سراسر تربوز

کتنے ہیں کھاتے نزاکت سے تراش[ن۱] اُس میں دھر — تاکہ سینہ ہو خنک سردی میں[۳] ٹھنڈا ہو جگر
کتنے شربت ہی کے پیتے ہیں کٹورے بھر بھر — کتنے بیجوں کو کُھٹکتے ہیں خوشی ہو ہو کر

کتنے کھاتے ہیں کفایت سے پکا کر تربوز

میٹھے اور سرد ہیں اتنے کہ ذرا نام لیے — ہونٹھ چپکے ہیں جدا، دانت ہیں کڑ کڑ بجتے
شب کو دو چار منگا کر جو تراشے میں نے — کیا کہوں میں کہ مٹھائی میں وہ کیسے نکلے

کوئی اولا، کوئی مصری، کوئی شکر تربوز

مجھ سے کل یار نے منگوایا جو دے کر پیسا — اُس کے ٹانکی جو لگائی تو وہ کچا[ن۱] نکلا
دیکھ تیوری کو چڑھا، ہو کے غضب طیش میں آ — کچھ نہ بن آیا تو پھر گھور کے یہ کہنے لگا

"کیوں بے، لایا ہے اُٹھا کر یہ مرا سر تربوز"

ن۱۔ اے۔ ن۲۔ ے۔ ن۳۔ نکلا کچا۔

جب کہا میں نے میاں یہ تو نہیں ہے کچا
اور کچا ہے تو میں پیٹ میں بیٹھا[ن۱] تو نہ تھا
اس کے سنتے ہی غضب ہو کے وہ لال انگارا
لاٹھی پاٹھی جو نہ پائی تو پھر آخر جھنجلا
کھینچ مارا مرے سینے پہ اُٹھا کر تربوز

کیوں، میاں، ہم کو جو تم کرتے ہو لگڑی کھیرا
کوسنا ہر گھڑی ہر آن کا ہوتا ہے بُرا
تم کو تو پڑ گیا ملنے کا رقیبوں سے مزا
جھولی قسمیں یہ مرے سر کی جو کھاتے ہو بھلا
کیا مرے سر کو کیا تم نے مقرّر تربوز

[ن۲] پیار سے جب ہے وہ تربوز کبھی منگواتا
چھلکا اس کا مجھے ٹوپی کی طرح دے ہے بٹھا
اور یہ کہتا ہے کہ پھینکا تو چکھاؤں گا مزا
کیا کہوں، یارو، میں اُس شوخ کے ڈر کا مارا
دو دو دن رکھے ہوئے پھرتا ہوں سر پر تربوز

ایک بے درد ستم گر ہے وہ کافر خوں خوار
قتل کرتا ہے عزیزوں کے تئیں لیل و نہار
کل مرا اُس کی گلی میں جو ہوا آ کے گذار
اس طرح سر کے شہیدوں کا پڑا تھا انبار
جیسے بازار میں تربوز کے اوپر تربوز

تھی جنھیں آگے ترے قند سے ہونٹوں پہ نگاہ
آرزو ہی میں وہ سب مر کے ہوئے خاک سیاہ
اُن شہیدوں کی بھی کچھ تجھ کو خبر ہے واللہ
بوسے لینے کی تمنا میں تہِ خاک سے آہ
وہی حسرت زدہ اب نکلے ہیں بن کر تربوز

رات اُس شوخ سے میں نے یہ پہیلی میں کہا
"بھیگی بکری کسے کہتے ہیں بتاؤ تو بھلا"
اس پہیلی کے تئیں سن کے بڑے سوچ میں آ
جب نہ سمجھا تو کہا "ہار کے اب تو ہی بتا"
ہنس کے جب میں نے کہا "اے مرے دلبر تربوز"

اب تو اُس شوخ کا تربوز ہی لوٹے ہے مزا
وہ تو ٹھنڈا ہے وہ لے میرا جگر ہے جلتا
رونا کس طور، نظیر اب نہ مجھے آوے بھلا
پھانک بیجوں کی بھری لے ہے وہ جب مُنہ سے لگا
تب لپٹ جاتا ہے کیا پیار سے ہنس کر تربوز

ن۱۔ بیٹھا۔ ن۲۔ یا جب ہم سے ہے

آندھی

نہ ہو کیوں کہ جہاں، یارو، زبر اور زیر آندھی میں
کہ ہو کر باؤلے پھرتے ہیں، بن کے شیر آندھی میں
لگا لینے جو گل دامن ہوا کا، گھیر آندھی میں
بگولے اُٹھ[1] چلے تھے اور نہ تھی کچھ دیر آندھی میں
کہ ہم سے یار سے آ ہو گئی مڈبھیڑ آندھی میں

کہا میں نے اجی کچھ خیر[2] ہے جاتی ہو تم کیدھر
ہوا پر بھی تمھیں کچھ ہے نظر اے نازنیں دل بر
چلو بھاگو شتابی، ورنہ آندھی آ گئی سر پر
جتا کر خاک کا اُڑنا دکھا کر گرد کا چکر
وہیں ہم لے چلے اُس گل بدن کو گھیر آندھی میں

یہ سنتے ہی بھری ڈر کر وہ چنچل نازنیں گل رو
چلی اس چال[3] سے اُس دم کہ میرا جی گیا غش ہو
کہ اس میں آ کے اک جھوکا اندھیرا کر گیا، یارو
رقیبوں نے جو دیکھا یہ، اُڑا کر لے چلا اُس کو
پکارے[4] ہائے یہ کیسا ہوا اندھیر آندھی میں

یہ کہہ کر کھڑکھڑا تیغ و سپر اور مل کے سب دوڑے
پکارے لے چلو[5] جانے نہ پاوے اس کو جلدی سے
کہاں کا دوڑنا اور کس کا لینا، ہم جو دھر بھاگے
وہ دوڑے تو بہت، لیکن اُنھیں آندھی میں کیا سوجھے
غرض بس ہم اُس پری کو لائے گھر میں گھیر آندھی میں

چلے[6] اُس میں ہوا کے، پھر تو آ کر اور سناٹے
اندھیرا ہو گیا یک سر منوں خاکیں لگیں اُڑنے
اُنھیں جھوکوں میں ہم نے اُس پری چنچل کو جلدی سے
چڑھا کوٹھے پہ دروازے کو مونڈا اور کھول کر پردے
لگا چھاتی، لیے بوسے کیا ہنتھ پھیر آندھی میں

ادھر[7] تو آ کے آندھی سے اندھیرا ہو گیا ہر سو
خبر کس کو کسی کی میں کہاں ہوں اور کہاں ہے تو
اہاہا عجب حسرت کی اس دم بہ گئی اک جو
وہ کوٹھے کا مکاں، وہ کالی آندھی، وہ صنم گل رو
عجب رنگوں کی ٹھہری آ کے ہیرا پھیر آندھی میں

ن۱ بھولے۔ ن۲ جاتے ہو تم اب کیدھر ن۳ حال۔ ن۴ پکارا یہ کوئی۔ ن۵ سیجھو ن۶ چلے آ کر ہوا کے اس میں پھر تو اور سناٹے۔
ن۷ ادھر تو آ گئی آندھی، اندھیرا ہو گیا ہر سو۔

اس آندھی میں آہا ہا ہا عجب ہم نے مزے مارے
فلک پر عیش و عشرت کے دکھائی دے گئے تارے
رقیبوں کی ہیں اب خواری، خرابی کیا لکھوں بارے
تلے کوٹھے کے بیٹھے اٹ گئے سب گرد کے مارے
بھری نتھنوں میں اُن کے خاک دس دس سیر آندھی میں

کسی نے بھاگ کر جلدی سے جا گھر کا لیا آنگن
گرا کوئی گڑھے میں، اور کوئی بھاگا کہیں دشمن
کسی کے چھن گئے کپڑے، اُچکوں کی گئی واں بن
کسی کی اُڑ گئی پگڑی کسی کا پھٹ گیا دامن
گئی ڈھال، اور کسی کی گر پڑی شمشیر آندھی میں

یہ دن آندھی کے، یارو، یوں تو سب کے ہوش کھوتے ہیں
جنھیں ہیں عیش وہ آندھی میں موتی سے پروتے ہیں
مزا ہی جن کو ہنستے ہیں جنھیں غم ہے سو روتے ہیں
نظیرؔ آندھی میں کہتے ہیں، کہ اکثر دیو ہوتے ہیں
میاں ہم کو تو لے جاتی ہیں پریاں گھیر آندھی میں

جاڑے کی بہاریں

جب ماہ اگھن کا ڈھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
اور ہنس ہنس پوس سنبھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
دن جلدی جلدی چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
اور پالا[۱] برف پگھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
چلّا خم ٹھونک اُچھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

تن ٹھوکر مار پچھاڑا ہو، اور دل[۲] سے ہوتی کشتی سی
تھر تھر کا زور اکھاڑا ہو، بجتی ہو سب کی بتّیسی
ہو شور پھپھو[۳] ہو ہو ہو کا، اور دھوم ہو[۴] سی سی سی کی
کلّے پر کلّہ لگ لگ کر چلتی ہو مُنہ میں چسکی سی
ہر دانت چنے سے دلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر ایک مکاں میں سردی نے آ باندھ دیا ہو یہ چکّر
جو ہر دم کپ کپ ہوتی ہو، ہر آن کڑاکڑ اور تھر تھر
بیٹھی ہو سردی رگ رگ میں، اور برف پگھلتا ہو پتھر
جھڑ باندھ مہاوٹ پڑتی ہو اور تس پر لہریں لے لے کر
سنّاٹا باؤ کا چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ن۱ - پالا یعنی برف۔ ن۲ - دل۔ ن۳ - پھپھو۔ ن۴ - دھوم سے ہوتی ہو سی سی۔

ترکیب بنی ہو مجلس کی، اور کافر ناچنے والے ہوں
منہ اُن کے چاند کے ٹکڑے ہوں، تن اُن کے رُوئی کے گالے ہوں
پوشاکیں نازک رنگوں کی اور اوڑھے شال دوشالے ہوں
کچھ ناچ اور رنگ کی دھومیں ہوں، کچھ عیش میں ہم متوالے ہوں
پیالے پر پیالا چلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر ایک مکان ہو خلوت کا اور عیش کی سب تیاری ہو
وہ جان کہ جس پر جی غش ہو سو ناز سے آ جھنکاری ہو
دل دیکھ نظیرؔ اُس کی چھب کو، ہر آن ادا پر واری ہو
سب عیش مہیا ہو آکر جس جس ارمان کی باری ہو
جب سب ارمان نکلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

تِل کے لڈّو

جاڑے میں پھر خدا نے کھلوائے[1] تل کے لڈو
ہر ایک خوانچے میں دکھلائے[2] تل کے لڈو
کوچے گلی میں ہر جا بکوائے تل کے لڈو
ہم کو بھی ہیں گے دل سے خوش آئے تل کے لڈو
جیتے رہے تو یارو پھر کھائے تل کے لڈو

عمدوں نے سو طرح کی، یاقوتیاں بنائیں[3]
لونگوں میں دارچینی، شکر بھی سے ملائیں
سردی میں دولتوں کی سو گرم چیزیں کھائیں
اوروں نے ڈال مصری گر پینڈیاں بنائیں
ہم نے بھی گڑ منگا کر بندھوائے تل کے لڈو

رکھ خوانچے کو سر پر پکار یوں پکارا
بادام بھونا چابو، اور کرکرا چھوہارا
جاڑا لگے تو اس کا کرتا ہوں میں اجارا
جس کا کلیجہ یارو، سردی نے ہو وے مارا
تو دام لے کے وہ مجھ سے لے جائے تل کے لڈو

جاڑا تو اپنے دل میں تھا پہلواں جھجھارا
پر ایک دل نے اس کو رگ رگ سے ہو اکھاڑا
جس دم دل و جگر کو سردی نے آلتاڑا
خم ٹھوک وو ہیں ہم نے جاڑے کو دھر پچھاڑا
تن پھیر ایسا بھبکا جب کھائے تل کے لڈو

کل یار سے جو اپنے ملنے کے تئیں گئے ہم
کچھ بیڑے اُس کی خاطر کھانے کو لے گئے ہم

[1] دکھلائے۔ [2] کھلوائے۔ [3] اُڑائیں۔

مجبوب ہنس کے بولا، حیرت میں ہو رہے ہم — "پیڑوں کو دیکھ دل میں ایسے خوشی ہوئے ہم"
گویا ہماری خاطر تم لائے تل کے لڈو

جب اُس صنم کے مجھ کو جاڑے پہ دھیان آیا — سب سودا تھوڑا تھوڑا بازار سے منگایا
آگے جو لا کے رکھا کچھ اُس کو خوش نہ آیا — چیزیں تو وہ بہت تھیں پر اُس نے کچھ نہ کھایا
جب خوش ہوا، وہ اُس نے جب پائے تل کے لڈو

جاڑے میں جس کو ہر دم پیشاب ہے ستاتا — اُٹھیں تو جاڑا لپٹے نہیں موت نکلا جاتا
ان کی دوا بھی کوئی پوچھو حکیم سے جا — بتلائے کتنے نسخے، پر ایک بن نہ آیا
آخر علاج اُس کا ٹھہرائے تل کے لڈو

جاڑے میں اب جو یارو یہ تل گئے ہیں بھونے — محبوبوں کے بھی تل سے ان کے مزے ہیں دونے
دل لے لیا ہمارا، تل شکریوں کے رونے — یہ بھی نظیر لڈو ایسے بنائے تو نے
سُن سُن کے جس کی لذت گھبرائے تل کے لڈو

عاشقوں کی بھنگ

دنیا کے امیروں میں یاں کس کا رہا ڈنکا — برباد ہوئے لشکر، فوجوں کا تھکا ڈنکا
عاشق تو یہ سمجھے ہیں، اب دل میں بنا ڈنکا — جو بھنگ پئیں اُن کا بجتا ہے سدا ڈنکا
کونڈی کے نقارے پر خُتکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق، دن رات بجا ڈنکا

اُلفت کے زمرد کی یہ کھیت کی بوٹی ہے — پتوں کی چمک اس کے کمخواب کی بوٹی ہے
منہ جس کے لگی اُس سے پھر کاہے کو چھوٹی ہے — یہ تان ٹکورے کی اس بات پہ ٹوٹی ہے
کونڈی کے نقارے پر خُتکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق، دن رات بجا ڈنکا

ہر آن کھڑا کے سے، اس ڈھب کا لگا رگڑا — جو سن کے کھڑک اُس کی ہو بند سبھی دگڑا

کونڈی کے نقارے پر، کھنکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق، دن رات بجا ڈنکا

اک پیالے کے پیتے ہی، ہو جاوے گا متوالا
آنکھوں میں تری آکر کھل جائے گا گل لالہ
کیا کیا نظر آوے گی، ہریالی و ہریالا
آ! مان کہا میرا، اے شوخ، نئے لالا

کونڈی کے نقارے پر، کھنکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق، دن رات بجا ڈنکا

ہیں مست وہی پورے، جو کونڈی کے اندر ہیں
دل اُن کے بڑے دریا جی اُن کے سمندر ہیں
بیٹھے ہیں صنم بُت ہو اور جھومتے مندر ہیں
کہتے ہیں یہی ہنس ہنس، عاشق جو قلندر ہیں

کونڈی کے نقارے پر، کھنکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق، دن رات بجا ڈنکا

سب چھوڑ نشہ پیارے، ہووے تو اگر سبزی
کر جاوے وہیں تیری، خاطر میں اثر سبزی
ہر باغ میں، ہر جا میں آجاوے نظر سبزی
تیری بھی نظیر اب تو سبزی میں ہو بسر سبزی

کونڈی کے نقارے پر، کھنکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق، دن رات بجا ڈنکا

موت

دنیا میں اپنا جی کوئی بہلا کے مر گیا
دل تنگیوں سے اور، کوئی اُکتا کے مر گیا
عاقل تھا وہ تو آپ کو سمجھا کے مر گیا
بے عقل چھاتی پیٹ کے، گھبرا کے مر گیا

دُکھ پا کے مر گیا، کوئی سُکھ پا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مر گیا

دن رات دُن[1] مچی ہے یہاں اور پڑی[2] ہے جنگ
چلتی ہے نت اجل کی سناں، گولی اور تفنگ
جس کا قدم بڑھا وہ موا وہیں بے درنگ
جو جی چھپا کے بھاگا، تو اُس کا ہوا یہ رنگ

۱۔ رن۔ ۲۔ بڑی۔

وہ بھاگنے میں، تیغ و تبر کھا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

پیدا ہوئے ہیں خلق میں اب جتنے جزو کل
یا چپ گذاری عمر، دیا دھوم کر کے غل
جب آن کر فنا نے کھلایا اجل کا گل
کام آئی کچھ کسی کو خموشی نہ شور و غل
چپکے کوئی موا، کوئی چلا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

گر لاکھ عشرتوں سے ہے دل میں یہ دھوم دھام
یا سو مصیبتوں سے، ہوا غم کا اژدہام[1]
آخر کو جب اجل نے کیا آن کر سلام
غم میں کسی حسین کے کوئی ہو گیا تمام
کوئی حور، پریاں، چھاتی سے لپٹا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

پڑھ کر نماز، کوئی رہا پاک باوضو
کوئی شراب پی کے، رہا مست کو بہ کو
ناپاکی، پاکی، موت کے ٹھہری نہ روبرو
کوئی عبادتوں سے موا ہو کے سرخ رو
ناپاک روسیاہ بھی، پچھتا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

کر دل کے آئینہ کے تئیں، صاف ایک بار
کشفِ قلوب، دل پہ کیا اپنے آشکار
جب پیک نے اجل کے کیا آن کر گذار
کام آئی روشنی، نہ کرامات کی بہار
کامل فقیر، خلق میں کہلا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

بالفرض گر کسی کو، ہوئی یاد کیمیا
یا مفلسی میں، ایک نے خونِ جگر پیا
کوئی زیادہ عمر سے، اک دم نہیں جیا
سوکھی کسی نے روٹی چبا، غم میں جی دیا
قلیا، پلاؤ زردہ، کوئی کھا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

---

[1] ازدحام۔

پہنا لباس خوب، اگر عطر کا بھرا (۱) | یا چیتھڑوں کی گدڑی کوئی اوڑھ کر مرا
آخر کو جب اجل کی چلی آن کر ہوا | پوے کے جھوپڑے کو کوئی چھوڑ کر چلا
باغ و مکان، محل، کوئی بنوا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

گیسو بڑھا کے کوئی مشائخ ہوا یہاں | یا بے نوا ہو کوئی ہوا خود مُنڈا یہاں
جب مرشدِ اجل کا قدم آیا درمیاں | کوئی تو لمبی ڈاڑھی لیے ہو گیا رواں
مونچھیں، بھویں تلک، کوئی منڈوا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

گر ایک بے وقار ہوا، ایک قدر دار | سر پر لگا جب آن کے، تیغِ اجل کا وار
بے قدری کام آئی، کسی کا نہ کچھ وقار | تھا بے حیا، سو وہ تو موا کھو کے ننگ و عار
اور جس کو شرم تھی، سو وہ شرما کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

کوئی ٹھُڈّی (۲) چاہتا تھا کوئی موکھ اور مٹر | جس دم قضا نے ہاتھ میں لی تیغ اور سپر
کام آئی کچھ فقیری، نہ کچھ تخت اور چھتر | یہ خاک پر موا، وہ موا تخت کے اُپر
تھی جس کی جیسی قدر، وہ تبلا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

عاشق ہو گر کسی نے کسی گل کی چاہ کی | عاشق نے اپنے عشق بڑھانے میں جان دی
اور جب اجل کی دونوں سے آکر لگن لگی | معشوقی کام آئی کسی کی نہ عاشقی
دل بر بھی اپنے حسن کو چمکا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

کتنوں میں بڑھ کے ایسی بڑھی اُلفتوں کی چاہ | جو جسم و جان ایک ہوئے اُن کے واہ واہ
عاشق موا تو مرگیا، معشوق خواہ مخواہ | معشوق مرگیا، تو وہ عاشق بھی کر کے آہ

---

(۱) - پہنا کسی نے خوب لباس عطر کا بھرا - (۲) - موتی - ٹھوڈی -

اس گل بدن کی قبر اُپہ جا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مر گیا

کیا کالے پیلے شکل کے، کیا گورے گل عذار
عاشق کوئی ہے اور کوئی معشوق طرح دار
عاقل، حکیم و عامل و فاضل رسالدار
پنڈت، نجومی، بید، چہ ناداں، چہ ہوشیار
دو دن کی شان، ہر کوئی دکھلا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مر گیا

کیا اوچھی ذات پات کے، اشراف، کیا نجیب
قسمت سے پھوٹی کوڑی، کسی کو نہ ہو نصیب
جس دم قضا کے ہاتھ نے، بند آنکھ کی حبیب
کیا ہوشیار و عاقل و دانا و کیا طبیب
کوئی خزانہ خاک میں گڑوا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مر گیا

مرنے سے پہلے مر گئے، جو عاشقانِ زار
وہ زندۂ ابد ہوئے تا حشر بر قرار
کیا کاتبان اہل قلم، خوش نویس کار
جتنی کتابیں دیکھتے ہو، لاکھ یا ہزار
کوئی لکھ کے مر گیا، کوئی لکھوا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مر گیا

پیر و مرید و شاہ و گدا، میر اور وزیر
سب آن کر اجل کے ہوئے دام میں اسیر
مفلس، غریب، صاحب تاج و علم سریر
کون اس جہاں میں زندہ رہا، اے میاں نظیرؔ
کوئی ہزاروں عیش کی ٹھہرا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مر گیا

دنیا میں استغنا

کی وصل میں دل برنے عنایات، تو پھر کیا؟
یا ظلم سے دی ہجر کی آفات، تو پھر کیا؟
غصہ رہا یا پیار سے کی بات، تو پھر کیا؟
گر عیش سے عشرت میں کٹی رات تو پھر کیا؟

اور غم میں بسر ہو گئی اوقات، تو پھر کیا؟

مجنوں کی طرح دل کو اگر ہم نے[1] لگایا[2] بے چین کیا روح کو اور تن کو سکھایا
دل بر نے بھی[3] لیلیٰ کی طرح گو کہ لبھایا جب آئی اجل پھر کوئی ڈھونڈھا تو نہ پایا
قصوں میں رہے حرف و حکایات تو پھر کیا؟

جس شوخ پری زاد کی آ دل سے ہوئی چاہ ہر روز[4] ملے اُس سے، رہے عیش کے ہم راہ
ہنسنا بھی ہوا، باتیں بھی اچھی ہوئیں دل خواہ حد بوس و کنار اور جو تھا اُس کے سوا آہ!
گر وہ بھی میسر ہوا ہیہات، تو پھر کیا؟

تھے وہ جو دُر و لعل سے بہتر لب و دنداں آخر کو جو دیکھا تو ملے خاک میں یک ساں
جن آنکھوں کو ملنا ہو بھلا، خاک کے درمیاں ڈو دن اگر اُن آنکھوں نے دنیا میں مری جاں
کی ناز اداؤں کی اشارات، تو پھر کیا؟

دنیا میں اگر ہم کو ملا تختِ سلیمان تابع رہے سب جن و پری آدم و مرغان
جب تن سے ہوا ہو گئی وہ پودنے سی جان پھر اُڑ گئی اک آن میں سب حشمت و سب شان
لے شرق سے تا غرب لگا ہات، تو پھر کیا؟

دولت میں اگر ہم ہوئے دارا و سکندر اور سات ولایت پہ کیا حکم سراسر
جب آئی اجل پھر نہ رہا تخت نہ افسر اسپ و شتر و فیل و خر و نوبت و لشکر
گر قبر تلک اپنے چلا ساتھ، تو پھر کیا؟

کامل ہوا گر روشنی کی دل کی اندھیری اور باگ تصرف سے کرشمات کی پھیری
جب آئی اجل پھر نہ چلی میری نہ تیری ص آخر کو جو دیکھا تو ہوئے خاک کی ڈھیری
ڈو دن کی ہوئی کشف و کرامات، تو پھر کیا؟

طائر کی طرح سے اڑے ہم گرچہ ہوا پر یا ارض کو طے کر گئے غوطہ سا لگا کر
دریا پہ چلے ایسے کہ پا بھی نہ ہوئے تر ص جب آئی اجل، آہ! تو اک دم میں گئے مر

ص جن بندوں کے مقابل یہ نشان (ص) ہے وہ کلیات نظیر مرتبہ مولوی سید محمد عبد الغفور۔ شہباز سے نقل کیے گئے ہیں۔

[1] ہم نے اگر دل کو۔ [2] لگایا۔ [3] بھی۔ [4] طور۔

گر یہ بھی ہوئی ہم میں کرامات، تو پھر کیا؟

حجرے میں اگر بیٹھ کے ہم ہو گئے درویش — اور چلہ کشی کرکے ہمیشہ رہے دل ریش
عابد ہوئے، زاہد ہوئے، مرتاض، حق اندیش — جب آئی اجل، ایک ریاضت نہ گئی پیش
مر مر کے جو کی کوششِ طاعات، تو پھر کیا؟

مے پی کے اگر ہو گئے ہم مست، وخرابی — ہونٹوں سے جدا کی نہ کبھی مے کی گلابی
کی لاکھ طرح عیش کی مستی و خرابی — جب آئی اجل پھر وہیں اٹھ بھاگے شتابی
رندوں میں ہوئے اہلِ خرابات تو پھر کیا؟

عامل ہوئے ہم لاکھ اگر نقش ازل سے — لوگوں کو بچانے لگے بھوتوں کے خلل سے
جب آئی اجل پھر نہ چلا زور اجل سے — دو دن کو جو تعویذ و فتیلا و عمل سے
تسخیر کیا عالم جنات، تو پھر کیا؟

پڑھ علم ریاضی جو منجم ہوئے دھومی — پیشانی مہ و زہرہ و برجیس کی چومی
آخر کو اجل سر کے اُپر آن کے گھومی — اِس عمر دو روزہ میں اگر ہو کے نجومی
سب چھان لیے ارض و سموات، تو پھر کیا؟

گر ہم نے اطبا ہو طبابت کی قسم لی — چیز اور سوا طب کے سرانجام کی، کم لی
جب تن کے اُپر مرگ نے آ ڈال دی کملی — اِک دم میں ہوا ہو گئے سب نظری و عملی
تھے یاد جو اسباب و علامات، تو پھر کیا؟

گر اپنا ہوا منصب و جاگیر کا نقشا — اور ایک کو مر مر کے ملا بھیک کا ٹکڑا
کیا فرق ہوا دونوں میں جب مرنا ہی ٹھہرا — اُس نے کوئی دن بیٹھ کے آرام سے کھایا
وہ مانگتا در در پھرا خیرات، تو پھر کیا؟

دنیا میں لگا مفلس و درویش سے تا شاہ — سب زر کے طلب گار ہیں بے ماہی سے تا ماہ
مرنا ہے کوئی مال یہ ڈھونڈے ہے کوئی جاہ — دولت ہی کا ملنا ہے بڑی چیز، نظیر آہ!
بالفرض ہوئی اس سے ملاقات، تو پھر کیا؟

دنیا کے مراتب قابل اعتبار نہیں

استغنا

گر شاہ سر پہ رکھ کر افسر ہوا، تو پھر کیا؟ — اور بحر سلطنت کا گوہر ہوا، تو پھر کیا؟
ماہی، علم، مراتب، پُر زر ہوا، تو پھر کیا؟ — نوبت، نشاں، نقارہ، در پر ہوا تو پھر کیا؟
سب ملک، سب جہاں کا سرور ہوا تو پھر کیا؟

کیا[1] رکھ کے فوج لشکر، کی سلطنت پناہی — پھیری دہائی اپنی، لے ماہ تا بہ ماہی
جب آن کر فنا کی، سر پر پڑی تباہی — پھر سر رہا نہ لشکر، نے تاجِ بادشاہی
دارا، جم و سکندر، اکبر ہوا تو پھر کیا؟

یا ذات میں کہائے، نامی اصیل، ذاتی — جمشید فر کے پوتے، نوشیرواں کے ناتی
تھے آپ مثل دولھا، اور فوج تھی براتی — جب چل بسے تو کوئی، پھر سنگ تھا نہ ساتھی
ملک و مکاں، خزانہ، لشکر ہوا تو پھر کیا؟

یا راج بنسی ہو کر، دنیا میں راج پایا — چتور گڑھ، ستارا، کالنجرا، بنایا
جب توپ نے اجل کی، آ مورچا لگایا — سب اُڑ گئے ہوا پر، کوئی نہ کام آیا
گڑھ، کوٹ، توپ، گولا، لشکر ہوا تو پھر کیا؟

کتنے دنوں یہ غل تھا، نواب ہیں یہ خاں ہیں — یہ ابن پنج ہزاری، یہ عالی خانداں ہیں
جاگیر و مال و منصب، گو آج ان کے ہاں ہیں — دیکھا تو اک گھڑی میں، نہ نام و نہ نشاں ہیں
دو[3] دن کا شور چرچا گھر گھر ہوا تو پھر کیا؟

کہتا تھا کوئی دیکھو، یہ ہیں امیر خاں جی — اور یہ ہیں خان خاناں، اور یہ ہیں میر خاں جی
پنجہ اُٹھا قضا کا، جب آ[2] کے شیر خاں جی — پھر کس کے میر خاں جی کس کے وزیر خاں جی
عمدہ، غنی، تو انگر، باز رہا تو پھر کیا؟

۱۔ یا۔ ۲۔ آئے۔ ۳۔ جیسے۔

کہتا تھا کوئی گھوڑا، ہے نامدار خاں کا | یہ پالکی یہ ہاتھی، ہے ذوالفقار خاں کا
آیا قدم اجل کے، جب تیس مار خاں کا | خر بھی کہیں نہ دیکھا، پھر شہ سوار خاں کا
جھپان، میگ ڈنبر در پر ہوا تو پھر کیا؟

کہتا تھا کوئی ڈیوڑھی، ہے خان مہرباں کی | یہ باغ، یہ حویلی، ہے محل دار خاں کی
جب راج نے قضا کے کرنی فنا کی ٹھانی | اک اینٹ بھی نہ پائی، ہرگز کسی مکاں کی
رنگیں محل، سنہرا گھر، در ہوا تو پھر کیا؟

کتنوں نے بادشاہی، کیا کیا خطاب پایا | مُہریں بڑی کھُدائیں، سکّہ بڑا بنایا
جب آن کر فنا نے، نام و نشاں مٹایا | وہ نام اور وہ سکّہ ڈھونڈھا کہیں نہ پایا
دو دن کا مُہر، چھاپا، در پہ ہوا تو پھر کیا؟

جاگیر میں کسی نے، زر ریز ملک پایا | کر بندوبست اپنا، نظم و نسق بٹھایا
لے کر سند، اجل کا جب فوج دار آیا | اک دن میں حکم و حاصل، سب ہو گیا پرایا
ہانسی حصار، ٹھٹھا بھکر ہوا تو پھر کیا؟

کہتا کوئی یہ لشکر، ہے طرّہ باز خاں کا | یہ خیمہ، شامیانہ، ہے شہنواز خاں کا
آیا کٹک اجل کے، جب یکہ تاز خاں کا | سر بھی کہیں نہ پایا، پھر سرفراز خاں کا
سردار، میر بخشی بڑھ کر ہوا، تو پھر کیا؟

ہاتھی پہ چڑھ کے نکلے یا خاصے گھوڑے اوپر | یا نالکی سنبھالی، یا پالکی کی جھالر
یا لے صراحی، حقّہ، دوڑے جلیب اندر | جب آ اجل پکاری "صاحب رہا نہ نوکر"
آقا ہوا، تو پھر کیا؟ نوکر ہوا تو پھر کیا؟

یا لے کے اک قلم داں اور رکھ قلم کو سر پر | جوڑے حساب لاکھوں، چہرے لکھے سراسر
جب عمر کی کچہری، جھانکی قضا نے آکر | پھر آپ نہ قلم داں، کاغذ رہا نہ دفتر
منشی، وکیل، دیواں درمر ہوا تو پھر کیا؟

یا لے قضا کی خدمت، ہو بیٹھے آپ قاضی | محضر قبالے لکھے، قضیے چکائے شرعی

اِعلام لے قضا کا جب آفنا پکاری — پھر محکمہ نہ جھگڑا، قاضی رہا نہ مفتی

کوڑا، لبیدا، دُرّہ در پر ہوا، تو پھر کیا؟

کُتوال بن کے بیٹھا، یا صدر ہو مقرّر — فاسق ڈریں ہزاروں، اور چور کانپیں[1] تھر تھر

آیا قضا کا مردھا، جس دم چھری اُٹھا کر — کُتوالی اور صدارت، سب اُڑ گئی ہوا پر

ڈو دن کا خوف و خطرہ اور ڈر[2] رہا تو پھر کیا

کہتے بھئے کتنے ہم تو ہیں[3] ذات میں کلاں جی — ہم شیخ، ہم مغل ہیں، ہم ہیں پٹھان، ہاں جی

جس دم قضا پکاری "اب اُٹھ چلو میاں جی" — پھر شیخ جی نہ سیّد، مرزا رہے نہ خاں جی

ذات حسب نسب کا جوہر رہا تو پھر کیا؟

یا لے کے زر جہاں میں کرنے لگے تجارت — یا سیٹھ بن کے بیٹھے، خاصی بنا عمارت

کھویں قضا نے بھیاں، جب کر کے اک اشارت — سب کوٹھی اور دکانیں، کر ڈالیں دم میں غارت

مال و مکاں[4]، جواہر، اور زر رہا تو پھر کیا؟

یا ہو سپاہی بانکا ترچھا بڑا کہایا — بل دار باندھ چیرا، طرّے کو جگمگایا

کھیتوں میں جا کے کووا لاکھوں کے تئیں بھگایا — جب مُنہ اجل کا دیکھا، پھر کچھ بھی بن نہ آیا

یکتا، شجاع، بہادر، صف در رہا، تو پھر کیا؟

گھوڑا اُٹھا کے ڈوبا فوجوں میں ہو دلاور — مارے طپنچے، بھالے، کھائی کٹار، جمدھر

مارا قضا نے بھالا، جس دم فنا کا آکر — پھر مردمی، شجاعت، سب ہوگئی برابر[5]

خود و سلاح، چلتہ، بکتر ہوا تو پھر کیا؟

یا خانہ جنگی لڑ کر، کھایا بدن میں ٹانکا — موچھوں کو تاؤ دے کر، سو دو دت دات ہانکا

جب گھور کر قضا کے بانکے نے آکے جھانکا — ٹیڑھا رہا نہ ترچھا گُنڈا رہا نہ بانکا

تیغا سپر قرابیں جمدھر ہوا، تو پھر کیا؟

یا ہو حکیم حاذق کرنے لگے طبابت — مُردوں کے تئیں جلایا عیسٰے کی کر کرامت

کھوئے مرض ہزاروں، دھوئی ہر ایک زحمت[6] — جب آئی[7] سر پہ اپنے پھر کچھ چلی نہ حکمت

---

[1] کانپے چور۔ [2] ۔ ڈر۔ [3] ۔ ذاتوں میں ہیں۔ [4] مال و مکان۔ [5] ۔ ہوا پر۔ [6] ۔ ہر اک کی زحمت۔ [7] ۔ جب اپنے سر پہ آئی

لقمان یا فلاطوں، آگر ہوا، تو پھر کیا؟

یا ہو نجومی کامل، تاروں کو چھان ڈالا — سورج گہن بچارے، چندر گہن نکالا
برج و ستارے باندھے، احکام کو سنبھالا — جب وقت اپنا آیا، اُس وقت کو نہ ٹالا
جوتش، نجوم، پنڈت، پڑھ کر ہوا تو پھر کیا؟

یا پڑھ کے دو کتابیں اور کر کے علم حاصل — یا بھُوت، جن اُتارے، مشہور ہو کے عامل
جب دیو کا اجل کے، سایہ ہوا مقابل — ملّا رہا نہ سیانا، عالم رہا نہ فاضل
تعویذ، فال، جادو، منتر ہوا تو پھر کیا؟

ماتھے پہ کھینچ ٹیکا، یا ہاتھ لے کے مالا — پوتھی بغل میں دابی، زنّار کو سنبھالا
پوجا کتھا بکھانی، گیتا سبد نکالا — کچھ بن سکا نہ، آیا جب جان لینے والا
بید و پُران، پڑھ کر مسّر ہوا، تو پھر کیا؟

یا پی کے مے کسی نے، کی عیش و کامیابی — لوٹا لُٹے میں ہر جا کر دل سے بے حجابی
جس دم قضا نے اپنی جھمکائی اک گلابی — پھر مے رہی نہ مینا، نہ مست نہ شرابی
اک دم لبوں پہ مے کا، ساغر ہوا، تو پھر کیا؟

حسن و جمال پا کر، یا خوب رو کہایا — یا عشق میں کسی نے، جی جان کو گھٹایا
آ کر پڑا سروں پر جس دم اجل کا سایا — دونوں میں پھر کسی کو ڈھونڈھا کہیں نہ پایا
عاشق ہوا تو پھر کیا؟ دل بر ہوا تو پھر کیا؟

یا ہو کے پیر زادے کرنے لگے فقیری — کر کے مُرید کتنے، کی اُن کی دست گیری
جب پیرہن کی کفنی، آ کر اجل نے پھیری — سب اُڑ گئی ہوا پر دم میں مریدی پیری
مرشد، فقیر، ہادی، رہبر ہوا تو پھر کیا؟

یا سر مُنڈا کے بیٹھے، آزاد ہو نویلے — یا خود منڈے کہا کر، سو روپ رنگ کھیلے
میلے کیے ہزاروں مونڈے فقیر، چیلے — جب آ قضا پکاری، جا سو رہے اکیلے
تکیہ ہوا، تو پھر کیا بستر ہوا تو پھر کیا؟

جوگی، اتیت، جنگم، یا سیورا کہایا   یا کھول کر جٹا کو، یا گھونٹ سر منڈایا
زسُول نے قضا کا، جب وقت سر پر آیا   نے بالکے کو تھاما، نے آپ کو بچایا

نانک، کبیر پنتھی، بھرت ہر ہوا، تو پھر کیا؟

یا نیک بن کے بیٹھے، اچھے لگے کہانے   یا ہو کے بد ہر اک کے، دل کو لگے ستانے
آکر بجے اجل کے، جب سر پہ شادیانے   تھے نیک و بد جہاں تک سب لگ گئے ٹھکانے[ا]

بہتر ہوا تو پھر کیا؟ بدتر ہوا تو پھر کیا

کیا ہندو، کیا مسلماں، کیا رند و گبر و کافر   نقاش، کیا مصوّر کیا خوش نویس، شاعر
جتنے نظیرؔ، ہیں یاں اک دم کے ہیں مسافر   رہنا نہیں کسی کو، چلنا ہی سب کو آخر

دو چار دن کی خاطر، یاں گھر ہوا تو پھر کیا؟

مراتب دنیا محض بے ثبات ہیں

استغنا

گر بادشہ ہو کر عمل ملکوں ہوا تو کیا ہوا؟   دو دن کا نرسنگا بجا، بھوں بھوں ہوا تو کیا ہوا؟
غل شور ملک و مال کا کوسوں ہوا، تو کیا ہوا؟   یا ہو فقیر آزاد کے رنگوں ہوا، تو کیا ہوا؟

گر یوں ہوا تو کیا ہوا؟ اور ووں ہوا تو کیا ہوا؟

دو دِن[۲] تو یہ چرچا رہا ہاتھی ملا ہاتھی ملا   بیٹھا اگر ہووے اُپر یا پالکی میں جا چڑھا
آگے نقارے نشاں، پیچھے کو فوجوں کا پرا   دیکھا تو پھر اک آن میں، ہاتھی نہ گھوڑا[۳] نے گدھا

گر یوں ہوا تو کیا ہوا؟ اور ووں ہوا تو کیا ہوا؟

یا دولت و اقبال ہو، پہنا زری اور بادلا   مسند سنہری دی بچھا، کمخواب کے تکیے لگا
آخر نہ وہ دولت رہی، نہ آپ، نے وہ گھر رہا   مسند کہیں جاتی رہی، تکیہ کہیں پھرتا پھرا

گر یوں ہوا تو کیا ہوا؟ اور ووں ہوا تو کیا ہوا؟

یا عشرتوں کے ٹھاٹھ تھے، اور عیش کے اسباب تھے   ساقی، صراحی، گل بدن، جام شراب ناب تھے

نۡا ۔ جہاں کے   نۡ۲ ۔ کوئی دن ۔ نۡ۳ ۔ گھوڑا ۔

یا بے کسی کے درد سے بے حال تھے بے تاب تھے
یا اضطراب حال سے، وہ صورتِ سیماب تھے
گریوں ہوا تو کیا ہوا، اور یُوں ہوا تو کیا ہوا؟

تھا ایک دن وہ دھوم کا نکلے تھا جب سوار ہو
ہر دم پکارے تھا نقیبؔ "آگے بڑھو، پیچھے رہو"
یا ایک دن دیکھا اسے تنہا پڑا پھرتا ہے وہ
بس کیا خوشی، کیا ناخوشی، یکساں ہیں سب اے دوستو
گریوں ہوا تو کیا ہوا، اور یُوں ہوا تو کیا ہوا؟

جب حشمتوں کی شان میں کرتا تھا کیا کیا شیخیاں
ہر دم تکبّر کے سخن، ہر آن میں مغروریاں ؁
اور اُڑ گئی دولت، یہ پھر اسباب کے تختے کہاں
آخر فنا حاضر ہوئی، سب مٹ گئے نام و نشاں
گریوں ہوا تو کیا ہوا؟ اور یُوں ہوا تو کیا ہوا؟

یا نعمتیں کھاتا رہا، دولت کے دسترخواں پر
میوے مٹھائی یا مزے حلوائے تر شیر و شکر
یا باندھ جھولی بھیک کی ٹکڑوں کے اوپر دھر نظر
ہو کر گدا پھرنے لگا ٹکڑوں کی خاطر دربدر
گریوں ہوا تو کیا ہوا؟ اور یُوں ہوا تو کیا ہوا؟

یا دولتوں کے سامنے آکر تھا ایک دریا بہا
لے کر زمیں تا آسماں، دولت میں پھرتا تھا پڑا ؁
یا ہو کے مفلس بے نوا، پھرتا ہے دانے مانگتا
جب آ گئی سر پر اجل، اک دم میں سب کچھ مٹ گیا
گریوں ہوا تو کیا ہوا؟ اور یُوں ہوا تو کیا ہوا؟

گر ناز و نعمت میں رہا یعنی کہ وہ زردار تھا
یا مفلسی کے ہاتھ سے محتاج ہو، در در پھرا ؁
جب وقت چلنے کا ہوا، نہ یہ رہا نہ وہ رہا
آیا تھا جس احوال سے، ویسا ہی آخر چل بسا
گریوں ہوا تو کیا ہوا؟ اور یُوں ہوا تو کیا ہوا؟

گر اک مصیبت میں رہا اور دوسرا دل شاد ہے
واں عیش عشرت کے مزے، یاں نالہ و فریاد ہے
یا لذتیں یا راحتیں، یا ظلم یا بے داد ہے
کچھ رہ نہیں جاتا میاں آخر کو سب برباد ہے
گریوں ہوا تو کیا ہوا؟ اور یُوں ہوا تو کیا ہوا؟

جو عشرتیں آکر ملیں تو بھی وہ کر جانا میاں
جو درد دکھ آکر پڑیں، تو بھی[نذا] وہ بھر جانا میاں

؁ جن بندوں کے سامنے یہ نشان (؁) ہے وہ کلیات مرتبہ مولوی سیّد محمد عبد الغفور شہباز سے نقل کئے گئے ہیں۔

نذا۔ وہ بھی۔

یا سکھ میں یا دکھ میں، غرض یاں سے گذر جانا میاں
یاں[ن] چار دن کی زندگی آخر کو مر جانا میاں
گر یوں ہوا تو کیا ہوا، اور وُوں ہوا تو کیا ہوا؟

اب دیکھ کس کو شاد ہو، اور کس پہ آنکھیں نم کرے
یہ دل بچارا ایک ہے، کس کس کا اب ماتم کرے
یا دل کو روئے بیٹھ کر یا درد دکھ کو کم کرے
یاں کا یہی طوفان ہے اب کس کی جوتی غم کرے
گر یوں ہوا تو کیا ہوا، اور وُوں ہوا تو کیا ہوا؟

گر تو نظیر اب مرد ہے ہر حال میں بھی شاد ہو
دستار میں بھی ہو خوشی، رومال میں بھی شاد ہو
آزادگی بھی دیکھ لے جنجال میں بھی شاد ہو
اِس حال میں بھی شاد ہو، اُس حال میں بھی شاد ہو
گر یوں ہوا تو کیا ہوا، اور وُوں ہوا تو کیا ہوا؟

فقیروں کی صدا (۱)

بُخل کی بُرائیاں

زر کی جو محبت، تجھے پڑ جائے گی، بابا،
دُکھ اس میں تری روح، بہت پائے گی بابا،
ہر کھانے کو، ہر پینے کو ترسائے گی، بابا،
دولت جو ترے یاں ہے نہ کام آئے گی، بابا،
پھر کیا تجھے اللہ سے، ملوائے گی، بابا؟

دولت جو ترے پاس ہے رکھ یاد تو یہ بات
کھا تو بھی اور اللہ کی کر راہ میں خیرات
دیے ہی سے اس کے ترا او نچا رہے پھر ہات
اور یاں بھی تری گزرے گی سو عیش سے اوقات
اور واں بھی تجھے سیر یہ دکھلائے گی بابا،

دولت کی یہ خوبی ہے، سو نعمتیں کھا ڈال
کمخواب پہن، بادلہ اوڑھ اور بنا ڈال
باغ و چمن و حوض و عمارات بنا ڈال
اک دم تو بھلا خلق میں دریا سا بہا ڈال
پھر ورنہ تجھے سیر، یہ دکھلا دے گی، بابا،

---

۱ - جن بندوں کے سامنے یہ نشان (ن) ہے وہ کلیات نظیر مرتبہ مولوی سید عبدالغفور شہباز سے نقل کئے گئے ہیں۔

۲ - یا - ن - رہے گا۔

دانا کی تو مشکل، کبھی اٹکی نہیں رہتی — چڑھتی ہے پہاڑوں کے اُپر ناؤ سخی کی
اور تو نے بخیلی سے، اگر جمع اُسے کی — تو یاد یہ رکھ بات کہ جب آوے گی سختی
خشکی میں تری ناؤ یہ ڈبوائے گی، بابا

دولت جو ترے گھر میں، یہ اب پھولی ہے جوں پھول — مردود بھی کرتی ہے یہ اور کرتی ہے مقبول
جو چاہے ترے ساتھ، چلے یاں سے یہ مجہول — زنہار، خبردار ہو اس بات پہ مت بھول
یہ خندی ترے ساتھ نہیں جائے گی بابا

گر نیک کہاتا ہے، کر اس جائے کچھ احسان — ہندو کو کھلا پوری، مسلماں کو کھلا نان
کھا تو بھی اسے شوق سے، اور عیش پہ رکھ دھیان — تو اس کو نہ کھاوے گا، تو یہ بات یقیں جان
اک روز یہ خندی تجھے کھا جاوے گی، بابا

اُس سے یہی بہتر ہے تو ہی اب اسے کھا جا — بیٹوں کو، رفیقوں کو، غریبوں کو کھلا جا
سب روبرو اپنے مے عشرت میں اُڑا جا — پھر شوق سے ہنستا ہوا، جنت کو چلا جا
ورنہ تجھے ہر دکھ میں یہ پھنسوائے گی، بابا

گر آوے گا حاکم کوئی ظالم تو، مری جان — اور تیری سنے گا وہ بخیلی کی سی گزران
جب کھینچ بلاوے گا گر کوئی طوفان — تو جی سے جسے دوست سمجھتا ہے یہ ہر آن
یہ دوست ہی دشمن تری ہو جاوے گی بابا

کوئی کہے گا اُس کے تئیں باندھ کے لٹکا" — کوئی کہے گا "تو بڑا مُنہ اس کے میں چڑھوا"
کوئی کہے گا "کپڑے بھی سب اس کے اتروا" — سو ذلت و خواری سے تجھے دیکھ کے پھرنا
بندھواوے گی، اور مار بھی کھلواوے گی بابا

اور جو کبھی حاکم نے نہ پوچھا ترا احوال — تو چور چرالیوے گا، یا ڈاکا کوئی ڈال
گاڑے گا زمیں بیچ، تو پھر ہووے کا یہ حال — قسمت سے تری جب کبھی آ جاوے گا بھونچال
پھر نیچے ہی نیچے یہ سرک جاوے گی، بابا

یہ تو نہ کسی پاس، رہی ہے نہ رہے گی — جو اور سے کرتی رہی، وہ تجھ سے کرے گی

کچھ شک نہیں اس میں جو بڑھی ہے سو گھٹے گی — جب تک تو جیے گا تجھے یہ چین نہ دے گی
اور مرتے ہوئے پر یہ غضب لائے گی' بابا'

جب موت کا ہووے گا تجھے آن کے دھڑکا — اور نزع تری[1] آن کے دم دیوے گی[2] بھڑکا
جب اس میں تو اٹکے گا' نہ دم نکلے گا پھڑکا — کپّوں میں روپے ڈال کے جب دیویں گے کھڑکا
تب تن سے ترے' جان نکل جائے گی' بابا'

تو لاکھ اگر مال کے' صندوق بھرے گا — ہے یہ تو یقیں' آخرش اک دن تو مرے گا
پھر بعد ترے اس پہ جو کوئی ہاتھ دھرے گا — اور ناچ مزا دیکھے گا اور عیش کرے گا
اور روح تری' قبر میں چلّائے گی' بابا'

اس کے تو وہاں ڈھولک مردنگ بجے گی — اور روح تری' قبر میں حسرت سے جلے گی
وہ کھاوے گا اور تیرے تئیں آگ لگے گی — تا حشر تری روح کو' پھر کل نہ پڑے گی
ایسا یہ تجھے گور میں تڑپائے گی' بابا'

جوں جوں وہ ترے مال سے عزت میں پلے گا — تو قبر میں رہ رہ کفِ افسوس ملے گا
جو چاہے کوئی بولے تو پھر بس نہ چلے گا — بے بس تو پڑا قبر میں حسرت سے جلے گا
دن رات تری چھاتی کو کُٹوائے گی' بابا'

جاوے گا تری گور کی جانب' جو وہ ناگاہ — ساقی و صراحی و پری زاد کے ہم راہ
رونا مجھے آتا ہے ترے حال پہ' واللہ — جب دیکھے گا سو عیش میں تو اس کے تئیں آہ
کیا کیا تری چھاتی پہ' یہ لہرائے گی' بابا'

تو بھوت ہو چھاتی پہ' اگر آن چڑھے گا — تو واں بھی ترے واسطے' عامل کوئی بلوا
شیشے میں اُترا کے تجھے دیویں گے گڑوا — یا خوب سا سُلگا کے' کوئی' ہائے فلیتا
دھونی بھی تری ناک میں دلوائے گی' بابا'

گر ہوش ہے تجھ میں' تو بخیلی کا نہ کر کام — اس کام کا آخر کو' بدی ہوتا ہے انجام
تھوکے گا کوئی کہہ کے' کوئی دیوے گا دُشنام — زنہار نہ لے گا' کوئی' ہر صبح ترا نام
پیزاریں ترے نام پہ لگوائے گی' بابا'

---

[1] ترے۔ [2] دیوے گا۔

کتنا ہی نظیرؔ اب جو یہ باتیں تجھے ہر آن — گر مرد ہی عاقل تو اسے جھوٹ تو مت جان
ٹک غور سے کر گنج پہ قارون کے فرا دھیان — جیسا ہی اسے اس نے کیا خوب پریشان
ویسا ہی مزا تجھکو بھی دکھلائے گی بابا

فقیروں کی صدا[ع] (۲)

بٹ مار اجل کا آپہونچا ٹک اس کو دیکھ ڈرو بابا — اب اشک بہاؤ آنکھ سے اور آہیں سرد بھرو بابا
دل ہاتھ اٹھا اس جینے سے لے بس من مار مرو بابا — جب باپ کی خاطر روتے تھے اب اپنی خاطر رو بابا
تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

اب جینے کو تم رخصت دو اور مرنے کو مہمان کرو — خیرات کرو احسان کرو یا پن کرو یا دان کرو
یا پوری لڈو بنواؤ یا خاصہ حلوا نان کرو — کچھ لطف نہیں اب جینے کا اب چلنے کا سامان کرو
تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

دل کو تو اباؤ[ف۲] جینے سے اب اور گلے کو مت کاٹو — اب چاٹ فنا کی ٹک چکھو اور خون کسی کا مت چاٹو
دھن چھوڑو حصے بخرے کی اور بھاجی اپنی تم باٹو — ناگند بچھیرے کو دیکھے اب اور دولتی مت چھانٹو
تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ اسپ بہت کودا اچھلا اب کوڑا مارو زیر کرو — جب مال اکٹھا کرتے تھے اب تن کا اپنے ڈھیر کرو
گڑھ ٹوٹا لشکر بھاگ چکا اب میان میں تم شمشیر کرو — تم صاف لڑائی ہار چکے اب بھاگنے میں مت دیر کرو
تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

ع اس نظم کو کتاب میں "فقیروں کی صدا" لکھا ہے لیکن فقرا "کبڑی نامہ" کہتے ہیں اس وجہ سے کہ ٹیپ میں کبڑی کا لفظ بار بار واقع ہوا ہے + (شہباز)
ف۱ - باجے گا - ف۲ - دل کو لٹو اپنا - یا - دل کا لٹو اپنا -

سر کانپا، چاندی بال ہوئے منہ پھیلا[۱] پلکیں آن جھکیں   قد ٹیڑھا کان ہوئے بہرے اور آنکھیں بھی چندھیا گئیں
سکھ نیند گئی اور بھوک گھٹی، دل سُست ہوا آواز نہیں   جو ہونی تھی سو ہو گذری اب چلنے میں کچھ دیر نہیں

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو، بابا
اب موت نقارہ باج چکا، چلنے کی فکر کرو، بابا

یاں پانوں[۲] گھسٹ کر چلنے سے مت رستے کو حیران کرو   اور پوپلے منہ سے روٹی کو مت مل مل کر ہلکان کرو
اب پ ہوئے تم پانی سے مت پانی کا نقصان کرو   کچھ لاب نہیں ہے جینے میں اب مرنے سے پہچان کرو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو، بابا
اب موت نقارہ باج چکا، چلنے کی فکر کرو، بابا

گر اچھی کرنی نیک عمل تم دنیا سے لے جاؤ گے   تو گھر اچھا سا پاؤ گے اور سکھ[۳] سے بیٹھے کھاؤ گے
اور ایسی دولت چھوڑ کے تم جو خالی ہاتھوں جاؤ گے   پھر کچھ بھی نہیں بن آوے گی گھبراؤ گے پچھتاؤ گے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو، بابا
اب موت نقارہ باج چکا، چلنے کی فکر کرو، بابا

یہ عمر جسے تم سمجھے ہو یہ ہر دم تن کو چُنتی ہے   جس لکڑی کے بل بیٹھے ہو دن رات یہ لکڑی گھنتی ہے
تم گٹھری باندھو کپڑے کی اور دیکھ اجل سر دھُنتی ہے   اب موت کفن کے کپڑے کا یاں تانا بانا بنتی ہے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو، بابا
اب موت نقارہ باج چکا، چلنے کی فکر کرو، بابا

گھر بار روپے اور پیسے میں مت دل کو تم خرسند کرو   یا گور بناؤ جنگل میں، یا جمنا پر آنند کرو
موت آن لتاڑے گی آخر کچھ مکر کرو یا پھند کرو   بس خوب تماشا دیکھ چکے اب آنکھیں اپنی بند کرو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو، بابا
اب موت نقارہ باج چکا، چلنے کی فکر کرو، بابا

یہ اونٹ کرایہ کا یار، صندوق جنازہ ارتھی[۴] ہے   جب ہو اُس پر سوار چلے پھر گھوڑا ہی نے ہتی[۵] ہے
کس نیند پڑے تم سوتے ہو یہ بوجھ تمہارا بھاری ہے   کچھ دیر نہیں اب آہ، نظیر، نبار کھڑی اسواری ہے

نمبر۱ - پیلا - نمبر۲ - بہہ - نمبر۳ - اور بیٹھ کے سکھ سے - نمبر۴ - باری - نمبر۵ - گاڑی -

تن سوکھا، کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو، بابا!
اب موت نقارہ باج چکا، چلنے کی فکر کرو، بابا!

بنجارہ نامہ

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں، مت دیس بدیس پھرے مارا
قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارا
کیا بدھیا، بھینسا، بیل، شتر، کیا گونیں پلّا سر بھارا
کیا گیہوں، چانول، موٹھ، مٹر، کیا آگ، دھواں اور انگارا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

گر تو ہے لکھی بنجارا اور کھیپ بھی تیری بھاری ہے
اے غافل تجھ سے بھی چڑھتا اک اور بڑا بیوپاری ہے
کیا شکر، مصری، قند، گری، کیا سانبھر میٹھا کھاری ہے
کیا داکھ، منقّی، سونٹھ، مرچ، کیا کیسر، لونگ، سپاری ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

تو بدھیا لادے، بیل بھرے، جو پورب پچھم جاوے گا
یا سود بڑھا کر لاوے گا یا ٹوٹا گھاٹا پاوے گا
قزاق اجل کا رستے میں جب بھالا مار گراوے گا
دھن، دولت، ناتی، پوتا کیا، اک کنبہ کام نہ آوے گا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

ہر منزل میں اب ساتھ ترے یہ جتنا ڈیرا ڈانڈا ہے
زر، دام، درم کا بھانڈا ہے، بندوق، سپر اور کھانڈا ہے
جب نایک تن کا نکل گیا جو ملکوں ملکوں ہانڈا ہے
پھر ہانڈا ہے نہ بھانڈا ہے، نہ حلوا ہے نہ مانڈا ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

جب چلتے چلتے رستے میں یہ گون تری رہ جاوے گی
اک بدھیا تیری مٹی پر پھر گھاس نہ چرنے آوے گی
یہ کھیپ جو تو نے لادی ہے سب حصوں میں بٹ جاوے گی
دھی، پوت، جنوائی، بیٹا کیا، بنجارن پاس نہ آوے گی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

یہ کھیپ بھرے جو جاتا ہے، یہ کھیپ میاں مت گن اپنی
اب کوئی گھڑی، پل، ساعت میں یہ کھیپ بدن کی ہے کفنی
کیا تھال کٹوری چاندی کی، کیا پیتل کی ڈبیا ڈھکنی
کیا برتن سونے چاندی کے، کیا مٹی کی ہنڈیا چپنی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

ن۱ بھینسا، بدھیا۔ ن۲ [illegible]

یہ دھوم دھڑکا ساتھ لیے کیوں پھرتا ہے جنگل جنگل؟ — اک تنکا ساتھ نہ جاوے گا، موقوف ہوا جب ان اور جل
گھر بار اٹاری چوپاری، کیا خاصہ، نین سکھ اور ململ — کیا چلون، پردے، فرش نئے، کیا لال پلنگ اور رنگ محل
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

کچھ کام نہ آوے گا تیرے یہ لعل و زمرد سیم و زر — جب پونجی باٹ میں بکھرے گی ہر آن بنے گی جان اوپر
نوبت، نقارے، بان، نشان، دولت، حشمت، فوجیں، لشکر — کیا مسند، تکیہ، ملک، مکان، کیا چوکی، کرسی، تخت، چھپر
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

کیوں جی پر بوجھ اٹھاتا ہے ان گونوں بھاری بھاری کے — جب موت کا ڈیرا آن پڑا پھر دونے ہیں بیوپاری کے
کیا ساز جڑاؤ، زر زیور، کیا گوٹے تھان کناری کے — کیا گھوڑے زین سنہری کے، کیا ہاتھی لال عماری کے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

مغرور نہ ہو تلواروں پر، مت بھول بھروسے ڈھالوں کے — سب پٹا توڑ کے بھاگیں گے منہ دیکھ اجل کے بھالوں کے
کیا ڈبے موتی ہیروں کے، کیا ڈھیر خزانے مالوں کے — کیا بغچے تاش مشجر کے، کیا تختے شال دوشالوں کے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

کیا سخت مکاں بنواتا ہے، کھم تیرے تن کا ہے پولا — تو اونچے کوٹ اٹھاتا ہے، واں گور گڑھے نے منہ کھولا
کیا ریتی، خندق، رند بڑے، کیا برج کنگورا انمولا — گڑھ، کوٹ، رہکلہ، توپ، قلعہ، کیا شیشہ دارو اور گولا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

ہر آن نفع اور ٹوٹے میں کیوں مرتا پھرتا ہے بن بن — ٹک غافل دل میں سوچ ذرا، ہے ساتھ لگا تیرے دشمن
کیا لونڈی، باندی، دائی، دوا، کیا بندا چیلا نیک چلن — کیا مندر، مسجد، تال، کنواں، کیا کھیتی باڑی، پھول چمن
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

جب مرگ پھرا کر چابک کو یہ بیل بدن کا ہانکے گا — کوئی ناج سمیٹے گا تیرا، کوئی گون سیے اور ٹانکے گا
ہو ڈھیر اکیلا جنگل میں تو خاک لحد کی پھانکے گا — اس جنگل میں پھر آہ نظیر اک تنکا آن نہ جھانکے گا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

ن(۱) موجود ہوا جس دم آن اجل ن(۲) تن سکھ اور مخمل ن(۳) راہ۔ ن(۴) پھر۔ ن(۵) لبڑا۔ ن(۶) کوئی گون نہیں بیاری کے۔ ن(۷) انباری۔ ن(۸) کھول۔ ن(۹) بھاری۔ ن(۱۰) جو کھنبا تیرا ہے پولا۔ ن(۱۱) تو اونچے گھر بنواتا ہے یاں ن(۱۲) کھائی خندق رندی پھر ن(۱۳) سیسہ۔ ن(۱۴) تن ن(۱۵) اتارے گا۔ ن(۱۶) نہ پھر۔ ن(۱۷) اس جنگل میں پھر آن فقیر اک بھنگا نہ تجھے جھانکے گا۔

فنائے جہاں و بقائے رحماں

دنیا[1] میں کوئی خاص نہ کوئی عام رہے گا ۔ نہ صاحبِ مقدور نہ ناکام رہے گا
زردار نہ بے زر نہ بد انجام رہے گا ۔ شادی نہ غم گردشِ ایام رہے گا
نہ عیش نہ دُکھ درد نہ آرام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا[ع۵]

یہ چرخ جو کھاتا ہے پڑا گنبدِ ازرق ۔ یہ چاند، یہ سورج، یہ ستارے ہیں معلّق
لوح و قلم و عرش بریں ثابت و مطلق ۔ سب ٹھاٹھ یہ اک آن میں ہو جاوے گا ہو حق
آغاز کسی شے کا نہ انجام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

لے عالم ارواح سے تا عالمِ جنّات ۔ انسان، پری، حور و ملک، جن و خبیثات
کیا ابر و ہوا، جنگل[2] و کوہ، ارض و سمٰوات ۔ اک پھونک میں اڑ جائیں گے جوں نقش طلسمات
ہشیار، نہ پختہ، نہ کوئی خام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

گر علم و ہنر سے ہر کوئی خلق میں مشہور ۔ یا کشف و کرامات میں ہر صاحبِ مقدور
یا ایک کا ہر نام و نشاں خلق میں مشہور[3] ۔ اک دم میں پلک مارتے ہو جائیں گے سب دور
مستور، نہ مشہور، نہ گم نام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

مختاری کے خسرے[4] سے جو کرتے ہیں سدا کام ۔ یا جبر سے مجبوری کے رکھتے ہیں کئی دام
جب آکے فنا ڈالے گی اک گردشِ ایام ۔ اک آن میں اڑ جائے گا سب چیز کا الزام

ع۵۔ کل شیءٍ ہالک الا وجہہ۔ ف۱۔ نے خاص نہ دنیا میں کوئی عام رہے گا۔

مختار، نہ مجبور، نہ خود کام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

اب دل میں بُرے اپنے جو کہلاتے ہیں اغیار
سو مکر و دغا کرتے ہیں اک آن میں تیار
جب آکے فنا ڈالے گی سر کے اُپر اک وار
اک وار کے لگتے ہی یہ ہو جاویں گے سب پار
نے مکر، نہ حیلہ، نہ کوئی دام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

کرتے ہیں جو اب دل سے ریاضات و عبادات
یا عمر کو کھوتے ہیں بہ رندی و خرابات
جب آکے فنا چھوڑے گی شمشیر کا اک ہات
پھر صاف ہو دونوں کی گنہ گاری و طاعات
نے رند، نہ عابد، نہ مَی آشام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

جھگڑا نہ کرے ملت و مذہب کا کوئی یاں
جس راہ میں جو آن پڑے خوش رہے ہر آں
زنار گلے یا کہ بغل بیچ ہو قرآں
عاشق تو قلندر رہیں نہ ہندو نہ مسلماں
کافر، نہ کوئی صاحب اسلام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

جو شاہ کہاتے ہیں کوئی اُن سے یہ پوچھو
دارا و سکندر وہ گئے آہ، کدھر کو
مغرور نہ ہو شوکت و حشمت پہ، وزیرو
اس دولت و اقبال پہ مت بھولو، امیرو
نے ملک، نہ دولت، نہ سرانجام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

بیوپار جو کرتے ہیں ہر اک چیز کا زردار
آگے بھی دُکانیں تھیں کئی اور کئی بازار
جس طور کا اب چاہیے کر لیجیے بیوپار
پھر جنس، نہ دلّال، نہ مالک، نہ خریدار
نے نقد، نہ کچھ قرض، نہ کچھ وام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

اب جتنی کھڑی دیکھو ہو عالم میں عمارات
یا جھونپڑے ٹٹو کوڑی کے یا لاکھ کے محلات

کیا پست مکان، کیا یہ ہوادار مکانات
اک اینٹ بھی ڈھونڈھے کہیں آنے کی نہیں ہات
دالان نہ حجرہ، نہ در و بام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ باغ و چمن اب جو ہر اک جا میں رہے پھول
یہ شاخ، یہ غنچہ، یہ ہرے پات، یہ پھل پھول
آجاوے گی جب بادِ خزاں اُن کے اُپر بھول
ہر خار کی، ہر پھول کی اُڑ جاوے گی سب دھول
نے زرد، نہ سُرخ اور نہ سیہ فام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

مے خوار بھی کتنے ہوئے یاں مو کے ملاقی
ساقی بھی کئی ہو گئے محبوب وثاقی
لا جام کوئی بھر کے جو ہو اور بھی باقی
فرصت ہو غنیمت کوئی دم کو، ارے ساقی
نہ مے نہ صراحی نہ ترا جام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ عاشق و معشوق جو کرتے ہیں بہم چاہ
آگے بھی بہت عاشق و معشوق تھے، واللہ
وہ شخص کہاں جاتے رہے، اے مرے اللہ
اس بات سے معلوم ہوا اب تو یہی، آہ
نہ عشق، نہ عاشق نہ دلا رام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

ٹک غور کرو اب ہیں کہاں مجنوں و فرہاد
لیلیٰ کہاں، شیریں کہاں، وہ ناز وہ بیداد
جو پھول کھلے، واہ، وہ سب ہو گئے برباد
ہم تم بھی غنیمت ہیں سُن، او یار پری زاد
واں حُسن، نہ یاں عشق کا ہنگام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

محبوب بنا جس نے تمھیں حُسن دیا ہے
اُس نے ہی ہمیں عاشق جانباز کیا ہے
ملنا ہے تو مل لو یہی جینے کا مزا ہے
سب ناز و نیاز، آہ، یہ اک دم کی ہوا ہے
پھر ہجر، نہ کچھ وصل کا پیغام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

ملنے سے ہمارے جو تھیں آتا ہے الزام آنے دو، یہ تم ہم سے ملے جاؤ، سحر شام
پھر حسن کہاں، اپنے رکھو کام سے تم کام جھک مارتے ہیں وہ جو تھیں کرتے ہیں بدنام

طوفان، نہ بہتان، نہ الزام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ شعر و غزل، اب جو بناتے ہیں زبانی آگے بھی بہت چھوڑ گئے، اپنی نشانی
دیوان بنایا، کوئی قصہ کہ کہانی کچھ باقی، نظیر اب نہیں، سب چیز ہے فانی

خمسہ، نہ غزل، فرد، نہ ایہام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

جھونپڑا

یہ تن جو ہے ہر اک کے اُتارے کا جھونپڑا اس سے ہے اب بھی سب کے سہارے کا جھونپڑا
اس سے ہے بادشہ کے نظارے کا جھونپڑا اس میں ہی ہے فقیر، بچارے کا جھونپڑا

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا، یہ تن ہے دم کے گزارے کا جھونپڑا

اس میں ہی بھولے بھالے، اسی میں سیانے ہیں اس میں ہی ہوشیار، اسی میں دِوانے ہیں
اس میں ہی دشمن، اس میں ہی اپنے بیگانے ہیں شاہ جھونپڑا بھی اپنے، اسی میں شانے ہیں

اپنا نہ مول کا، نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا، یہ تن ہے دم کے گزارے کا جھونپڑا

اس میں ہی لوگ، عشق و محبت کے مارے ہیں اس میں ہی شوخ حُسن کے چاند اور ستارے ہیں
اس میں ہی یار دوست، اسی میں پیارے ہیں شاہ جھونپڑا بھی اپنے اسی میں بچارے ہیں

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا، یہ تن ہے دم کے گزارے کا جھونپڑا

اس میں ہی اہل دولت و منعم، امیر ہیں اس میں ہی رہتے سارے جہاں کے فقیر ہیں۔

اس میں ہی شاہ اور اسی میں وزیر ہیں
اس میں ہی ہیں صغیر اسی میں کبیر ہیں
اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
'بابا' یہ تن ہر دم کے گزارے کا جھونپڑا

اس میں ہی چور، ٹھگ ہیں، اسی میں امول ہیں
اس میں ہی ردّی، تنکل، اسی میں ٹھٹول ہیں
اس میں ہی، باجے اور نقارے، ڈھول ہیں
شا جھونپڑا بھی اس میں ہی کرتے کلول ہیں
اپنا نہ مول کا، نہ اجارے کا جھونپڑا!
'بابا' یہ تن ہر دم کے گزارے کا جھونپڑا

اس میں ہی پارسا ہیں اسی میں لوند ہیں
بید رد بھی اسی میں ہیں، اور درد مند ہیں
اس میں ہی سب پرند اسی میں چرند ہیں
شا جھونپڑا بھی اب اسی ڈربے میں بند ہیں
اپنا نہ مول کا، نہ اجارے کا جھونپڑا
'بابا' یہ تن ہر دم کے گزارے کا جھونپڑا

اس جھونپڑے میں رہتے ہیں سب شاہ اور وزیر
اس میں وکیل بخشی و متصدی، اور امیر
اس میں ہی سب غریب ہیں، اس میں ہی سب فقیر
شا جھونپڑا جو کہتے ہیں، سچ ہے میاں 'نظیر'
اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
'بابا' یہ تن ہر دم کے گزارے کا جھونپڑا

توکّل و ترک و تجرید

جتنے تو دیکھتا ہے یہ پھل پھول پات، بیل
سب اپنے اپنے کام کی ہیں کر رہے جھمیل
ناتا ہے یاں سو ناتھ، جو رشتہ ہے سو نکیل
جو غم پڑے سو اس کو تو اپنے ہی تن پہ جھیل
گر ہے فقیر تو، تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو نہ بیڑی، نہ بیل، پڑا اپنے سر پہ کھیل

یہ صورتیں جو دیکھے ہے، مت ان سے دل لگا
بڑتیں ہیں سوتیاں، انھیں اے یار مت جگا

شجرہ، کلاہ پھینک، اوڑا دے جھگا تنگا
آگے کو چھوڑ، ناتا، نہ پیچھے کو رکھ لگا

گر ہو فقیر تو، تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی، نہ بیل، پڑا اپنے سر پہ کھیل

جب تو ہوا فقیر، تو ناتا کسی سے کیا
چھوڑا کٹم، تو پھر رہا رشتہ کسی سے کیا
مطلب بھلا فقیر کو، بابا کسی سے کیا
دل ہر کو اپنے چھوڑ کے، ملنا کسی سے کیا

گر ہو فقیر تو، تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی، نہ بیل، پڑا اپنے سر پہ کھیل

تیری نہ یہ زمیں ہے نہ تیرا آسماں
تیرا نہ گھر، نہ بار، نہ تیرا یہ جسم و جاں
اُس کے سوا کہ جس پہ ہوا تو فقیر یاں
کوئی ترا رفیق، نہ ساتھی، نہ مہرباں

گر ہو فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں، تونبڑی، نہ بیل، پڑا اپنے سر پہ کھیل

دنیا ہی دل کو اپنے تو دے اُس کسی کے ہات
جس یار سے کہ ہو ترے جینے موے کا سات
اور یہ جو تجھ سے کرتے ہیں مل مل کے میٹھی بات
مارا پڑے گا، دیکھ، نہ کھا ان کے آت گھات

گر ہو فقیر تو، تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی، نہ بیل، پڑا اپنے سر پہ کھیل

یہ اُلفتیں کہ ساتھ ترے آٹھ پہر ہیں
یہ الفتیں نہیں ہیں مری جان قہر ہیں
جتنے یہ شہر دیکھے ہیں، جادو کے شہر ہیں
جتنی مٹھائیاں ہیں مری جان زہر ہیں

گر ہو فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی، نہ بیل، پڑا اپنے سر پہ کھیل

خوباں کے یہ جو چاند سے مُنہ پر کھلے ہیں بال
مارا ہی تیرے واسطے، صیّاد نے یہ جال
یہ بال بال اب ہی تری جان کا وبال
پھنسیو خدا کے واسطے اس میں نہ دیکھ بھال

گر ہو فقیر تو، تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی، نہ بیل، پڑا اپنے سر پہ کھیل

جس کا تو ہے فقیر، اُسی کو سمجھ تو یار
مانگے تو مانگ اُسی سے تو کیا نقد کیا اُدھار
دیوے تو لے وہی، جو نہ دیوے تو دم نہ مار
اُس کے سوا کسی سے نہ رکھ اپنا کار و بار
گر ہے فقیر تو، تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی، نہ بیل، پڑا اپنے سر پہ کھیل

دنیا اسے نہ جان، یہ دریا ہے تہہ دار
لاکھوں میں اس سے کوئی اُتر کر ہوا ہے پار
جب تو بہا تو پھر، نہ ملے گا تجھے کنار
ملّاح یاں، نہ ناؤ، نہ بلّی ہے میرے یار
گر ہے فقیر تو، تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی، نہ بیل، پڑا اپنے سر پہ کھیل

دنیا نہ کہہ اسے، یہ طلسمات ہے میاں
یہ جانور، یہ باغ، یہ گل زار، یہ مکاں
شکلیں جو دیکھتا ہے یہ جادو کی ہیں عیاں
سب کچھ ترے تئیں ہے، یہ دھوکے کی ٹٹیاں
گر ہے فقیر تو، تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی، نہ بیل، پڑا اپنے سر پہ کھیل

کیا فائدہ؟ اگر تو ہوا نام کا فقیر
ہو کر فقیر، تو بھی رہا جال میں اسیر
ایسا ہی تھا تو فقر کو ناحق کیا حقیر[۱]
ہم تو اسی سخن کے ہیں قائل، میاں نظیرؔ
گر ہے فقیر تو، تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی، نہ بیل، پڑا اپنے سر پہ کھیل

عاشقوں کی بھنگ

کیوں عبث بیٹھا ہے ڈالے کان میں غفلت کا تیل
خلق میں کیا کیا مچی ہے سبزیوں کی ریل پیل
کھول زلفِ عیش کو اور ڈال بیلے کا پھلیل
پھر چڑھا دے آسمانِ عیش پر عشرت کی بیل
کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل، بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

۱۔ اس سے ہی۔ (۲) ۔ اسیر۔

صدق سے لے نام پہلے لعل اور شہباز کا　　مانگ پھر چڑھنے کو گھوڑا باز ہاتھ اوپر اُٹھا
اور نشے کی جھانجھ ہیں، جو ہاتھ لگ جاوے سو کھا　　بھنگیاں در باغ رفتہ، بیر گٹھلی سب روا

کونڈی سونٹے کو بجا، اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل، بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

جس نے اس دنیا میں آکر ایک دن بھی پی نہ بھنگ　　اُس نے سچ پوچھو تو کیا دیکھا جہاں کا آب رنگ
گر تجھے کچھ دیکھنے ہیں، زندگی کے رنگ ڈھنگ　　تو منگا سبزی کو، اور سب دوستوں کو لے کے سنگ

کونڈی سونٹے کو بجا، اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل، بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

کل مجھے دریا پر، خواجہ خضر جو مل گئے　　سبز پیراہن گلے میں، ہاتھ میں اعصا لیے
کم خوراک اور ناتوانی کے گلے میں جب گئے　　تب تو وہ مُنہ دیکھ میرا ہنس کے یوں کہنے لگے

کونڈی سونٹے کو بجا، اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل، بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

پھر کہا میں اُن سے یوں، اے میرے ہادی، رہنما　　میں نے کچھ دیکھا نہیں، دنیا میں آنے کا مزا
جی بھی رہتا ہے اداس اور دل بھی رہتا ہے خفا　　سوچ سوچ آخر اُنھوں نے پھر یہی مجھ سے کہا

کونڈی سونٹے کو بجا، اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل، بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

مرشد و مولا سے پوچھا میں نے اُے پیر زمن　　میری کچھ لگتی نہیں، اللہ سے دل کی لگن
سُن کے بولے وہ بتاویں ہم تجھے اِس کا جتن　　جا شتاب اور جلد سبزی لے کے اِک دو چار من

کونڈی سونٹے کو بجا، اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل، بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

زر ہے تیرے پاس، تو سبزی کا تو بیوپار کر　　کوٹھیاں، مٹکے گھڑے، کوزے صراحی بھر کے دھر
ٹاٹ کے بورے سلا کھتے کھودا کوئیں بھی بھر　　بیٹھ گھر میں چین سے، دن رات اور شام و سحر

---

(۱) - بجا -

کونڈی سونٹے کو بجا، اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

اور تجھے کھیتی کی قدرت ہو تو سبزی کو بُوا
باغ میں گھر میں یا صحن میں اپیڑ سبزی کے لگا
گھونٹ سبزی، چھان سبزی، اور سبزی میں نہا
دیکھ بھی سبزی کو اور سبزی ہی پی سبزی ہی کھا
کونڈی سونٹے کو بجا، اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

یہ سخن تو سب نشے بازوں میں اب ہوگا مچا
یعنی سبزی کا نشہ اب سب نشوں کا ہو چچا
جون سے سلطان بھنگڑ سے تو پوچھے گا بچا
وہ بھی تجھ کو کہے گا اب تو شور و غل مچا
کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

یہ وہ سبزی ہے جسے پیتے ہیں یاں آکر فقیر
طفل اور بوڑھے کو یا قوتی، جواں کے حق میں کھیر
گر تو چاہے اب سخن سرسبز ہو اور دل پذیر
تو کوئی دو چار من سبزی منگا کر اے نظیر
کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

توحید

خدا کی خدائی

تنہا نہ اُسے اپنے دلِ تنگ میں پہچان
ہر باغ میں، ہر دشت میں، ہر سنگ میں پہچان
بے رنگ میں، با رنگ میں، نیرنگ میں پہچان
منزل میں، مقامات میں، فرسنگ میں پہچان
نت روم میں اور ہند میں اور زنگ میں پہچان
ہر راہ میں، ہر ساتھ میں، ہر سنگ میں پہچان
ہر عزم ارادے میں، ہر آہنگ میں پہچان
ہر دھوم میں، ہر صلح میں، ہر جنگ میں پہچان
ہر آن میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

پھل پات، کہیں شاخ کہیں پھول کہیں بیل　　نرگس کہیں سوسن کہیں بیلا کہیں رابیل
آزاد کوئی سب سے کسی کا ہو کہیں میل　　ملتا ہو کوئی راکھ چنبیلی کا کوئی تیل
کرتا[1] ہو کوئی ظلم کو[2] لیتا ہو کوئی جھیل　　باندھے کہیں تلوار اُٹھاتا ہو کوئی سیل
ادنیٰ، کوئی اعلیٰ کوئی سوکھا، کوئی ڈنڈ پیل　　جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں یہ سب کھیل

ہر آن میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں، پہچان
عاشق ہو تو دل بر کو ہر اک رنگ میں پہچان

گاتا ہو کوئی شوق میں، کرتا ہو کوئی حال　　چھانے ہو کوئی خاک، اُڑاتا ہو کوئی مال
ہنستا ہو کوئی شاد، کسی کا ہو بُرا حال　　روتا ہو کوئی ہو کے غم و درد میں پامال
ناچے ہو کوئی شوخ، بجاتا ہو کوئی گال　　پہنے ہو کوئی چیتھڑے، اوڑھے ہو کوئی شال
کرتا ہو کوئی ناز، دکھاتا ہو کوئی بال　　جب غور سے دیکھا تو اُسی کی ہو یہ سب چال

ہر آن میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہو تو دل بر کو ہر اک رنگ میں پہچان

جاتا ہو حرم میں کوئی قرآن بغل مار　　کہتا ہو کوئی دیر میں پوتھی کی سما چار
پہونچا ہو کوئی پار، بھٹکتا ہو کوئی وار　　بیٹھا ہو کوئی عیش میں پھرتا ہو کوئی زار
عاجز، کوئی بیکس، کوئی ظالم، کوئی لٹھ مار　　مفلس، کوئی ناچار، تونگر، کوئی زردار
زخمی، کوئی ماندا، کوئی اچھا، کوئی بدکار　　جب غور سے دیکھا، تو اُسی کے ہیں سب اسرار

ہر آن میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہو تو دل بر کو ہر اک رنگ میں پہچان

ہر کوئی دلی دوست کوئی جان کا دشمن　　بیٹھا ہو پہاڑوں میں، کوئی پھرتا ہو بن بن
مالا کوئی جپتا ہو، کوئی شوق میں سمرن　　چھوڑے ہو کوئی مال، سمیٹے ہو کوئی دھن
نکلے ہو جواہر کے کوئی پہن کے ابرن　　لوٹے[3] ہو کوئی خاک میں رو رو کے ہلا تن
جوگی، کوئی بھوگی، کوئی سوگی، کوئی سوگن　　جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں یہ سب فن

ن[1] - کرتا ہو کوئی، ظلم کو لیتا ہو کوئی جھیل - ن[2] - تو - ن[3] - پھانکے۔

ہر آن میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

سردی، کہیں گرمی کہیں جاڑا کہیں برسات
دوزخ، کہیں بیکنٹھ، کہیں ارض و سمٰوات
حوریں کہیں غلماں کہیں پریاں کہیں جنات
اوجڑ کہیں بستی کہیں جنگل، کہیں دیوات[ن۱]
سختی کہیں راحت، کہیں گردش کہیں سکنات
شادی کہیں ماتم کہیں نور اور کہیں ظلمات
تارے کہیں سورج کہیں برج اور کہیں دن رات
جب غور سے دیکھا تو اسی کے ہیں طلسمات

ہر آن میں ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

بیچے ہے جواہر، کوئی زر سیم و طلا رانگ
مارے کوئی پارے کو، بنا دے کوئی مرگانگ
دیتا ہے کوئی ہاتھ سے، لیتا ہے کوئی مانگ
محتاج کوئی قوت کا، رکھتا ہے کوئی دانگ
ٹھہرا ہے کوئی چور، لگاتا ہے کوئی تھانگ
ملتا ہے کوئی پوست کو، چھانے ہے کوئی بھانگ
گھنٹا ہے کہیں جھانجھ، کہیں سنکھ کہیں بانگ
جب غور سے دیکھا تو اسی کے ہیں یہ سب سوانگ

ہر آن میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

ناری کوئی بادی کوئی خاکی، کوئی آبی
صوفی کوئی زاہد کوئی بدمست شرابی
باتیں کوئی بیٹھا ہوا کرتا ہے کتابی
پیتا ہے کوئی کیف، کوئی مے کی گلابی
مارے ہے زٹل کوئی کہیں جیب ہے دابی
سچا کوئی جھوٹا ہے کوئی رند خرابی
کالا کوئی گورا کوئی، پیلا کوئی آبی
ہیں اس کی ہی قدرت کے یہ سب لال گلابی

ہر آن میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

کیا حسن کہیں پایا ہے، اللہ ہی اللہ!
کیا عشق کہیں چھایا ہے، اللہ ہی اللہ!
کیا رنگ یہ رنگوایا ہے، اللہ ہی اللہ!
کیا نور یہ جھمکایا ہے، اللہ ہی اللہ!

ن۱ ۔ دیوات ۔

کیا دھوپ ہے کیا سایا ہے اللہ ہی اللہ! | کیا مہر ہے کیا مایا ہے، اللہ ہی اللہ!
کیا ٹھاٹھ یہ ٹھہرایا ہے، اللہ ہی اللہ! | کیا بھید، نظیرؔ، آیا ہے، اللہ ہی اللہ!

ہر آن میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

تسلیم و رضا

ہر حال میں خوش رہنا کمال فقر ہے

جو فقر میں پورے ہیں، وہ ہر حال میں خوش ہیں | ہر کام میں، ہر دام میں، ہر حال میں خوش ہیں
گر مال دیا یار نے تو مال میں خوش ہیں | بے زر جو کیا، تو اسی احوال میں خوش ہیں

افلاس میں، ادبار میں، اقبال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

چہرے پہ ملامت، نہ جگر میں اثر غم | ماتھے پہ کہیں چین، نہ ابرو میں کہیں خم
شکوہ نہ زباں پر، نہ کبھی چشم ہوئی نم | غم میں بھی وہی عیش، الم میں بھی وہی دم

ہر بات، ہر اوقات، ہر افعال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

گر بار کی مرضی ہوئی سر جوڑ کے بیٹھے | گھر بار چھڑایا تو وہیں چھوڑ کے بیٹھے
موڑا انھیں جیدھر وہیں منہ موڑ کے بیٹھے | گدڑی جو سلائی تو وہی اوڑھ کے بیٹھے

گر شال اڑھائی[1] تو اسی شال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

گر اس نے دیا غم تو اسی غم میں رہے خوش | اور اس نے جو ماتم دیا، ماتم میں رہے خوش
کھانے کو ملا کم، تو اسی کم میں رہے خوش | جس طور کہا اس نے اس عالم میں رہے خوش

---

[1] اڑھایا۔

دکھ درد میں آفات میں جنجال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

جینے کا نہ اندوہ نہ مرنے کا ذرا غم
یک ساں ہے اُنھیں زندگی و موت کا عالم
واقف نہ برس سے، نہ مہینے سے وہ اک دم
نے شب کی مصیبت، نہ کبھی روز کا ماتم
دن، رات، گھڑی، پہر، مہ و سال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

گر اُس نے اُڑھایا، تو لیا اوڑھ دوشالا
کمّل جو دیا، تو وہی کاندھے پہ سنبھالا
چادر جو اُڑھائی، تو وہی ہو گئی بالا
بندھوائی لنگوٹی، تو وہیں ہنس کے کہا، لا
پوشاک میں، دستار میں، رومال میں، خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں عہ

گر کھاٹ بچھانے کو ملی کھاٹ میں سوئے
دوکاں میں سُلایا، تو وہ جا ہاٹ میں سوئے (۲)
رستے میں کہا، سو، تو وہ جا باٹ میں سوئے
گر ٹاٹ بچھانے کو دیا، ٹاٹ میں سوئے
اور کھال بچھا دی، تو اُسی کھال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

پیالے کو دیا ہاتھ، تو ہو نکلے بھکاری
بھٹلا کے کھلایا، تو وہیں عمر گزاری (۲)
میانے پہ چڑھایا، تو لگے کرنے سواری
اور پانوں چلایا، تو وہی بات سنواری
جس چال میں رکھا، وہ اسی چال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

گر مونٹھ منگا دی، تو وہی چاب لی خوش ہو
اور جُوار بھُنا دی، تو وہی چاب لی خوش ہو
سوکھی جو دلا دی، تو وہی چاب لی خوش ہو (۲)
روکھی جو اُٹھا دی، تو وہی چاب لی خوش ہو
اور دال کھلائی، تو اُسی دال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

عہ جن بندوں کے سامنے یہ نشان (۲) ہے وہ کلیات نظیر مرتبہ مولوی سید محمد عبد الغفور شہباز سے نقل کئے گئے ہیں۔

پانی جو ملا، پی لیا، جس طور کا پایا — روٹی جو ملی، تو کیا روٹی میں گزارا
دی بھوکھ اگر یار نے، تو بھوکھ کو مارا — دل شاد رہے، کر کے کڑاکے پہ کڑا کا

اور چھال چبائی، تو اُسی چھال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

گر اُس نے کہا، "سیر کرو جا کے جہاں کی" — تو پھرنے لگے جنگل و بر[1] مار کے جھانکی
کچھ دشت و بیاباں میں خبر تن کی نہ جاں کی — اور پھر جو کہا "سیر کرو حُسنِ بتاں کی"

تو چشم و رُخ و زلف و خط و خال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

قشقے کا ہوا حکم، تو قشقہ وہیں کھینچا — جُبّے کی رضا دیکھی، تو جُبّہ وہیں پہنا
آزاد کہا "ہو" تو وہیں سر کو منڈایا — جو رنگ کہا اُس نے، وہی رنگ رنگایا

کیا زرد میں، کیا سبز میں، کیا لال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

چادر جو اُڑھائی، تو سبھی ہو گئے یک بار — باہر کو چلے، فقر کی جھولی کو بغل مار
"مُنہ باندھ کے نکلو" تو وہیں ہو گئے تیّار — "سر گھونٹ منڈاؤ" تو کیا پھر وہی بستار

سب پنتھ میں، سب چال میں، سب ڈھال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

کچھ اُن کو طلب گھر کی نہ باہر سے اُنھیں کام — تکیے کی نہ خواہش ہے نہ بستر سے اُنھیں کام
اِستھل کی ہوس دل میں نہ مندر سے اُنھیں کام — مفلس سے نہ مطلب، نہ تونگر سے اُنھیں کام

میدان میں، بازار میں، چوپال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

اُن کے تو جہاں میں عجب عالم ہیں نظیرؔ آہ! — اب ایسے تو دنیا میں ولی کم ہیں، نظیرؔ آہ!
کیا جانے فرشتے ہیں کہ آدم ہیں، نظیرؔ آہ! — ہر وقت میں، ہر آن میں خرّم ہیں نظیرؔ آہ!

---

[1] جنگل و بن

جس ڈھال میں رکھا، وہ اُسی ڈھال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

دَم غنیمت ہے

عیش دنیا کو غنیمت جانو

دیکھ ٹک، غافل، چمن کو گل فشانی پھر کہاں؟
یہ بہارِ عیش[1]، یہ شورِ جوانی پھر کہاں
ساقی و مطرب، شرابِ ارغوانی پھر کہاں؟
عیش کر خوباں میں، اے دل، شادمانی پھر کہاں
شادمانی گر ہوئی تو زندگانی پھر کہاں؟

یہ جو بانکے[2] گل بدن ملتے ہیں سو سوگھات سے
کچھ مزے کچھ لوٹ حظ، ان گل رخوں کی ذات سے
ایک دم ہرگز جدا مت ہو تو ان کے سات سے
جس قدر پینا ہو پی لے[3] پانی اُن کے ہات سے
آب جنت تو بہت ہوگا، یہ پانی پھر کہاں؟

یہ جو کڑوے ہو کے ہم کو اب جھڑکتے ہیں یہاں
ان کی تلخی میں ہزاروں ہیں بھری شیرینیاں
اُٹھ سکے جب تک، اٹھا اے دل تو ان کی سختیاں
لذتیں جنت کے میوے[4] کی بہت ہوں گی وہاں
پر یہ میٹھی گالیاں خوباں کی کھانی پھر کہاں؟

رہ وہیں اے دل سدا محبوب رہتے ہیں جہاں
کر لے ان کی خدمتیں ہر دم دل و جاں سے میاں
جو تجھے دیویں سو لے لے اور غنیمت اس کو جاں
واں تو ہاں حوروں کے گہنے کے بہت ہوں گے نشاں
ان پری زادوں کے چھلوں کی نشانی پھر کہاں؟

ہو سکے جس طور سن لے دوستوں کی وار دات
اور بیاں کر آگے اُن کے ہوں جو تجھ پر مشکلات
جس گھڑی آئی قضا کوئی نہ پھر پوچھے گا بات
اُلفت و مہر و محبت سب ہے[5] جیتے جی کے سات
مہرباں جب اُٹھ[6] گئے یہ مہربانی[7] پھر کہاں؟

اب جو آغاز جوانی کی بہاریں ہیں میاں
عیش و عشرت میں اُڑا لے زندگی کی خوبیاں

---

(۱) عشق۔ (۲) یاں کے (۳) پانی پی لے۔ (۴) میووں۔ (۵) ہیں۔ (۶) ہی۔ (۷) تو۔

نشہ پی کر کوئی دم کرلے تو سیر بوستاں   واعظ و ناصح بکیں تو اُن کے کہنے کو نہ مان

دم غنیمت ہے میاں، یہ نوجوانی پھر کہاں؟

ہو کے ہر دم خوب رویوں کی محبت میں اسیر   کھا نگاہِ سرمہ سائی ناوکوں کے دل میں تیر

وصف اب ان کا جو کرنا ہے تو کرلے دل پذیر   جا پڑے چپ ہو کے جب شہرِ خموشاں میں نظیر

یہ غزل، یہ ریختہ، یہ شعر خوانی پھر کہاں؟

وجد و حال

کیا علم انھوں نے سیکھ لیا جو بن لکھے کو بانچے ہیں   اور بات نہیں منہ سے نکلی بن ہونٹ ہلائے جانچے ہیں

دل اُن کے تار ستاروں کے تن ان کے طبل طمانچے ہیں   منہ چنگ زباں دل سارنگی پا گھنگرو ہاتھ کمانچے ہیں

ہیں راگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں

جو بے گت بے سر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

کل باجے بج کر ٹوٹ گئے آواز لگی جب بھرانے   اور چھم چھم گھنگرو بند ہوئے تب گت کا انت لگے پانے

سنگیت نہیں یہ سنگت ہے ٹوٹے بھی جس سے نٹ مانے   یہ ناچ کوئی کیا پہچانے، اِس ناچ کو ناچے سو جانے

ہیں راگ انھیں کے رنگ بھرے او بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں

جو بے گت بے سر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

جب ہاتھ کو دھویا ہاتھوں سے، جب ہاتھ لگے تھرکانے کو   اور پانوں کو کھینچا پانوں سے، جب پانوں لگے گت پانے کو

جب آنکھ اٹھائی ہستی سے، جب نین لگے مٹکانے کو   سب کاچھ کچھے سب ناچ نچے اُس رسیا چھیل رجھانے کو

ہیں راگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں

جو بے گت بے سر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

جو آگ جگر میں بھڑکی ہے اُس شعلے کی اُجیالی ہے   جو منہ پر حسن کی زردی ہے اُس زردی کی سب لالی ہے

جس گت پر اُن کا پانوں پڑا اس گت کی چال نرالی ہے   جس مجلس میں وہ ناچے ہیں وہ مجلس سب سے خالی ہے

ن (۱) - پی نشے دھوم میں مچا، کر سیر باغ بوستاں ۔ ن (۲) - جس وقت کر ۔ ن (۳) - لیے ۔ ن (۴) - لہرانے ۔ ن (۵) - ہتی ۔ ن (۶) - مشغل ۔ ن (۷) - ناچیں۔

ہیں راگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سرتال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

سب گھٹنا بڑھنا پھینک ادھر اور دھیان ادھر دھر رکھتے ہیں
بن تاروں تار ملاتے ہیں جب نرت نرالا کرتے ہیں
بن گھنگرو جھمک دکھلاتے ہیں بن جوڑے من کو ہرتے ہیں
بن ہاتھوں بھاؤ دکھاتے ہیں بن پاؤں گھڑ گت بھرتے ہیں

ہیں راگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سرتال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

تھا جن کی خاطر ناچ کیا[1] جب صورت[2] ان کی آئے گئی
کہیں آپ کہا کہیں ناچ کیا[3] اور تان کہیں لہرائے[4] گئی
جب چھیل چھبیلے سندر کی چھب نینن[5] اندر چھائے گئی
اک مورچھا گت سی آئے گی اور جوت میں جوت سمائے گئی

ہیں راگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سرتال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

سب ہوش بدن کا دور ہوا جب گت پر آ مردنگ بجی
تن بھنگ ہوا دل تنگ ہوا سب آن گئی بے آن سجی
یہ ناچا[6] نظیر اب یاں کس نے[7] دیکھا ناچ اجی
جب بوند ملی جا دریا میں اس تان کا آخر نکلا جی

ہیں راگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سرتال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

چڑیوں کی تسبیح[ع]

وقت سحر کی روئیں کیا سوں ہوں ہوں ہوں کرتی ہیں
ہوں ہوں ہوں ہوں کر کر ذکر کُن اور فیکون کرتی ہیں
مرغے بولیں ککڑوں[8] کوں مرغیاں کوں کوں کرتی ہیں
طوطیاں بھی سب یاد میں اس کی بھتوں[9] بھتوں کرتی ہیں
سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چیں چیں چیں اپنی چوں کیا ست چڑیا ہے چوں کرتی ہیں

ع وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم

(۱) کیا ۔ نیا (۲) ۔ مورت ۔ صورت (۳) گیا (۴) ۔ لہرائے (۵) ۔ نینوں (۶) ۔ ناچا کون (۷) ۔ اور کس نے دیکھا (۸) ۔ ککڑوں (۹) ۔ بھتوں ۔ بھتوں

پنکھ ہو یا گر پنکھ اُسی کے غم کی تپ میں تپتے ہیں　　عنقا اور سیمرغ اسی کی فرقت بیچ تڑپتے ہیں
سارس، گدھ، حواصل، بزّے، بگلے پنکھ کلپتے ہیں　　پنکھ پکھیرو جتنے ہیں سب نام اُسی کا جپتے ہیں

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بے چوں چوں کرتی ہیں

قمری بولے "حق سرّہ"، بلبل بولے بسم اللہ　　کبک، ٹٹیری، چارو، قُلقُل اور تیتر بھی "سبحان اللہ"
دادر، مور، پپیہے، کویل کوک رہے "اللہ، اللہ"　　فاختہ "کوکو" "تہو تہو ہو ہو" طوطے بولیں "حق اللہ"

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بے چوں چوں کرتی ہیں

شکرا، چینچ اور لگھڑ، باشے اور ترمتی، باز، کوئی　　کونج، کبوتر، سبزک، جھانپو، کلکل، سارو، مار چوئی
لعل پڑھے ہے "صُمٌّ بُکمٌ"، بیا پہنے پوشاک سوئی　　بدڑی، بدّی، پودنے، شکر خورے بولیں "تو ہی تو ہی"

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بے چوں چوں کرتی ہیں

چیل کہے "طلّٰی البسجل" کہے ہے "چلوں چلوں" مت جان میاں　　کوّے "قاں قاں" کرتے ہیں "الآن کما کان" میاں
مرغ بولے مرغابی "کُلُّ مَن علیہا فان" میاں　　جتنے پنکھ پکھیرو ہیں سب پڑھتے ہیں قرآن میاں

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بے چوں چوں کرتی ہیں

ہنس، ہما، سرخاب، تدروے، بولیں "یا رحمان" میاں　　سارو، ہریل اور لٹورے، دھیڑ "یا حنّان" میاں
ققنس، تیترا، چکوا، چکوی بولیں "یا منّان" میاں　　ہدہد بولیں "اَحَد اَحَد" کچھ تو بھی تو کر دھیان میاں

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بے چوں چوں کرتی ہیں

بوم، چغد اور سبزک، بابیل اور چکوریں، شام چڑی　　کھنجن، چھیاں، تو کلنگ اور غوغائی کی دھوم ہوئی

؎ جن بندوں کے سامنے یہ نشان (؎) ہے وہ کلیات نظیر مرتبہ مولوی محمد عبد الغفور شہباز سے نقل کئے گئے ہیں؟

لنڈا - بڑھا۔

تتلی، ٹڈی، ڈانس، بھنبھیری، کتری، بھونری اور بڑی　　مکھی، مچھر، پسو، بھنگے، بول رہے سب گھڑی گھڑی

ساجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں

چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا، سب بولے چوں چوں کرتی ہیں

تن تن اور لم ڈھیک، مولا حق حق تار پروتے ہیں　　اگھن سے چنڈول، الہلفے یاد میں اس کی روتے ہیں

طائر تو سب تخم محبت اُس کا دل میں بوتے ہیں　　پنچھی اُس کی یاد کریں ہم پاؤں پسارے سوتے ہیں

ساجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں

چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا، سب بولے چوں چوں کرتی ہیں

کس کس کا یوں نام غرض ہیں جتنے طائر خرد و کبیر　　کوئی کہے "یا حی توانا" کوئی کہے "یا رب قدیر"

طائر تو سب یاد کریں اور ہم غفلت میں رہیں اسیر　　ہم سا غافل دنیا میں اب کوئی نہیں ہے آہ، **نظیر**

ساجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں

چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا، سب بولے چوں چوں کرتی ہیں

ترغیب سخاوت و عشرت

زر دار ہے تو ہرگز، مت مار اپنے من کو　　تن زیب تن سکھوں سے ترسا نہ اپنے تن کو

جو زر چلن چلیں ہیں چل تو بھی اُس چلن کو　　مرشد کا ہے یہ نکتہ، رکھ یاد اِس سخن کو

دل کی خوشی کی خاطر، چکھ ڈال مال دھن کو

گر مرد ہے تو عاشق، کوڑی نہ رکھ کفن کو

جا بیٹھ میکدوں میں سب درد و غم سے ہٹ کر　　جھمکا گلابی مے کی پیالی اُلٹ پلٹ کر

محبوب دلبروں سے خوش ہو لپیٹ لپٹ کر　　پی دودھ اور بتاشے، میوہ مٹھائی چٹ کر

دل کی خوشی کی خاطر، چکھ ڈال مال دھن کو

گر مرد ہے تو عاشق، کوڑی نہ رکھ کفن کو

کمخواب کیا، دوشالہ کیا، ریشمی دو سوتی　　گر شال کا لنگوٹا، مت رکھ قبا، اچھوتی

ن ۱ - کپڑے کرتے - ن ۲ - چل تو بھی اسی ... ۱۶۹

بولے جو شوم بھڑوا، مار اُس کے سر پہ جوتی   دو دن تو دوستوں میں، بلوائے اپنی طوطی

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو

گر مرد ہے تو عاشق، کوڑی نہ رکھ کفن کو

یاں کا یہی مزہ ہے، کھانا و یا کھلانا   بھوکے کو ڈال روٹی، ننگے کو کچھ اُڑھانا

سب اس گھڑی اُڑا لے، جو تجھ کو ہو اُڑانا   غافل پھر اس گلی میں تجھ کو نہیں ہے آنا

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو

گر مرد ہے تو عاشق، کوڑی نہ رکھ کفن کو

جو گل بدن ہیں رنڈی، زر دے انھیں منا لے   بوسہ اُنھوں کا لے کر، سینے سے پھر لگا لے

ہنس لے، ہنسا لے، ہردم دے لے، دلا لے کھا لے   جو بن سکے سو اپنے جی کے مزے اُڑا لے

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو

گر مرد ہے تو عاشق، کوڑی نہ رکھ کفن کو

جو پاس ہے ذخیرہ، مت رکھ وہ تو نے اندر   مسجد کنوئیں بنا دے، تالاب، باغ، مندر

دریا کہیں بہا دے، بن جا کہیں سمندر   سب کچھ اُڑا، لُٹا کر، ہو رہ سدا قلندر

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو

گر مرد ہے تو عاشق، کوڑی نہ رکھ کفن کو

باغوں کی دیکھ سیریں، بھر جام کے چھلکّے   اور جہان میلے ٹھیلے، کر دھوم اور دھڑکے

آدے جو شوم بھڑوا، کاڑھ اس کو دے کے دھکّے   تو شوق سے اُڑا لے، عیش و مزے جھمکّے

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو

گر مرد ہے تو عاشق، کوڑی نہ رکھ کفن کو

صندوق میں جو زر ہے اُس کو بھی لے گنوا دے   مر کے بہا کے نالے، طبلوں کو کھڑکھڑا دے

کوٹھے مکاں حویلی سب کھود کر کھلا دے   کڑیوں تلک جلا دے، اینٹوں تلک اُڑا دے

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو   گر مرد ہے تو عاشق، کوڑی نہ رکھ کفن کو

---

۵۸ جن بندوں کے سامنے یہ نشان (م) ہے وہ کلیات نظیر مرتبہ مولوی سید محمد عبد الغفور شہباز سے نقل کئے گئے ہیں۔

جو جو بخیل کُنس[۲]، زر چھوڑ کر مرے گا ‏ یا کھائے گا جنوائی، یا خالصہ لگے گا[۱]

تیرا وہی ہے جو کچھ، راہِ خدا میں دے گا ‏ کھاتا کھلاتا ہنستا، تو بھی سدا رہے گا

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو

گر مرد ہے تو عاشق، کوڑی نہ رکھ کفن کو

گر آ پڑے گا تجھ پر کچھ حادثہ خلل کا ‏ مالک پھر اور کوئی ٹھہرے گا تیرے دل کا

آگے سے دے دلا کے، ہو رہ تو اُس سے ہلکا ‏ کر فکر اپنے دل میں، کچھ آج کا نہ کل کا

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو

گر مرد ہے تو عاشق، کوڑی نہ رکھ کفن کو

زر جوڑ جوڑ اپنے، تو پاس گر رکھے گا ‏ یا چھین لے گا حاکم، یا چور لے مرے گا

تیرا وہی ہے جو کچھ، اب عیش کر چکے گا ‏ جب وقت آ پکارا، تب کچھ نہ بن سکے گا

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو

گر مرد ہے تو عاشق، کوڑی نہ رکھ کفن کو

جس نے یہ زر دیا ہے، پھر وہی دھن بھی دے گا ‏ مال و مکاں حویلی، باغ و چمن بھی دے گا

جیتا رہے گا جب تک کھانے کو ان بھی دے گا ‏ مرجائے گا تو وہی تجھ کو کفن بھی دے گا

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو

گر مرد ہے تو عاشق، کوڑی نہ رکھ کفج کو

جتنے گڑے دبے ہیں، سب کھالے اور کھلالے ‏ رکھ دُھن اسی کی دل میں، اب کھالے اور کھلالے

اپنا سمجھ اُسی کو، جب کھالے اور کھلالے ‏ اب تو نظیرؔ تو بھی، سب کھالے اور کھلالے

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو

گر مرد ہے تو عاشق، کوڑی نہ رکھ کفن کو

---

(۱) ان آخر کے دو بندوں کا کلیات نظیر مرتبہ شہباز سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ متداول نسخوں میں موجود ہیں۔

(۲) کنگ۔

آئینہ[عہ]

لے آئینے کو ہاتھ میں، اور بار بار دیکھ ۔۔۔ صورت میں اپنی قدرتِ پروردگار دیکھ
خال سیاہ اور، خطِ مشکبار دیکھ ۔۔۔ زلفِ دراز طرۂ عنبر نثار دیکھ

ہر لحظہ اپنی چشم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

آئینہ کیا ہے، جان، ترا پاک صاف دل ۔۔۔ اور خال کیا ہیں؟ تیرے سویدائے رُخ کے تل
زلف دراز، فہم رسا سے رہی ہے مل ۔۔۔ لاکھوں طرح کے رنج[فا] ہی میں ہم رہے ہیں کھل

ہر لحظہ اپنی چشم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

مشک تتار و مشک ختن بھی تجھی میں ہے ۔۔۔ یاقوت سرخ و لعل یمن بھی تجھی میں ہے
نسرین و موتیا و سمن بھی تجھی میں ہے ۔۔۔ القصہ کیا کہوں میں، چمن بھی تجھی میں ہے

ہر لحظہ اپنی چشم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

سورج مکھی کے گل کی اگر دل میں تاب ہے ۔۔۔ تو اپنے منہ کو دیکھ، کہ خود آفتاب ہے
گل اور گلاب کا بھی تجھی میں حساب ہے ۔۔۔ رخسار تیرا گل ہے پسینا گلاب ہے

ہر لحظہ اپنی چشم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

نرگس کے پھول پر، تو نہ اپنا گمان کر ۔۔۔ اور سرو سے بھی دل نہ لگا اپنا جان کر
اپنے سوا کسی پہ نہ ہرگز تو دھیان کر ۔۔۔ یہ سب سما رہے ہیں، تجھی میں تو آن کر

عہ من عرف نفسہٗ فقد عرف ربّہٗ۔

فا۔ پھول رہے ہیں تجھی میں۔

ہر لحظہ اپنی چشم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حُسن کی آپ ہی بہار دیکھ

نرگس وہ کیا ہی؟ جان تری چشم خوش نگاہ　　اور سرو کیا ہی؟ یہ ترا قد دراز، آہ
گر سیر باغ چاہیے، تو اپنی ہی کر تو چاہ　　حق نے تجھی کو باغ، بنایا ہی، واہ واہ

ہر لحظہ اپنی چشم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حُسن کی آپ ہی بہار دیکھ

گر دل میں تیرے قمری و بلبل کا دھیان ہی　　تو ہونٹھ تیرے قمری ہیں، بلبل زبان ہی
ہر تو ہی باغ اور، تو ہی باغبان ہی　　باغ و چمن میں جتنے تو اُن سب کی جان ہی

ہر لحظہ اپنی چشم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

بیلا، گلاب، سیوتی، نسرین و نسترن　　داؤدی، جوہی، لالہ و رابیل، یاسمن
جتنی جہاں میں پھولی ہیں پھولوں کی انجمن　　یہ سب تجھی میں پھول رہی ہیں چمن چمن

ہر لحظہ اپنی چشم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حُسن کی آپ ہی بہار دیکھ

باغ و چمن کے غنچۂ و گل میں نہ ہو اسیر　　قمری کی سُن صفیر، نہ بلبل کی سُن صفیر
اپنے تئیں تو دیکھ، کہ کیا ہی؟ تو اے نظیر　　ہیں حرف "من عرف" کے یہی معنی، اے نظیر

ہر لحظہ اپنی چشم کے نقش و نگار، دیکھ
اے گل تو اپنے حُسن کی آپ ہی بہار دیکھ

دنیا دارالمکافات ہی

ہی دنیا جس کا ناؤں میاں، یہ اور طرح کی بستی ہی　　جو مہنگوں کو یہ مہنگی ہی اور سستوں کو یہ سستی ہی

یاں ہر دم جھگڑے اُٹھتے ہیں ہر آن عدالت بستی ہے گر مست کرے تو مستی ہے اور پست کرے تو پستی ہے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اِس ہاتھ کرو، اُس ہاتھ ملے، یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کسی کا مان رکھے، تو اس کو بھی ارمان ملے جو پان کھلاوے پان ملے، جو روٹی دے تو نان ملے
نقصان کرے، نقصان ملے، احسان کرے، احسان ملے جو جیسا جس کے ساتھ کرے، پھر ویسا اُس کو آن ملے

کچھ دیر نہیں، اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو، اُس ہاتھ ملے، یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کسی کی جاں بخشے، تو اُس کی بھی حق جان رکھے جو اور کسی کی آن رکھے، تو اُس کی بھی حق آن رکھے
جو یاں کا رہنے والا ہے، یہ دل میں اپنے جان رکھے یہ ترت پھرت کا نقشہ ہے، اس نقشے کو پہچان رکھے

کچھ دیر نہیں، اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو، اُس ہاتھ ملے، یاں سودا دست بدستی ہے

جو پار اُتارے اوروں کو، اس کی بھی پار اُترنی ہے جو غرق کرے پھر اس کو بھی ڈبکوں ڈبکوں کرنی ہے
شمشیر، تبر، بندوق، سناں اور نشتر، تیر، نہرنی ہے یاں جیسی جیسی کرنی ہے، پھر ویسی ویسی بھرنی ہے

کچھ دیر نہیں، اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو، اُس ہاتھ ملے، یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور پہ اوچھا بول کرے، تو اُس کا بول بھی بالا ہے اور دے پٹکے تو اُس کو بھی کوئی اور پٹکنے والا ہے
بے ظلم و خطا جس ظالم نے مظلوم ذبح کر ڈالا ہے اُس ظالم کے بھی لوہو کا، پھر بہتا ندی نالا ہے

کچھ دیر نہیں، اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو، اُس ہاتھ ملے، یاں سودا دست بدستی ہے

جو مصری اور کے منہ میں دے، پھر وہ بھی شکر کھاتا ہے[عـہ] جو اور کے تئیں اب ٹکر دے، پھر وہ بھی ٹکر کھاتا ہے
جو اور کو ڈالے چکر میں، پھر وہ بھی چکر کھاتا ہے جو اور کو ٹھوکر مار چلے، پھر وہ بھی ٹھوکر کھاتا ہے
کچھ دیر نہیں، اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے اس ہاتھ کرو، اُس ہاتھ ملے، یاں سودا دست بدستی ہے

عـہ جن بندوں کے سامنے یہ نشان (۲) ہے وہ کلیات نظیر مرتبہ مولوی سید محمد عبدالغفور شہباز سے نقل کئے گئے ہیں۔

جو اور کسی کو ناحق میں کوئی جھوٹی بات لگاتا ہے
اور کوئی غریب اور بیچارہ حق ناحق میں لٹ جاتا ہے
وہ آپ بھی لوٹا جاتا ہے اور لاٹھی پاٹھی کھاتا ہے
جو جیسا جیسا کرتا ہے پھر ویسا ویسا پاتا ہے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کی پگڑی لے بھاگے اُس کا بھی اور اُچکا ہے
جو اور پہ چوکی بٹھلاوے اُس پر بھی دھونس دھڑکا ہے
یاں پشتی میں تو پشتی ہے اور دھکے میں یاں دھکا ہے
کیا زور مزے کا جمگھٹ ہے کیا زور یہ بھیڑ بھڑکا ہے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

ہے کھٹکا اُس کے ہاتھ لگا جو اور کسی کو دے کھٹکا
اور غیب سے جھٹکا کھاتا ہے جو اور کسی کو دے جھٹکا
چیرے کے بیچ میں چیرا ہے اور پٹکے بیچ جو ہے پٹکا
کیا کہیے اور نظیرؔ آگے ہے زور تماشا جھٹ پٹکا

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

دنیا دھوکے کی ٹٹی ہے

یہ پیٹھ عجب ہے دنیا کی اور کیا کیا جنس اکٹھی ہے
یاں مال کسی کا میٹھا ہے اور چیز کسی کی کھٹی ہے
کچھ پکتا ہے کچھ بھننا ہے پکوان مٹھائی پٹی ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نہ چولھا بھاڑ نہ بھٹی ہے

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی تاج خریدے ہنس ہنس کر کوئی تخت کھڑا بنواتا ہے
کوئی کپڑے رنگے پہنے ہے کوئی گدڑی اوڑھے جاتا ہے
کوئی بھائی باپ چچا نانا کوئی دادا پوتا کہاتا ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نے رشتہ ہے نے ناتا ہے

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

عہ کوئی سیٹھ، مہاجن، لاکھ پتی، بزاز، کوئی پنساری ہے   یاں بوجھ کسی کا ہلکا ہے، اور کھیپ کسی کی بھاری ہے
کیا جانے کون خریدے گا، اور کس نے جنس اتاری ہے   ص   جب دیکھا خوب تو آخر کو، دلال نہ کوئی بیوپاری ہے
غل شور، ببولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو، یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی پھول کے بیٹھے مسند پر، کوئی روئے اپنی دولت کو   کوئی بولے اپنا مجھ سے لو، اور میرا ہو سو مجھ کو دو
کوئی لڑتا ہے کوئی مرتا ہے کوئی جھگڑے حق پر ناحق کو   جب دیکھا خوب تو آخر کو کچھ لینا ایک نہ دینا دو
غل شور، ببولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو، یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

رمال، نجومی، عامل ہے، اور فاضل، ملا، سیانا ہے   کوئی عاقل، کامل ہے[1] دانا کوئی مست پڑا دیوانا ہے
تعویذ، فلیتا، فال، فسوں اور جادو منتر لانا ہے   جب دیکھا خوب تو آخر کو سب حیلہ مکر[2] بہانا ہے
غل شور، ببولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو، یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی لوٹے کوچے گلیوں میں، تیار کسی کا ڈیرا ہے   کوئی باغ کنواں[3] بنواتا ہے اور گھیر کسی نے[4] گھیرا ہے
نت قضیئے جھگڑے رہتے[5] ہیں یہ میرا ہے یہ تیرا ہے   جب دیکھا خوب تو آخر کو نے تیرا ہے نے میرا ہے
غل شور، ببولا آگ، ہوا، اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو، یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کہیں دھوم مچی ہے قرضوں کی، کہیں قرضوں کا دکھ کھینا ہے   ص   کوئی ہیرا اپنا پرکھاوے، اور بیچے کوئی چینا ہے
ہر روز تقاضا دھرنا ہے، دکھ دینا پیسا لینا ہے   جب دیکھا خوب تو آخر کو، کچھ لینا ہے نہ دینا ہے
غل شور، ببولا آگ ہوا، اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو، یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی بنیا ہے، کوئی تیلی ہے کوئی بیچے پان تنبولی ہے   ص   کوئی سر پر رکھ کر کھینچے ہے، کوئی باندھے پھرتا جھولی ہے

عہ جن بندوں کے سامنے یہ نشان (ص) ہے وہ کلیات نظیر مرتبہ مولوی سید محمد عبدالغفور شہباز سے نقل کئے گئے ہیں۔

ن۱ - دانا ہے ن۲ - فسانا - ن۳ - کوا - ن۴ - کسی کا - ن۵ - کرتے -

کہیں گون ڈھلی ہے ناجوں کی کہیں تھیلا تھیلی کھولی ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو اک دم کی بولا ٹھولی ہے
غل شور، ببولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ، پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو، یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی ٹوپی ٹوپ بناتا ہے، کوئی باندھ پھرا عمامہ ہے [ن۱]
کوئی صاف برہنہ پھرتا ہے، بے پگڑی نہ پاجامہ ہے [ن۲]
کمخواب، گزی اور گاڑھے کا نت قصہ ہے ہنگامہ ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نا پگڑی ہے نا جامہ ہے
غل شور، ببولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی بال بڑھائے پھرتا ہے، کوئی سر کو گھوٹ منڈاتا ہے
کوئی کپڑے رنگے پہنے ہے کوئی ننگے منگے آتا ہے [ن۳]
کوئی پوجا، کتھا کہانے ہے، کوئی چھاپا تلک لگاتا ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو سب چھوڑ اکیلا جاتا ہے
غل شور، ببولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو، یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی روتا ہے کوئی ہنستا ہے کوئی ناچے ہے کوئی گاتا ہے
کوئی چھینے جھپٹے لے بھاگے، کوئی دھونس دھڑکا لاتا ہے
کوئی مال اکٹھا کرتا ہے، کوئی کنجی قفل لگاتا ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو سب جھگڑا اڑ جاتا ہے
غل شور، ببولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی بیچے بھنگ شراب افیون، کہیں دودھ دہی کی پھیری ہے
کوئی لادا سر پر لاتا ہے، کوئی لادے بیل بکھیری ہے
کوئی جھگڑے اپنی جاگہ پر، یہ میری ہے یہ تیری ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو، نہ تیری ہے نہ میری ہے
غل شور، ببولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کہیں تلی بوکی، تھونی ہے، کہیں گھاس کرب کی پولی ہے
کہیں چھلنی چھاج، پٹارے ہیں کہیں چولھا چکی چولی ہے
ترکاری ہنگ، ساگ، ترا گڑ، گاندا، گاجر، مولی ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو، سب چھو یہ دیکھت بھوئی ہے
غل شور، ببولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ مٹی پانی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

ن۱۔ کوئی ٹوپی بناتا ہے یاں، کوئی ٹوپی پہنے جاتا ہے۔ ن۲۔ پگڑی ہے نہ جامہ ہے۔ نہ پگڑی نہ پاجامہ ہے۔ ن۳۔ ننگے۔

کہیں بان انیری ٹاٹ کڑی، کہیں مرکھ، چرخ ہنکلا ہی — کہیں روک رویّا، خوردہ ہی، کہیں کوڑی پیسا دھیلا ہی
کہیں ڈھانچ پلنگ کا بکتا ہی، کہیں چھلنیکا، رسّی رستا ہی — جب دیکھا خوب تو آخر کو، نہ پیڑھی کھاٹ، نہ چرخا ہی

غل شور، ببولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ پانی مٹّی ہی
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہی

کوئی شکرا، باز اُڑاتا ہی، کوئی رکھے ہاتھ پہ تتلی ہی — شاباش کوئی لے بیٹھا ہی اور دوڑ کسی نے دُت لی ہی
ہر آن کسی کے ہاتھوں میں اور ناچتی پھرتی پُتلی ہی — جب دیکھا خوب تو آخر کو، نہ ریشم، سُوت، نہ سُتلی ہی

غل شور، ببولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ پانی مٹّی ہی
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہی

اب کس کا رنگ بُرا کہیے اور کس کا روپ بھلا کہیے — اک دم کی پیٹھ لگی ہی یہ انبوہ، مزا، چرچا کہیے
یہ سیر تماشے دیکھ، نظیرؔ اب جا کہیے، بے جا کہیے — کچھ بات نہیں بن آتی ہی چپ چاپ پہیلی کیا کہیے

غل شور، ببولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ پانی مٹّی ہی
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہی

دنیا دار المکافات ہی

(۲)

دنیا عجب بازار ہی، کچھ جنس یاں کی سات لے — نیکی کا بدلا نیک ہی، بد سے بدی کی بات لے
میوہ کھلا، میوہ ملے، پھل پھول دے، پھل پات لے — آرام دے، آرام لے، دکھ درد دے، آفات لے

کلجگ نہیں، کرجگ ہی یہ، یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہی، اس ہات دے اُس ہات لے

کانٹا کسی کے مت لگا، گر[1] مثلِ گُل پھولا ہی تو — وہ تیرے حق میں تیر ہی، کس بات پر پھولا[2] ہی تو
مت آگ میں ڈال اور کو، پھر گھاس کا پولا ہی تو — سُن رکھ یہ[3] نکتہ بے خبر، کس بات پر پھولا[4] ہی تو

ن۱ - گو - ن۲ - بھولا - ن۳ - یہ - ن۴ - بھولا -

کلجگ نہیں، کر جگ ہے یہ، یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اس ہاتھ دے اس ہات لے

شوخی، شرارت، مکر و فن، سب کا بسیکھا ہے یہاں — جو جو دکھایا اور کو وہ آپ بھی دیکھا ہے یہاں
کھوٹی کھری جو کچھ کہ ہے تس کا پرکھا ہے یہاں — جو جو پڑا تلتا ہے دل تل تل کا لیکھا ہے یہاں

کلجگ نہیں، کر جگ ہے یہ، یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اس ہات دے اُس ہات لے

جو اور کی بستی رکھے اُس کا بھی بستا ہے پرا — جو اور کے مارے چھری اُس کے بھی لگتا ہے چھرا
جو اور کی توڑے گھڑی اُس کا بھی ٹوٹے ہے گھڑا — جو اور کی چیتے بدی اُس کا بھی ہوتا ہے بُرا

کلجگ نہیں کر جگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

جو اور کو پھل دیوے گا وہ بھی سدا پھل پاوے گا — گیہوں سے گیہوں جَو سے جَو چانول سے چانول پاوے گا
جو آج دیوے گا یہاں ویسا وہ واں کل پاوے گا — کل دیوے گا کل پاوے گا، کلپاوے گا کلپاوے گا

کلجگ نہیں کر جگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اس ہات دے اس ہات لے

جو چاہے لے چل اس گھڑی سب جنس یاں تیار ہے — آرام میں آرام ہے آزار میں آزار ہے
دنیا نہ جان اس کو میاں، دریا کی یہ منجدھار ہے — اوروں کا بیڑا پار کر، تیرا بھی بیڑا پار ہے

کلجگ نہیں، کر جگ ہے یہ، یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اس ہات دے اُس ہات لے

تو اور کی تعریف کر تجھ کو ثنا خوانی ملے — کر مشکل آساں اور کی تجھ کو بھی آسانی ملے
تو اور کو مہمان کر تجھ کو بھی مہمانی ملے — روٹی کھلا، روٹی ملے، پانی پلا پانی ملے

کلجگ نہیں، کر جگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اس ہات دے اُس ہات لے

جو گُل کھلاوے اور کا، اُس کا ہی گل کھلتا بھی ہے ؎   جو اور کا کیلے ہے مُنہ اُس کا ہی منہ کِلتا بھی ہے

جو اور کا چھیلے جگر، اُس کا جگر چھلتا بھی ہے   جو اور کو دیوے کپٹ، اُس کو کپٹ ملتا بھی ہے

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ، یاں دن کو دے اور رات لے

کیا خوب سودا نقد ہے، اس ہات دے اُس ہات لے

کرچک جو کچھ کرنا ہو یاں، یہ دم تو کوئی آن ہے   نقصان میں نقصان ہے، احسان میں احسان ہے

تہمت میں یاں تہمت لگے، طوفان میں طوفان ہے   رحمان کو رحمان ہے، شیطان کو شیطان ہے

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ، یاں دن کو دے اور رات لے

کیا خوب سودا نقد ہے، اس ہات دے اُس ہات لے

یاں زہر دے تو زہر لے، شکّر میں شکّر دیکھ لے   نیکوں کو نیکی کا مزا، موذی کو ٹکّر دیکھ لے

موتی جو دے موتی ملیں، پتھر میں پتھر دیکھ لے   گر تجھ کو یہ باور نہیں، تو تو بھی کر کر دیکھ لے

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ، یاں دن کو دے اور رات لے

کیا خوب سودا نقد ہے، اس ہاتھ دے اُس ہات لے

اپنے نفع کے واسطے مت اور کا نقصان کر   تیرا بھی نقصان ہووے گا اس بات پر تو دھیان کر

کھانا جو تو کھا دیکھ کر، پانی پیے تو چھان کر   یاں پانوں کو رکھ پھونک کر، اور خوف سے گزران کر

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ، یاں دن کو دے اور رات لے

کیا خوب سودا نقد ہے، اس ہاتھ دے اُس ہات لے

غفلت کی یہ جاگہ نہیں، یاں صاحب ادراک رہ   دل شاد رکھ دل شاد رہ، غم ناک رکھ غم ناک رہ

ہر حال میں تو بھی نظیرؔ، اب ہر قدم کی خاک رہ   یہ وہ مکاں ہے، او میاں! یاں پاک رہ بے باک رہ

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ، یاں دن کو دے اور رات لے

کیا خوب سودا نقد ہے، اس ہات دے اس ہات لے

؎ جن بندوں کے سامنے یہ نشان (؎) ہے وہ کلیات نظیر مرتبہ مولوی سید محمد عبدالغفور شہباز سے نقل کئے گئے ہیں۔

۱۷۱۔ اوپر۔

دُنیا بھی کیا تماشا ہے

یہ جتنا خلق میں اب جا بجا تماشا ہے
جو غور کی تو یہ سب ایک کا تماشا ہے
نہ جانو کم اسے، یارو، بڑا تماشا ہے
جدھر کو دیکھو اُدھر اک نیا تماشا ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا[1] تماشا ہے

مرے یہ دیکھ تماشے نہیں ہیں ہوش بہ جا
کسے بتاؤں میں سیدھا کسے کہوں اُلٹا
جو ہو طلسم حقیقی وہ جاوے کب سمجھا
عجب بہار کی اک سیر ہے اہا ہا ہا
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

نہیں ہے زور جنھوں میں وہ کشتی لڑتے ہیں
جو زور والے ہیں وہ آپ سے پچھڑتے ہیں
جھپٹ کے اندھے بٹیروں کے تئیں پکڑتے ہیں
نکالے چھاتیاں کُبڑے اکڑتے[3] پھرتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

ع جنھوں کے پر ہیں وہ پاؤں سے چلتے پھرتے ہیں
۴ جو بن پروں کے ہیں وہ پنکھے جھلتے پھرتے ہیں
مثال روح کے بنجے بھی چلتے پھرتے ہیں
ہرن کی طرح سے لنگڑے اُچھلتے پھرتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

بنا کے نیاریا زر کی دکان بیٹھا ہے
جو ہنڈی وال تھا وہ خاک چھان بیٹھا ہے
جو چور تھا سو وہ ہو پاسبان بیٹھا ہے
زمین پھرتی ہے اور آسمان بیٹھا ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

چکوریں گھنتی ہیں اور گدھ گھگو بڑھتے ہیں
۴ پتنگے بوند ہیں مچھر[2] فلک پہ چڑھتے ہیں
کتابیں کھول چغد بیٹھے سایہ[4] کرتے ہیں
نماز بلبلیں، طوطے قرآن پڑھتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

ع جن بندوں کے سامنے یہ نشان (۴) ہے وہ کلیات نظیر مرتبہ مولوی سید محمد عبد الغفور شہباز سے نقل کئے گئے ہیں۔

ن۱- اک۔ ن۲- بھی پیروں۔ ن۳- پڑے اکڑتے ہیں۔ ن۴- آیہ گرڑھتے

عراقی پھوس ٹٹیرے کھڑے چباتے ہیں ۔ گدھے پلاؤ کے تئیں لات مار جاتے ہیں
جو شیر ہیں انھیں گیدڑ کھڑے چڑاتے ہیں ۔ پڑھن تو ناچے ہیں مینڈک ملار گاتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

بطوں کی لمبی دمیں مور سب لنڈورے ہیں ۔ سفید کوے ہیں چیلوں کے رنگ بھورے ہیں
جو سادھ سنت ہیں پورے سو وہ ادھورے ہیں ۔ کپٹ کی ندی پہ بگلے بھگت کے پورے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

زباں ہے جس کے اشارت سے وہ پکارے ہے ۔ جو گونگا ہے وہ کھڑا فارسی بگھارے ہے
کلاہ ہنس کی کوا کھڑا اتارے ہے ۔ اُچھل کے مینڈکی ہاتھی کے لات مارے ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جو ہیں نجیب نسب کے وہ بندے چیلے ہیں ۔ کمینے اپنی بڑی ذات کے نویلے ہیں
جو باز شکرے ہیں پاپڑ کھڑے وہ بیلے ہیں ۔ لگڑ تو مر گئے اُلو شکار کھیلے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

چمن میں خشک بنوں بیچ آب جاری ہے ۔ خراب پھول ہیں کانٹوں کی گل عذاری ہے
سیاہ گوش کو پدڑی نے لات ماری ہے ۔ دبکتے پھرتے ہیں چیتے ہرن شکاری ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جنھوں کے ڈاڑھی ہے اُن کی نبات داہی ہے ۔ جو ڈاڑھی منڈے ہیں اُن کی سند گواہی ہے
سیاہی روشنی اور روشنی سیاہی ہے ۔ اُجاڑ شہر میں مُردوں کی بادشاہی ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جنھوں میں عقل نہیں وہ بڑے سیانے ہیں ۔ جو عقل رکھتے ہیں وہ باولے دوانے ہیں
زنانے شوق سے مردوں کے پہنے بانے ہیں ۔ جو مرد ہیں وہ بڑے ہیجڑے زنانے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جنھوں کے کان نہیں دور کی وہ سنتے ہیں ۔ جو کان والے ہیں بیٹھے وہ سر کو دُھنتے ہیں
دھوئیں[1] برستے ہیں اور ابر تنکے چنتے ہیں ۔ کباب[2] بھیگتے ہیں اور ملیدے بھُنتے ہیں

نسخہ ۱۔ برستے ہیں۔ نسخہ ۲۔ کباب بھونے ہیں اور کبابی بھنتے ہیں۔

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے[۵]

چمگادڑ دن کے تئیں رت جگا مناتی ہے
چھچھوندر اور بھی گھی کے دیے جلاتی ہے
جو چُہیا ڈھول بجاتی ہے گھونس گاتی ہے
گلہری بیٹھی ہوئی گلگلے پکاتی ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

پہن کے ریچھنی پوشاک جب دکھاتی ہے
گدھوں سے ہنستی ہے کتوں سے مسکراتی ہے
پری تو کوڑی کی ہستی کو داغ کھاتی ہے
چڑیل پان کے بیڑے کھڑی چباتی ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

خبیث، دیو، پلید، آ ہر اک سے لڑتے ہیں
جو آدمی ہیں وہ اُن سب کے پانوں پڑتے ہیں
بلائیں لپٹے ہیں اور بھوت جن جھگڑتے ہیں
یہ قہر دیکھو کہ زندوں سے مُردے لڑتے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

گدھا لڑائی میں ہاتی کے تئیں لتاڑے ہے
شتر کے گھر کے تئیں لومڑی اُجاڑے ہے
ہما کو بوم ہر اک وقت مارے دھاڑے ہے
غضب ہے بودنا سارس کا پَر اُکھاڑے ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

کھلے ہیں آک کے پھول اور گلاب جھڑتے ہیں
ہنولے پکتے ہیں انگور آم سڑتے ہیں
سخی کریم پڑے ایڑیاں رگڑتے ہیں
بخیل موتیوں کو موسلوں سے چھڑتے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

شکر کے غم میں شکر خوری خاک اُڑاتی ہے
جلیبی، پیڑوں اُپر مکھی بھن بھناتی ہے
اُڑیں ہیں مچھلیاں مرغی کھڑی نہاتی ہے
جنگل کی ریت میں مرغابی غوطہ کھاتی ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جو ٹھگ تھے اپنی وہ ٹھگ بد بلا سے چھوٹے ہیں
مسافر اُن کے گلے پھانسی ڈال گھوٹے ہیں
اندھیری رات میں گھر چوٹوں کے پھوٹے ہیں
سبھوں کو دن کے تئیں ساہوکار لوٹے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

۵؎ یہ مصرع کچھ غلط چھپا ہے۔ شہباز مرحوم کی تاویل دل کو نہیں لگتی۔

تدرو روتے ہیں اور زاغ کھلکھلاتے ہیں — خموش بلبلیں اور بھُجنگے چہچہاتے ہیں
چڑے اٹاریاں اور پدّے بنگلے چھاتے ہیں — بلوں کو چھوڑ کے چوہے محل اٹھاتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

چرند جتنے ہیں پر جھاڑ جھاڑ اُڑتے ہیں — پرند گرتے ہیں اور بوٹی جھاڑ اُڑتے ہیں
پڑی ہیں بستیاں ویران اُجاڑ اڑتے ہیں — اٹل ہو بیٹھے ہیں روڑے پہاڑ اڑتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

سلیماں بھوکے ہیں چیونٹی کے پاس ڈھیری ہے — کلنگ بڑے کی چڑیا نے راہ گھیری ہے
عجب اندھیرے اُجالے کی پھیرا پھیری ہے — گھڑی میں چاندنی ہو اور گھڑی اندھیری ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

عزیز تھے جو ہوئے چشم میں سبھوں کی حقیر — حقیر تھے سو ہوئے سب میں صاحب توقیر
عجب طرح کی ہوائیں ہیں اور عجب تاثیر — اچنبھے خلق کے کیا کیا کروں بیاں میں نظیر
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

عاشقوں کی سبزی

جتنے ہیں اب جہاں میں سبزی کے عشق والے — دل شاد سرخ آنکھیں سر سبز، مُنہ اُجالے
پیتے ہیں سبز طرّے کھاتے ہیں تر نوالے — کیا دیکھتا ہے بیٹھا، او یار حُسن والے
پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے

غیروں کی تو نے اکثر معجون تو ہے کھائی — سُرخی ذرا بھی تیری آنکھوں تلک نہ آئی
گر دیکھنی ہے تجھ کو کچھ عیش کی چڑھائی — اُچھلیں دوال، پاکھے اور بھنّادے چارپائی
پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے

ن۱ - اندھیری - ن۲ - چاندنی - ن۳ - تھے سو ہوئے - ن۴ - بیاں کروں میں - ن۵ - بھاویں -

گھولے ہی پوست تیری، خاطر رقیب بھڑوا[۱] | اب پوستی کرے گا تجھ کو وہ چور، ڈھڑوا[۲]
دیکھے گا جب تو لے گا، تیرا اُتار کھڑوا | گر سیر دیکھنی ہی، تو کر کے دل کو کڑوا

پی عاشقوں میں آکر، دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا، گھر گھومے چھیر ہالے

کھا کر افیم، ظالم، مت ہو جیو افیمی[۳] | تن سوکھ کر کھجاوے، آواز ہوگی دھیمی
کیوں بھنبھنا بنا ہی، اے گل عذار سیمی | عاشق تو اب اسی کے، من مست ہیں قدیمی

پی عاشقوں میں آکر، دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا، گھر گھومے چھیر ہالے

تاڑی و سیندھی بوزہ، ظالم اگر پیے گا | پھولے گا پیٹ تیرا، یا بیٹھ قے کرے گا
پی کر شراب ناحق، کیچڑ میں گر پڑے گا | اور یہ نشہ تو کوٹھے، چھجے پہ لے اُڑے گا

پی عاشقوں میں آکر، دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا، گھر گھومے چھیر ہالے

گانجا پیے سے ہوگا، تیرا شعور ھُرّا | اور چرس کے پیے سے، تجھ کو لگے گا گُھرّا
چاہے اگر اڑانا، عشرت کا باز جُرّا | تو پہن ہار بدّھی، اور سر پہ رکھ کے طرّا

پی عاشقوں میں آکر، دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا، گھر گھومے چھیر ہالے

ہیں اس نشے میں، ظالم، سو رنگ کے دھڑاکے | کونڈی کی ڈگمگاہٹ، سونٹے کے سو کھڑاکے
گر دیکھنے ہیں تجھ کو کچھ عیش کے جھڑاکے | تو جھاڑ اپنے نیچے، اور سر کو جھڑ جھڑا کے

پی عاشقوں میں آکر، دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا، گھر گھومے چھیر ہالے

سبزی کا وہ نشہ ہی اڑ غم کی دھول جاوے | تیار تن بدن ہو، اور دل بھی پھول جاوے
آنکھوں کے آگے آکر، سرسوں سی پھول جاوے | عشرت کی لہریں آویں، دکھ درد بھول جاوے

---

[۱] نسخہ ڈھڑوا [۲] نسخہ بھڑوا۔ [۳] نسخہ جھنجھنا بنے

پی عاشقوں میں آکر، دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا، گھر گھومے چھپر ہالے

پیسا ہو پاس یارو، یا مفلسی سہیں گے
پر سبزیوں کے یاں تو دریا وہی بہیں گے
کونڈی کے اس طرف کو یا اُس طرف رہیں گے
اب تو نظیرؔ پیارے، ہر دم یہی کہیں گے
پی عاشقوں میں آکر، دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا، گھر گھومے چھپر ہالے

خدا کی باتیں خدا ہی جانے

جہاں میں کیا کیا خرد کے اپنی، ہر اک بجاتا ہے شادیانے
کوئی حکیم اور کوئی مہندس، کوئی ہو پنڈت کتھا کہانے
کوئی ہے عاقل کوئی ہے فاضل، کوئی نجومی لگا کہانے
جو چاہو کوئی یہ بھید کھولے، یہ سب ہیں حیلے، یہ سب بہانے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا، کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر، خدا کی باتیں خدا ہی جانے

ہوا کے اوپر جو آسماں کا ہے چوبا خیمہ یہ تن رہا ہے
نہ اُس کے میخیں، نہ ہیں طنابیں نہ اس کے چوبیں اِدھر کھڑا ہے
اِدھر ہے چاند اور اُدھر ہے سورج، اِدھر ستارے اُدھر ہوا ہے
کسی کو مطلق خبر نہیں ہے کہ کب بنا اور کاہے کا ہے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا، تو یار آخر، خدا کی باتیں خدا ہی جانے

فلک تو کہنے کو دور ہے گا، زمیں کا اب جو یہ بسترا ہے
کھڑے ہیں لاکھوں پہاڑ جس پر فلک سے سر جن کا جا لگا ہے
ہزاروں حکمت کا اک بچھونا یہ پانی اوپر جو بچھ رہا ہے
بہت حکیموں نے خاک چھانی کوئی نہ سمجھا یہ بھید کیا ہے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر، خدا کی باتیں خدا ہی جانے

زمیں سے لے کر جو آسماں تک بھری ہے لاکھوں طرح کی خلقت
کہیں ہے ہاتھی کہیں ہے چیونٹی کہیں ہے رٹی کہیں ہے برت
یہ جتنے جلوے دکھا رہی ہے خدا کی صنعت خدا کی حکمت
جو چاہے کھولے یہ بھید اُس کے کسی کو اتنی نہیں ہے قدرت

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

کوئی جو پوچھے کسی سے جا کر "یہ ملک کیا ہے اور کب بنا ہے"[۵۷] جو جانتا ہو تو کچھ بتا دے، نہ جانے سو کیا کہے کہ کیا ہے
ارسطو، لقمان، اور فلاطوں، ہر ایک سر کو پٹک گیا ہے یہ وہ طلسمات ہے کہ جس کی، نہ ابتدا ہے، نہ انتہا ہے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا، کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا، تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

کوئی ہے ہنستا کوئی ہے روتا کہیں ہے شادی کہیں غمی ہے کہیں ترقی کہیں تنزل کہیں گماں اور کہیں یقیں ہے
کوئی گھٹا تا زمیں کے اوپر کوئی خوشی سے فلک نشیں ہے یہ بھید اپنا وہ آپ جانے کسی کو ہرگز خبر نہیں ہے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا، تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب طرح کی وہ رنگیں چوپڑ غرض بچھائی ہے اپنے خدا نے کوئی ہے مشکل کسی کا ٹنگ ہے کھڑے ہیں پرین[۱] بھی کھانے کھانے
جو پاسا پھینکے بنا بنا کر، اور دانوں گنتے ہیں دل میں ٹھانے جو چاہتا ہے اٹھارہ آویں تو اس کے پڑتے ہیں تین کانے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب یہ شطرنج کا سا نقشا بچھا ہے دن اور رات اس جا جو مات چاہے کرے، کسی کو، نہ آوے بر وہ اس کے ہاتھ اس جا
ہزاروں منصوبے باندھے دل میں بناوے چالوں کی گھات اس جا نہیں ہے اک جا رہے کہ قائم سبھوں کی بازی ہے مات اس جا
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب طرح کے ورق بنے ہیں کوئی مکدر کوئی صفا ہے کسی کے سر پر ہے تاج شاہی کسی کی شمشیر[۲] پر جفا ہے
کوئی امیر اور کوئی وزیر ہے کوئی فقیری میں دل خفا ہے سبھوں کو اس جا خلاق آیا یہ حق کی قدرت کا گنجفا ہے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

---

۵۷ جن بندوں کے سامنے یہ نشان (۴) ہے وہ کلیات نظیر مرتبہ مولوی سید محمد عبدالغفور شہباز سے نقل کئے گئے ہیں۔

ن۱۔ بہ۔ ن۲۔ پاں۔ ن۳۔ بھرے۔ ن۴۔ یہ۔ ن۵۔ کس یہ۔ ن۶۔ وزیر اور۔

یہ کون جانے کہ کل کیا کیا اور آج مالک وہ کیا کرے گا
کسے بگاڑے کسے سنوارے کسے لنڈھائے کسے بھرے گا

کسی کے گھر کون ہوگا پیدا، کسی کے گھر کون سا مرے گا
کسی کو ہرگز خبر نہیں ہے کہ کیا کیا، اور کیا کرے گا

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار، آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب طرح کا یہ جال ہے گا کمند کہیے، و یا کمندا
نہ چھوٹے چیونٹی نہ چھوٹے ہاتھی، نہ کوئی وحشی کوئی پرندا[ن۱]

سبھوں کی گردن پھنسی ہے اس میں کسی کا ٹوٹا ہے ایک پھندا
نظیر، اتنی مجال کس کی کہاں خدا اور کہاں یہ بندا

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو، یار، آخر، خدا کی باتیں، خدا ہی جانے

توکّل

اے دل کہیں تو جا کے، نہ اپنی زباں ہلائے
اور درد اپنے دل کا کسی کو تو مت سنائے

مانگ اس سے جس کے ہاتھ سے تو پیٹ بھر کے کھائے
مشہور یہ مثل ہے کہوں کیا میں تجھ سے ہائے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے؟
مقدور کیا کسی کا، وہی دے، وہی دلائے

قادر، قدیر، خالق و حاکم، حکیم ہے
مالک، ملیک، حی و توانا، قدیم ہے

دونوں جہاں میں ذات اسی کی کریم ہے
یعنے اسی کا نام، غفور و رحیم ہے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے؟
مقدور کیا کسی کا، وہی دے، وہی دلائے

ستّار، ذوالجلال، خداوند، کردگار
رزّاق، کارساز، مددگار، دوستدار

انسان، دیو و جن[ن۲] و پری، فیل و مور و مار
جاری اسی کے ہاتھ سے ہیں سب کے کاروبار

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے؟
مقدور کیا کسی کا، وہی دے وہی دلائے۔

ن۱ - ہو دے - ن۲ - نہ کوئی - ن۳ - جن، دیو۔